

چونکہ یہ ممالک ختم ہونے کا انتخاب

لاہور

ڈائجسٹ

ڈ

Mar 2018

قیمت - 70 روپے



A contact loved ones.

ایک رابطہ اپنوں سے
Aik Rabta Apno Se.

پاکستانی پوائنٹ

www.PakistaniPoint.Com

ضرغام محمود

18

کالی مانتا کا پجاری

ملک این اے کاوش

51

کریناک انجام

شہزاد خان

91

موت سے چھوکارا

ناصر محمود فراد

109

یشمک

رخشک لور

143

سزائے موت

اسد اللہ بھٹی

45

پراسرار ہوٹل

راشد نذیر طاہر

62

جان لیوا

ایس اختیار احمد

105

ڈاک بنگلہ

ملک حمید ارشاد

120

اندھیر کے اجالا

محمد حنیف شاکر

147

کامنٹی شامنی

نیرا خان

153

کالو

گلاب خان سولگی

191

بہادر کون

طارق محمود

204

کرامات

محسن عزیز بلیم

213

تک شک ناگن

ادوارہ

225

قوس قزح

محمد خالد شاہان

160

اسرار

رانا ناصر شہزاد

197

خونفک رات

مہر پرویز احمد

209

شیدے کی کرامت

محمد شعیب

221

وہ ایک پل

کھلیل غازی

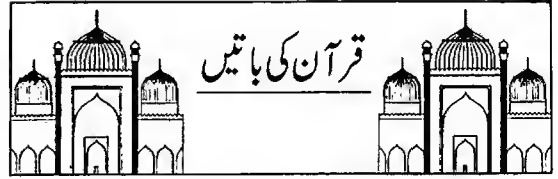
230

دیوتا نگری

خطوط

[illegible]

_Thanks

[illegible]

☆ مومنوں! جب تک تم ان چیزوں میں سے جو تمہیں عزیز ہیں اور اللہ اللہ میں صرف نہ کرو گے کبھی نیکی حاصل نہ کرو گے اور جو چیز تم صرف کرو گے اللہ اس کو چاہتا ہے۔ (سورۃ آل عمران 3 آیت 92)

☆ جو آدمی سودی اور نیکی میں اپنا مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں، اور شے کو دے اور لوگوں کے قصور معاف کرتے ہیں، اور اللہ انہیں نیکو کاروں کو دوست رکھتا ہے۔ (سورۃ آل عمران 3 آیت 134)

☆ اور حق کو باطل کے ساتھ نہ ملاؤ اور سچی بات کو جان بوجھ کر نہ چھپاؤ۔ (سورۃ بقرہ 2 آیت 42)

☆ اور جو کوئی گناہ کرتا ہے تو اس کا وبال اسی پر ہے اور اللہ چاہے والا اور حرکت والا ہے اور جو شخص کوئی قصور یا گناہ آخود خود کرے لیکن اس سے کسی بے گناہ کو بہتر سمجھ کر تو اس سے بہتان اور صریح گناہ کا بوجھ اپنے سر پر رکھا۔ (سورۃ نساء 4 آیت 111 سے 112)

☆ جو مومن ہیں وہ تو اللہ کے لئے لڑتے ہیں اور جو کافر ہیں وہ جنوں کے لئے لڑتے ہیں سو تم شیطان کے مددگاروں سے لڑو اور دُورست کیونکہ شیطان کا دواؤں کا دوا ہوتا ہے۔ (سورۃ نساء 4 آیت 76)

☆ اور جو کافر ہیں ان کے لئے دنیا کی دُعا کی خوشنما کردی گئی ہے اور وہ مومنوں سے تسخر کرتے ہیں لیکن جو شخص حق و قیامت کے دن ان پر غالب ہوں گے اور اللہ جس کو چاہتا ہے بے شمار رزق دیتا ہے۔ (سورۃ بقرہ 2 آیت 212)

☆ پہلا تم ہر آدمی جگہ پر ہمت نشانِ تفسیر کرتے ہو اور مکمل بناتے ہو تو شاید تم ہمیشہ رو گے اور جب کسی کو پکڑا سے ہو تو ظالمانہ پکڑ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو اور اس سے، جس نے تم کو ان چیزوں سے دھوکا دیا، جن کو تم چاہتے ہو، رو، اس نے تمہیں مونہ نیلیوں اور پیڑوں سے دھوکا دیا بائوں اور چشموں سے۔ مجھ کو تمہارا بے بارے میں بے سخت دین کے خطاب کا خوف ہے۔ (سورۃ شعراء 26 آیت 129 سے 135)

☆ جس شخص نے دینے کے بعد لینے کا دیا تو ایسی ہی جائے اس سے تو نرم بات کہہ دینی اور اس کے بعد اپنی سے درگزر کرنا بہتر ہے۔ اور اللہ بے پروا اور بے دبا ہے۔ (سورۃ بقرہ 2 آیت 263)

☆ ہر شخص آ میرا اشارتیں کرنے والے نخل خورد کی خرابی ہے۔ (سورۃ صحرہ 104 آیت 1)

ماہی، خیاں، مار، قہر، جان، کائنات، رنگ، بہتر، محض، شکر، اردو، فرین، اتر، رہا، مہاس، لنگ، دلہا، رہا، انت، بہتر، اشعار، فرنگیں، لکھیں، بہتر، ایل، صاحب، میری، تمام، کتب، تخیلی، اردو، جست کے ساتھ ہیں اور میں اس کو کٹر عام شاعر کا شعر ادا کر رہا ہوں کہ انہوں نے مجھے اردو جست کے شمسک کر دیا کہ آپ کا قناد اور حوصلہ افزائی کی تہیہ اور جست کے لیے کچھ نہ کچھ کر رہا ہوں۔ اگلے سیدک بک خانقاہ۔

گلاب خان سولنگی کسمور سے، اسلام پورہ، غلطوکی مکمل میں حبیب، ایڈوکیٹ خان، جونی ناظمہ احسان الحق کے غلطو خانہ رہے۔ کیا ان میں خیر نہ ہو کہ جو مرتع بہت اعلیٰ تھیں۔ یہ خان کی سادہ دیکھ بھال کی حقیقت تھی کہ یہ اور دروست تھی۔ مران تھی، ملین، غلیل جبار کی کلاہ کہ بہت اعلیٰ تھی۔ اس شیشیالہ امر کی چیل بھاری تھی۔ شاعری جو ہر اس مل جادے میں حبیب، ایڈوکیٹ خان، وردج ناچ، رنگ راجہ کا نام نہ دیکھ، فریخ کی شاعری خوب سے خوب تھی۔ قلم کار کیا ان میں خوب صورت، سیمائی اور کلاہ کے تاربت کے شاعر تھے۔ شاعر ہائی آپ کی امت کے بارے میں سنا تھا۔ آپ کلاہ کیا کرے، کہ گلاب سے کہنا ہو کہ فرخ کا کیا ان کے رہبر ہمارا۔

[illegible]

☆☆ چودیز صاحب: آپ کی باتیں حقیقت پر مبنی ہیں۔ بہر حال آپ کی محبت قابل دید ہے، اور دنیا میں سب کچھ مروجہ جاتا ہے، انسان کے ساتھ صرف اور صرف اس کا عمل جاتا ہے۔ میں اکثر سب کے لئے دعا گو رہتا ہوں کہ جنتہ تعالیٰ سب پر اپنا فضل و کرم رکھے۔

[illegible][illegible]

محمد شعیب یونس راجن پور سے، السلام علیکم! میں ڈیڑا روڈ انجٹ کے قیام کو پچاس سال پہلے کی بات کرتا ہوں۔ میں راجن پور کا رہائشی تھا۔ جب میں ڈیڑا انجٹ کا کنگاری ہوں۔ میں ڈیڑا انجٹ کو ایک سال سے چھ مقررہ ہوں۔ میں راجن پور کا رہائشی تھا۔ ہوں۔ ہمارے ساتھ ایک بکنا تھا۔ میں جہاں سے ڈیڑا انجٹ ڈیڑا سے دوسرے ٹریجے سے چلتا تھا۔ ایسے خاندان ہوں۔ میں چنے جاتا تھا۔ میں 15 سے 10 سالوں کو ڈیڑا انجٹ ڈیڑا سے دوسرے ٹریجے سے چلتا تھا۔ ایسے خاندان ہوں۔ 2017 کا ڈیڑا انجٹ سے نکلی دھڑ چھا۔ خیر خیر کنگاریوں کے خیر خیر سے ہمارے ٹریجے سے چلتے تھے۔ میں راجن پور کا رہائشی تھا۔ میں ڈیڑا انجٹ ڈیڑا سے دوسرے ٹریجے سے چلتا تھا۔ ایسے خاندان ہوں۔ 2017 کا ڈیڑا انجٹ سے نکلی دھڑ چھا۔ خیر خیر کنگاریوں کے خیر خیر سے ہمارے ٹریجے سے چلتے تھے۔ میں راجن پور کا رہائشی تھا۔ میں ڈیڑا انجٹ ڈیڑا سے دوسرے ٹریجے سے چلتا تھا۔ ایسے خاندان ہوں۔

☆ محمد شہیر صاحب: دارِ اُفحست میں سوٹ دیکھ، دارِ اُفحست اور اس کی کہانیاں دل کو بھانپیں ماس کے لئے شکر ہے قول کریں۔
بروقت دارِ اُفحست پانے کے لئے سالانہ فریڈر بن جائیں تو اچھا رہے گا۔ چلنے چلنا شروع ہو گیا اب سبب و در کوئی اچھی سی کہانی بھیج

دی۔ Thanks۔
 مختصر حیات، روزِ قیل سے، السلام علیکم اُمید کرنا ہوں کہ نیک خیر خیریت سے اور ایک نیک خاک ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ سب کو
 سداً بخیر سے لے کر دی کا شکر اور ایک خوب صورت اور نیک عمل کے ساتھ 25 جنوری کو کیا۔ نیک عمل بہت بہت خوب صورت اور
 نیک عمل تھا۔ اس نے پورے شکر کے ساتھ کچھ چاند لگا دیئے۔ شکر اور ایک نیک طرف۔ جب شکر سے لے کر نیک اور نیک خوش
 سے لے کر نیک اور نیک شکر سے لے کر بہت بہت اور نیک تھا۔ نیک نیک بہت بہت اور نیک شکر سے لے کر نیک اور نیک شکر
 ساتھ خوشی کے اور ہر امر نیک نہیں۔ سب کا نیک اور ایک سے لے کر نیک نہیں۔ اگر میں یہ کہوں کہ نیک اور نیک نہیں۔ فلاں کی بری نیک

کالی جاتا کا پجاری

نصر عام محمود کراچی

صدیوں پر محیط ایک آتما کی دیدہ دلیری اس نے تہیہ کر لیا تھا کہ اس خاندان کے ہر فرد کو نیست و نابود کر دے گی اور پھر وہ کمر بستہ ہو گئی تو خاندان والے انگشت بدنہاں ہو گئے کہ.....

لفظ لفظ اور سطر سطر..... خوف و ہراس کے سمندر میں غوطہ زن..... خوف کا کہانی



”اک تفسر معاشرے میں یہ بات مشہور ہے کہ انسانی رو میں اسی عمل میں بھوت ہوتی ہیں مرنے کے بعد انسان کی روح دوسری دنیا میں چلی جاتی ہے مگر کسی شے پر یہ بحث پا کسی سے شریعت اور انکسار کی خواہش کی تکمیل کے لئے روح اپنی دنیا کا اصول تو کر داکس جاری دنیا میں آ جاتی ہے۔“

اکثر عاملوں کا خیال ہے کہ روح الا خود بھوت نہیں کر سکتی اسے اپنا شکل مل کرنے کے لئے کسی انسان کی مدد کی ضرورت ہوتی ہے اور وہ روح کسی انسان کو اپنے تابع کر کے اس سے اپنا شکل مل کر داتی ہے مگر روح ہر انسان پر قبضہ نہیں کر سکتی روح اپنے مقصد کی تکمیل کے لئے صرف ایسے انسان کو ہی قابو کر سکتی ہے جو روحانی طور پر کمزور ہوتا ہے۔

بھوتوں کی تصویریں اور ڈانچ بڑی تعداد میں انٹرنیٹ پر موجود ہے اکثر ڈانچ بتاتے ہوئے یا تصویر وغیرہ بھیجے ہوئے ان ڈانچ اور تصویروں میں غیر مرئی مخلوق جتنی بھوتوں کی تصویریں آ جاتی ہے جس کا احساس ہند میں ڈانچ یا تصویر پر کھینچنے کے بعد ہوتا ہے۔

جنات کا وجود قرآن سے ثابت ہے لیکن بھوت پرست، چڑیل اور عمل کر دیکر وہ کے وجود کے

”بھوت کیا ہے؟ اکثر یہ سوال ذہنوں میں ابھرتا ہے دنیا میں لوگوں کی بڑی تعداد بھوتوں کے وجود پر یقین رکھتی ہے لیکن دنیا کے مختلف معاشرے میں بھوتوں کی باہت اور ان کے کردار پر نظریات مختلف ہیں کئی کرتی یا بھوت ماک میں بھوتوں کے وجود کے بارے میں معلوم کرنے کے لئے کیا بھوتوں کا وجود ہے یا نہیں۔۔۔ یہ سب معلوم کرنے کے لئے سائنسی آلات کی مدد لی گئی ہے ان آلات سے بھوتوں کے وجود کے بارے میں مثبت جواب ملا ہے۔“

”بھوتوں کے وجود پر یقین رکھنے والے اور بھوتوں کے وجود کو انسان قرار دینے والے گروڈوں افراد اس دنیا میں رہتے ہیں لیکن بھوتوں کے وجود پر یقین رکھنے ہیں تو کچھ لوگ بھوتوں کی وجود کے انکار کی ہیں مگر۔۔۔ مگر یہ سب لوگوں کی خواہش ہے کہ کہیں سے انہیں اللہ دین کا چراغ مل جائے تاکہ وہ چراغ کے جنم یا بھوت کو تابور کے کہانی زندگی کی مشکلات مل کر سکیں۔“

اتنا کہہ کر میں خاموش ہو گیا اور میں نے ایک طائرانہ نظر حاضرین پر ڈالی سب لوگ خاموشی سے بیٹھے میری تقریر سن رہے تھے، میں نے ٹھکانہ درگھا صاف کیا اور پھر اپنی تقریر جاری کر دی۔

ہوتے ہیں مختلف معاشرے میں مختلف نظریات ملتے ہیں۔ میں یہاں صرف روح کے وجود کے متعلق صرف اتنا لکھ رہا ہوں کہ اگرچہ روہیں اپنی دنیا سے نکل کر ہماری دنیا میں آجاتی ہیں اس میں کچھ کچھ روہیں ہوتی ہیں اور کچھ بری روہیں، جنہیں ہم بدروح کہتے ہیں اور کچھ بدروہیں اس دنیا کے زندہ ہائوں کو کھنکھاتی ہیں اور انسان کے لئے مسئلہ بن جاتی ہیں ان روہوں کو باوجود کہ ان روہیں اپنی دنیا میں جیسے جیسے لئے باہر عالموں کی خدمات ماحول کی جاتی ہیں۔

تقریر کے آخر میں، میں آپ کو یہ باتوں کو غیر مرئی حقائق جیسے روح، بصورت، بدن، وغیرہ کا کلی اس پسند ہوتے ہیں وہ بلاوجہ کسی کو کھنکھانے نہیں کرتے کچھ اس طرح انسانوں میں کچھ انسان شہید ہوتے ہیں باقی اس طرح ان حقائق کو سمجھنا نہیں ہوتا ہے جس طرح انسانوں کو کھنکھ کر کے حرا لیتے ہیں بشری شکل چھوٹا چھوٹا انسانوں کے لئے مسائل پیدا کرتے ہیں مگر ان کے تعداد کم ہیں۔ لیکن ان حقائق سے ڈرنا یا انہیں بلاوجہ کھنکھ کرنا انہیں بات نہیں ہے اس کا نکتہ اس خدا نے سب حقائق کا اپنا دائرہ کار رکھا ہے اور تمام حقائق بشمول انسانوں کے سب کو اپنے دائرے میں رکھتے ہوئے اپنا دائرہ کار بنا چاہے اسی طرح ہم اپنی زندگی سہل بنا سکتے ہیں۔

اتنا کہہ کر میں نے اپنی تقریر ختم کر دی اور لوگوں سے ہٹ گیا، اس کے بعد وہاں ہائیل سے کوچ آگیا میں حسین آئینہ نظروں سے ہاں میں بیٹھتے ہوئے لوگوں کو دیکھتے ہوئے آج کی خبریں اترنے لگیں۔ میں ہنزہ کے وادی کے ایک کینڈی ہاں میں بھڑوں کے وجود کے حوالے سے تقریر کر رہا تھا، میں کل ہی ہنزہ وادی آیا تھا یہاں آنے کی دعوت تھی میرے استاد ملا دوست جناب نیاز علی خاں نے وہی نیاز علی میرے میرے دوست تھے بلکہ وہ میرے استاد بھی تھے انہوں نے ہی میرے اندر مجھی کو بھی صلاحیتوں کو پہچانا اور میری صلاحیتوں کو کھنکھنا نیاز علی پہلے میرے ساتھ لینے ہوئی تھی

پڑھاتے تھے پھر ریاضت کے بعد وہ اپنے آبائی علاقے ہنزہ میں شہنشاہ ہو گئے اور یہاں انہوں نے غیر انسانی حقیقت کو اپنی بصورت پریت وغیرہ پر مبنی شروح کی ساتھ ہی انہوں نے ایک NGO بھی بنائی جو اپنے واقعات کا ٹوٹا لٹکا ہے جن کے بارے میں خیال کیا جاتا ہے کہ یہ کسی انسان کا کاہنہاں ہے۔ نیاز علی کی NGO نے ہی یہ میٹا مستند کیا تھا اور نیاز علی نے خود بھی ان کے اس سیدھا سادہ دعوے کا لہذا میں انہیں انکاٹیشن کر کا اور ہنزہ وادی آیا۔

”آؤ اگر آپ جائز“ جیسے ہی میں آگے سے نیچے اتر آیا ایک لڑکی نے آؤ اگر آپ میری جانب بڑھائی میں نے سسک کر کہا اس نے آؤ اگر آپ کی ہی اور اس پر اپنی دھمکا کر کے آؤ اگر آپ ایک اس لڑکی کو دبا دیں گی۔ ”میرے بلیز ایک تصویر۔“ ایک اور آواز ابھری اور پھر ہر جانب سے آؤ اگر آپ اور تصویروں کی فرمائشیں شروع ہو گئیں میں خندہ پیشانی کے ساتھ آؤ اگر آپ دے دے ہاتھ اور ساتھ ساتھ تصویریں کی خواہشات۔

”سہ۔۔۔ میرا اوصاف“ مجھے ایک جالی پچائی آواز آئی تو میں نے سوچا کہ وہ آواز کی صدا کیجئے؟ واؤ دوسرے دلا نیاز علی کا شاکر جو دیکھا تھا۔

”ہاں جینیہ۔۔۔ کیا بات ہے“ میں قلام لوگوں سے معذرت کرتے ہوئے جینیہ کی جانب بڑھا۔ ”سر آپ کو جائز دے دو اگر یہ ہے“ جینیہ نے کہا تو میں نیاز علی کی جانب چل گیا۔

نیاز علی نے ساج سے کچھ دور ہاں کے ایک گوشے میں ایک افغانی سے بات کی تو جوں کے ساتھ کھڑے تھے اور دونوں ہاتھیں کر رہے تھے۔

”سر آپ نے یاد کیا؟“ قریب پہنچنے کے بعد میں نیاز علی سے اوپ سے مخاطب ہوا نیاز علی میرے کو لپک کر میرے اوپر ڈر رہے تھے۔ میں ان کا ادب کرتا ہوں اور انہیں سرکہ کرنا

دیکھتے ہوئے کہنے لگے۔

”ظفر یہ ہے پھر اوصاف علی ہوائی جن کا میں نے تم سے تذکرہ کیا تھا۔“ نیاز علی نے میرا تعارف اپنے ساتھ لے کر لایا۔

”اوصاف یہ ظفر کی سہیلی ہے۔“ نیاز علی نے اس کو جان کا تعارف بھی مجھ سے کر دیا تو میں نے مگر جیجی کے ساتھ ظفر کے ساتھ مصافحہ کیا۔

”اوصاف۔۔۔ ظفر کی بیوی کے ساتھ کچھ مسئلہ ہے بلایز تم دیکھ لو۔“ نیاز علی نے ہم دونوں کا آپس میں تعارف کرانے کے بعد کہا۔

”جیسا آپ کا حکم۔۔۔“ میں نے سر جینیہ قلم کرتے ہوئے کہا۔

”کیا مسئلہ ہے آپ کی وائف کا؟“ نیاز علی کو جواب دینے کے بعد میں نے ہوا میں سے ظفر سے پوچھا۔

”سر بات کچھ کی ہے مگر میں جتنے بات کرنی چاہتا ہوں“ ظفر احترام کے ساتھ بولا۔

”او کے ایسا کر کے کچھ ہو گیا“ میں نے فہم لایا۔

”میں نے ظفر سے کہا تو وہاں میرے لگا ایک وقت آگے سے سر نیاز علی کے نام کی پھر کی نیاز علی ہم دونوں سے معذرت کرتے ہوئے آگے کی جانب چل دیے۔

ایک گج میں جلدی بیدار ہو گیا نماز وغیرہ سے فارغ ہو کر میں ہوئے سے باہر نکلا اور ہنزہ وادی کی خوبصورتی کو دیکھنے کی طرف سے ہنزہ کی سڑکوں پر سبز گشت کرنے لگا ہنزہ وادی کا کلی خوبصورت تھا۔

اللہ تعالیٰ نے خوبصورتی ہنزہ وادی میں کوٹ کوٹ کر بکھری ہے ہر جانب ہریالی ہی ہریالی ہی خوبصورت شگاف پانی کی چمکیں اور زمیں کے کنارے کھدنگ برقی چول خوبصورت نظارہ دے رہے تھے دور پہاڑوں کی چوٹیوں پر بھی سفید سفید برف دل فریب نظارہ پیش کر رہی تھی پہاڑوں کی چمکیں سے اترتی خضری خضری جب گالوں سے گرنی تو پھر یہ جسم میں ایک پر لطف احساس گزریں ہو جاتا میں ان نظاروں سے لطف

انداز دور تھا کالی دیک میں ہنزہ کے خوبصورت نظاروں کی سیر کرتا رہا اور اللہ کی منامی کی داد دیتا رہا۔ سیر کرنے کے بعد جب میں وہاں ہو گیا تو میں نے دیکھا کہ کوئی کے کاؤنٹر نظر نہ آیا شریڈی کٹر ایمریا انتھار کر رہا ہے مجھے دیکھتے ہی ظفر نے اپنا ہاتھ ہلا کر مجھے متوجہ کیا میں یہاں ظفر کے پاس پہنچا میرے قریب پہنچنے ہی ظفر نے سلام کیا۔

”میرے گھر سے آگے ذرا آگے گیا تھا۔۔۔ ہنزہ وادی بہت خوبصورت جگہ ہے۔“ ظفر کے سلام کا جواب دینے کے بعد میں نے کہا۔

”جیسا۔۔۔ ہنزہ وادی خوبصورت جگہ ہے میں بھی پہلی بار ہنزہ وادی آیا ہوں۔“ میری بات سن کر ظفر نے کہا۔

”آپ یہاں کے مقامی نہیں ہیں؟“ میں نے حیرت سے پوچھا۔

”نہیں میں لاہور سے آیا ہوں“ ظفر نے جواب دیا تو میں سہلے لگا۔

”چلو کرے میں بیٹھ کر باتیں کرتے ہیں۔“ میں نے ظفر سے کہا اور کاؤنٹر پر کھڑی لڑکی سے چائے اپنے کرے میں بیچنے کا کہہ کر میں نے اپنے قدم آگے بڑھا دیے میرے ساتھ ظفر کی قدم قدم چلتے گئے۔

کرے میں بیچنے کر میں نے ظفر کو بیٹھنے کا کہا اور خود وادی روم میں گئی میں نے فریٹس ہو کر جب میں وادی روم سے باہر نکلا تو وہاں اپنی چائے سیر کر رہی تھی میں نے چائے کا ایک کپ اٹھا کر ظفر کو دیا اور خود وادی روم سے لے کر ظفر کے قافلہ ہونے پر پہنچا۔

”ہوں۔۔۔ اب مجھے تفصیل سے بتاؤ کہ تمہاری وائف کے ساتھ کیا مسئلہ ہے؟“ میں نے چائے کی چمکوں لینے ہوئے ظفر سے پوچھا۔

”یہ جھپٹے لاکھ کی بات ہے“ ظفر چائے کا کپ ہاتھ میں رکھتا تھا مجھے وہی ہوا کی نظریں کرے کی محبت پر کڑی ہوئی تھی وہ دھرمی سوچ میں ڈوبا ہوا محسوس ہو رہا تھا شاکہ وادعات کو اپنے ذہن میں تازہ کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

لے کر جنگ کے اندر چل گئی، "غفرنا تم کہہ کر ایک باہر
خاموش ہو کر اور کچھ سوچے گا میں نے اسے ڈسٹرب
کرنا مناسب نہیں سمجھا اور خاموشی سے بیٹھا نظر کے
پولے کا انتظار کرتے لگے۔

"مرکب بلیٹن نہیں کرے گی" کچھ پر بعد نظر
نے پھر کہا شروع کیا "سیا کو اس سواری سے اتنی عبت
ہوگئی تھی کہ وہ کھنوں اس سواری کے سامنے بھی رہتی اس
سواری کے آنے کے بعد میرا نے جیسے بھڑکھڑا کر
شروع کر دیا، نہ صرف مجھے بلکہ وہ اپنے آپ سے بھی
لاہر ادا ہوگئی۔ لیکن وہی کہا تھا میں نے وہی نہ ہال
بائی نہ ہی سیا کو کھانے پینے کا ہوش تھا میں وہ چپ
چاپ کھنوں سواری کے سامنے بھی رہتی۔

پھر ایک دن میں نے زبردستی سیا کو بال وغیرہ
بنانے پر مجبور کر دیا اور ایک ٹیکل سے بڑے سے
آئینے کے سامنے اپنے بال بنانے لگی میں باہر بیٹھا تھا۔
مجھے سیا کے پیشے کی آواز آتی میں دوتا ہوا
اپنے کمرے میں پہنچا تو میں نے دیکھا کہ سیا اور ایک
ٹیکل کے سامنے اپنا نام چھاپے کھڑی ہے اور درہی
جس کا ہوا بدان لرز رہا ہے۔
"کیا ہوا۔ کیا ہوا؟" میں نے پیار سے سیا
کے بالوں میں اگلیاں بھیرے ہوئے پوچھا۔
"وہ۔ وہ میرا چہرہ۔ میرا چہرہ۔۔۔ کج گیا
ہے" میرا نے پردہ لٹا لٹا کر اپنا ہوا عاں کیا۔
"تمہارا چہرہ۔۔۔" جہاں اظہار میرے حس سے نکلا
پھر میں نے پیار سے اس کے چہرے پر سے اس کے
ہاتھ ہٹائے اور اس کا چہرہ دیکھنے لگا سیا کا چہرہ پہلے کی
طرح خوبصورت تھا میرے دونوں پر ہنسی مگرتی۔
"لو جانا۔ اپنا چہرہ خود کچھ لو" میں نے سیا کا
رخ آئینے کی جانب بھیرا۔

"نہیں۔۔۔ نہیں۔۔۔" میرا نے اپنی نظریں جھکا
لیں میں نے پیار سے اس کی ٹھوڑی پر اپنی انگلی رکھ کر اس
کا چہرہ اور کیا تو میرا نے ڈرتے ڈرتے اپنی نظریں اوپر
کیں اور جیسے ہی اس کی نظر آئینے پر پڑی تو وہ انہیں
رخ آئینے کی جانب بھیرا۔

پھر ایک شام جب میں دختر سے واپس گھر آیا تو
میں نے دیکھا کہ سیا گھر کا دروازہ کھڑکی سے اس نے
میرا تھپہ دبایا پتا ہوا ہے بہت دن بعد اس نے
مجھے واپس انداز میں خوش آئیہ کہا میں سیا کا یہ اعلا
دیکھ کر بہت خوش ہوا کہ سیا کی طبیعت رنج ہو گئی
لوٹ جانا۔

ہے۔ اس دن ہم دونوں کافی دنوں بعد گھر سے باہر نکلے
رات کا کھانا ہم دونوں نے باہر کھایا اور ہنزدہ کی سر
کرنے کے بعد ہم دونوں رات کے گھر واپس
پہنچے۔ رات کو جب میں اور سیا واپس گھر آ رہے تھے تو
ہمارے گھر کے سامنے ہماری پرہیڑی وسطی آٹھری لے
وہ اسے کہنے کے ساتھ ٹھیک لگے کہ تھے اس کے پاس
اصل نسل کا آئینہ لٹکا تھا۔

"بیٹا نظر بڑھایا کیسے ہیں آپ دونوں؟"
آٹھری نے ہم دونوں کو دیکھ کر سکرٹا ہوتے پوچھا۔
"تاکتاں آپ سامنے کیسے ہیں اور آج آپ رات
کے وقت شیر کو کھلا رہے ہیں؟" میں نے آٹھری کو جواب
دے کر سوال کی دال پر آٹھری کے کہنے کا کام تھا۔
"نہیں کھانا کھا کر ٹھیک لگتا تو یہی ساتھ ساتھ ہوا۔"

آٹھری نے جواب دیا۔
اسی وقت اچانک شیر ورنے ہو کر شروع کر دیا
وہ روز در روز سے ہو کر رہا تھا اور ساتھ ہی آٹھری کے
اتاقہ سے زنجیر چھڑا رہی تھی اور سیا کی نظر میں مسلسل
سیا میرا ہوئی تھی۔ میں اس کا مطالعے کے بغیر کھینک
ہوں گا شیر اور سیا کو ہو کر رہا تھا شیر کے کدو لگا رہے تھے
آٹھری کے ہاتھ سے زنجیر جوٹ کے اور شیر ورنے
سے ہو کر سیا واپس لے گیا تھا شیر ورنے کے ہاتھ سے
مڑ مڑ کر سیا کی جانب دیکھ رہا تھا میں نے پہلی بار شیر کی
آنکھوں میں خوف دیکھا وہ سیا سے اور بہا تھا شیر
ہماگ کر اپنے گھر میں گیا۔

"تاہم اچانک شیر کو دیکھا ہوا" آٹھری بولے
اور تیرہ دنوں سے اپنے گھر کی جانب ٹھہرے۔
"زندہ شیر کو دیکھا ہوا" آٹھری کے کہانے
کے بعد میں نے سیا سے کہہ

"پاکوں ہو کیا ہے اسے تو کوئی مدد ہی چاہیے"
سیا کا کچھ کافی بار سامنے تھا میں نے حیران ہو کر سیا کو
دیکھا کیونکہ سیا جانور سے اپنی جہت کرتی تھی لاہور
میں اس نے بھی ایک کتا پالا اور آٹھری ایسا کتا اس
طرح شیر کو کوئی مدد دینے کا کہا میرے کان

جہت کا باعث تھا۔
انگلے دن میں اچانک آٹھری میں جاگ کے لے کر گھر
سے باہر نکلا تو میں نے دیکھا کہ آٹھری کے گھر کے سامنے
رنگ لگا ہوا ہے میں جاگ کے انداز میں دوڑتا ہوا آٹھری
کے گھر کے سامنے پہنچا اور لوگوں کی میزبانی رات با رات
کے گھر واپس آٹھری کے گھر کے کدو دے پر چڑھ کر لاش
پڑی تھی شیر کی لاش اٹھری ہوئی تھی نے اس کی گردن
دوبارہ کراس کا پیٹ چھڑا کر اسے مارا تھا۔

"کل کے رات کو شیر کی ڈرڈ میز کرے ورنے
سے ہو گئی شائد کسی پیتے بار پیتے دھیرے دھیرے کسی
ورنے کا ہی کام لگتا ہے" جمع میں سے ایک آدمی بولا تو
آٹھری افسردہ سے سر ہلانے لگے، میں نے بھی دیکھا اور
مدد سے آٹھری کے کدو سے پر ہاتھ رکھا اور قریب
جا کر شیر کی لاش دیکھنے لگا، شیر کی گردن میں طعن
اٹھری ہوئی تھی اور اس کا پیٹ بھی پھٹ گیا تھا کتا تھا
کسی جانور نے اپنے منہ کو دانتوں سے خیر دوا دیا جز کر
رکھ دیا میں آٹھری سے افسوس کا اظہار کر کے واپس گھر آ
گیا جب میں گھر پہنچا تو میں نے دیکھا کہ سیا تھکی
ہوئی تھی اور سوئی کے سامنے سے بڑے حرکت میں ہے
میں نے سیا کو کہا ہے کہ گھر میرا نے مجھے کوئی جواب نہیں
دیا اور چپ چاپ بھی سوئی کھوڑتی رہی میں سیا کے
قریب پہنچا تو سیا کا چہرہ دیکھ کر حیران رہ گیا سیا کے
چہرے اور گردن پر خراشوں کے داغ نظر آتے تھے۔

"سیا۔۔۔ سیا۔۔۔ تمہارا چہرے چہرے پر خراشیں
کیسی ہیں؟" میں سیا کو کھمبے سے پکڑ کر مجھوڑتے
ہوئے پوچھا۔

"کیا۔ کیا۔" سیا نے ہنسی چکی جیسے گہری نیند
سے جاگ رہا ہے۔
"تمہارا چہرے چہرے پر خراشیں ہیں کسی؟" میں
دوبارہ پوچھا۔
"کیاں کہیں" سیا اپنے چہرے پر ہاتھ
کھیرے ہوئے پوچھنے لگی تو میں نے چھوڑا آئینہ اٹھایا اور

سجا ہو گا مگر اب ہر چیز بے ترتیب پڑی تھیں، دیواروں سے تصاویر اتر کر فرش پر بے ترتیب پڑی تھیں۔ صوفے بھی اُلٹے پڑے تھے تھنڈے کے شوٹیں فرش پر کرچیوں کی صورت میں بکھرے پڑے تھے۔

”سیسا۔۔سیسا“ ظفر بے تابلی کے ساتھ چیخا ہوا
گھر کے اندر کے جانب دروازے نے اس کے پیچھے تیز
قدموں سے چلنے لگا۔

”صاحب۔۔ صاحب۔“ ہل کے ایک کونے سے آواز ابھری تو میں نے دیکھا کہ ایک عورت جو طے سے ماسی لگ رہی تھی ظفر کی جانب لپک کر آئی۔ ”زیرینہ ماسی۔۔۔ سیما کہاں ہے؟“ ظفر نے بے تابی سے زیرینہ سے پوچھا۔

”صاحب۔۔ صاحب۔۔ یہ سب لی بی بی نے کیا ہے“ زربینہ پھولی ہوئی سانسوں کے ساتھ بولی۔
”سیما کہاں ہے؟“ ظفر نے دوبارہ اپنا سوال دہرایا۔

”وہ“ دوہلی تھی اور چہرہ تھیں۔ ”دورینہ“
جلدی جلبدی ہوئی اور زینہ کے مناسک اس کی نظر بھرتی کے
ساتھ فریے کی جانب لگا اور ایک ساتھ منہ میں جا چار
مڑھیاں کھلائے ہوئے اور کی جانب دوڑا بھڑکے
جیسے میں بھی نہ لے کی جانب لگا اور در کی سمت چل دیا
فلتر نے اور پتھر کی چھت کا دروازہ لٹا بار کو کھولا اور
اور چہرہ پر کچھ کپاس کی نظر کے پیچھے چہرہ سامنے
ایک بار بھڑک کر کچھ بول دیا اور میں تیزی کے پیچھے چہرہ سامنے
تھیں ہر پتھر چہرہ پر کچھ کو جو سطر میں دیکھا وہ
مجھے ششدر کرنے کے لئے کافی تھا۔

میں نے چھت پر پہنچ کر دیکھا کہ ایک چوہا
بچیس سال کی لڑکی چھت پر بیٹھا ہوا غمزدگی سے
دیکھ رہا ہے۔ اس طرح چل رہی ہے جیسے کسی پارک کی نرم نرم
گھاس پر چاہل قدمی کر رہی ہو۔

”سر۔۔ یہ میری دانتف سیما ہے“ مجھے دیکھ کر ظفر نے کہا تو میں نے سر ہلادیا ظفر سیما کا آواز دیتا چاہتا تھا مگر میں نے ظفر کا بازو پکڑ کے اسے روک دیا۔

”سیما کو تیز آواز میں لگانا چاہیے۔“ میں غلغلے کے کان میں سرگوشی کی تو غلغلہ میری بات سن کر سہلانے لگا۔

”سیما۔۔ سیما اور لنگ۔۔ یہاں آؤ میرے پاس۔۔“ ظفر نے اپنے اوپر قابو پاتے ہوئے بڑے پیار سے سیما کو پکارا، ظفر کی آواز سن کر سیما نے ظفر کی جانب دیکھا۔

اف سیریا کی آنکھوں سے غلغلو کو دیکھتے ہی شعلے نکلنے لگے۔ وہ کچھ آلودہ کاموں سے غلغلو کو گھور رہی تھی جس میں بدخوار سیریا کی آنکھوں کو دکھ رہا تھا۔ سیریا کی آنکھوں سے بے شک شعلے نکل رہے تھے۔۔۔ مگر اس کی آنکھیں بے غلغلو رہی تھیں۔ ایسا لگتا تھا جیسے کوئی سرمایہ دار انسان ہو، مجھے

[illegible]

خلفہ کے یہ ہوا میں اڑ رہے تھے وہ پیری طرز
ترتیب و احاطہ سیاسی کی گردن مسلسل دماغی فکری
سائنس سرکے نکلیں اس کی انجمیں اپنے عقلموں سے ماہ
نکلتے نکلیں وہ پستی پستی آواز میں سیا کو نکار رہا تھا کہ یہ
مسلل فکری کی گردن دہائے جاری تھی اس کے ہونہر
پریدی شیطانی قسم کی مسکراہٹ تھی۔

نہیں دیتا تو سیسا خنجر کو گردن دبا کر بارودیتی میں۔
جلدی سے اپنا بیگ کھولا اور اس میں سے دم کئے ہوئے۔

پانی کی بوتل نکالی اور قرآنی آیات پڑھتے ہوئے اس پانی کا چھینٹا سیمہ کے منہ پر مارا۔

جیسے یہ اپنی سیر کے منہ پر پڑا سیر کے منہ سے
 ایک مردانہ جھنجھکی اڑا کر اپنے منہ سے فخر کی گردن
 چوڑی کی نظر وہاں سے گردن پر گر کر پھر جلدی
 سے اٹھا کر سر پر فخر کیا اپنی گردن اٹھنے کوئے سیر
 کو دیکھنے کا سیراب کھڑی گردن کی گردن کی گردن
 میں جہاں کھڑی گردن کی گردن کے گردن کی گردن
 میں اٹھتی ہے گردن کی گردن کی گردن کی گردن
 قدم سیر کی گردن کی گردن کی گردن کی گردن
 ہوئے اپنی گردن کی گردن کی گردن کی گردن
 اپنی گردن کی گردن کی گردن کی گردن کی گردن

”کون ہو تم۔۔۔ بولو کون ہو تم۔؟“ میں نے اپنے بزرگوں کا عطا کردہ نقش، سیسے کے چہرے کے سامنے کیا تو سیسے کی آنکھیں بند ہونے لگیں۔

”بولو کون ہو تم۔؟“ یہ کہ جڑ سے اس کا ترقبہ ہوا۔

”راہِ جیش۔۔۔۔۔ راہِ جیش اودھا۔۔۔“ سیما کے منہ سے ایک مردانہ آواز نکلی اور پھر سیما دھڑام سے چھت کے کئے فرش پر بے ہوش ہو کر گر پڑی۔

”یہ۔۔ یہ کیا تھا یہ کس کی آواز تھی۔؟“ ظفر سہا کے منہ سے ایک انتہائی مردانہ آواز سن کر کھڑکھٹا گیا۔ ”سہا کو سننا۔۔“ میں نے ظفر سے کہا تو ظفر جلدی سے سہا کے پاس فرسٹ بیڈ پہنچا دیا سہا کا سر اپنی گود میں رکھ کر اسے ہوش میں لانے کی کوشش کرنے لگا مگر سہا ہوش میں نہ آئی۔

”سیما کو اٹھا کر کمرے میں لے چلو۔“ میں نے ظفر سے کہا تو ظفر سیما کو اپنی ہانپوں میں اٹھا کر چھت سے نیچے کی جانب اترنے لگا۔ ظفر سیما کو اٹھا کر اپنے بیلڈروم میں لے گیا اور اسے بیڈ پر لیٹا دیا۔

”یہ۔۔۔ یہ۔۔۔ میں جیسا ارادہ اکون ہے؟“ سیما کو بیڈ پر لیٹا کر ظفر نے مجھ سے پوچھا۔

”یہ بات تو میں تم سے پوچھنے والا تھا کہ یہ

”میں نہیں جانتا میں نے اس سے پہلے یہ نام

”راجہ جیش اودھا کو بعد میں دیکھیں گے پہلے
اکڑ کر فواریں گے۔“ زلفیہ کا ہاتھ سہاگہ کی جانب دلائی

نے بھی اپنا سیل فون نکالا اور ظفر کے بیڈروم سے باہر آ کر نازک علی گنسہ مارا، نازک علی سے راجیش

دودھ کے متعلق معلوم کرنا چاہتا تھا میرا خیال تھا شاید یاز علی کو اجیش دودھ کے بارے میں جانکاری ہو۔ پہلی ہی بیل پر یاز علی نے فون اٹھایا "ہیلو دصاف کیسے ہو؟"۔ نظری کی دانف کے کیس کا کیا

”سرا ہی لئے آپ کو فون کیا ہے۔۔۔ آپ سے
 ایک بات پوچھنی تھی“ میں نے ادب سے نیاز علی سے
 اجازت چاہی۔
 ”(ہاں)۔۔۔ ہوجو“

”سہ۔ آپ راجیش اودھا نام کے کسی شخص سے واقف ہیں؟“ میں نے نیلا علی سے راجیش اودھا کے متعلق پوچھا۔

”راہبش اودھا۔۔“ نیاز علی پرویز نے لگے
 ”میں کسی راہبش اودھا مانگے شخص سے واقف
 نہیں ہوں۔۔۔ کیوں تم راہبش اودھا کے متعلق کیوں
 جانتا چاہتے ہو؟“ نیاز علی نے مجھے جواب دینے کے بعد

”سرا بھی میں کچھ نہیں بتا سکتا۔ آپ پلیز
بچے جاننے والوں سے معلوم کر کے مجھے بتائیے کہ آپ
کے حلقہ احباب میں سے کوئی راجیش اودھا کے متعلق
کچھ جانتا ہے؟“ میں جولا کہا۔

”ٹھیک ہے میں معلوم کرتا ہوں جیسے ہی مجھے
کچھ بتا چلا میں تمہیں بتاتا ہوں“ نیا علی نے مجھے جواب
دیا تو میں نے خدا حافظ کہہ کر فون بند کر دیا۔
فون بند کر کے میں نے دیکھا ظہر بھی اپنے بیڈ

سائنسی، جاسوسی، بچوں کی بہترین کہانیوں کا انتخاب

ماہنامہ فکشن میگزین کلاچ

مارچ 2018 کا شمارہ شائع ہو گیا ہے۔

ماہنامہ فکشن میگزین میں آپ اپنی تحاریر، شائع کروا سکتے ہیں۔ تحریریں سائنس اور سائنس فکشن، پر مبنی ہوں، اس کے علاوہ، سائنسی ایجادات کے بارے میں معلومات، سائنس دانوں کی زندگی پر مختصر تحریر، رنگارنگ ہر طرح کی دلچسپ خبریں، اقوال، لطیفے، اور پھر دوستوں کی محفل میں آپ اپنی رائے کا بھی اظہار کر سکتے ہیں۔

قیمت -/30 روپے

اپنی تحریریں جلد سے جلد ماہنامہ فکشن میگزین کے ایڈریس پر ارسال کریں۔
ماہنامہ فکشن میگزین نورانی آرکائیو سن 3 نمبر 3 کراچی۔

Email: fictiondigest02@gmail.com

روم سے باہر آ گیا تھا اور میری فون پر بات چیت ختم ہو
نے کا انتظار کر رہا تھا۔
”ڈاکٹر آ رہا ہے“ ظفر نے مجھے اپنی جانب
متوجہ پایا تو بلا میں نے ظفر کی بات نہ کرنا سہارا ملا اور
زینے کی جانب بڑھ گیا زینے نے بچے اتر کر میں نے
دیکھا کہ زینہ مایہ میں ہال میں بھری ہوئی چیزوں کو
ترتیب سے رکھ رہا ہے اور ہال کو کافی حد تک صاف بھی
کر دیا ہے میں چھوٹے چھوٹے قدم اٹھا رہا ہوں ڈانگیں
بجلی کی جانب بڑھا اور ڈانگیں بجلی کے گرد دھکی
کر میں نے اس سے ایک کرسی لٹال کر اس پر بیٹھ گیا۔
”صاحب آپ کے لئے جانے بتاؤں۔؟“
زینہ مایہ نے مجھے ڈانگیں بجلی کے پاس بیٹھا دیکھا
تو بولی۔
”ہاں بنا دو۔“ میں نے جواب دیا میرے
سامنے پر بھری کرسی کھینچیں جس میں سیارے متعلق سوچ
رہا تھا اور یہ رامیش اور احسان کے اور اس نے سیارے
کیوں تیار کیا ہے اور وہ ظفر کو کیوں مارنا چاہتا تھا۔
میں فکشن میگزین سے مکان کے چاروں اطراف
دیکھ رہا تھا اس مکان میں کسی بڑی شیطانی قوت کے
ہونے کا احساس ہی نہیں تھا بلکہ میری قوت کے
میں ناموش ہے جیسا احوال کا جائزہ لے رہا تھا
ساتھ ہی موجودہ صورتحال کے متعلق سوچ رہا تھا کہ ایک
معضل ہاتھ میں ڈاکٹر زینہ کیوں ایک بکڑے سے اندر داخل
ہوا مجھے ہال میں آگیا جیسا کہ ظفر اور توہمرا جھجک گیا۔
”میں ڈاکٹر کمرہ میں ہوں۔ ظفر نے مجھے فون کیا تھا
کہ اس کی وادف سیارے کی طبیعت خراب ہے“ ڈاکٹر کمرہ
نے اعتقاد کے ساتھ الفاظ استعمال کرتے ہوئے اپنا
مدعا بیان کیا۔
”ہی۔۔۔ ہی ہاں سیارے کی طبیعت خراب ہے ظفر
اور سیارہ بلیڈز میں ہیں“ میں نے ڈاکٹر کمرہ سے کہا تو
وہ اپنا بیگ سنبھالتے ہوئے زینے کی جانب بڑھ گیا
شاہد ڈاکٹر کمرہ میں ظفر کا کچلی ڈاکٹر سے ہی اس لئے ظفر
کے پیلہ دم کا راستہ معلوم ہے۔

سے چائے چمک کر ہر پردہ پر گری۔

”ہاں زریںہ وہاں ہے۔۔۔ ابھی جاے سر

اصاف کے کپڑوں پر گر جاتی۔“ ظفر نے زریںہ کو تھپکی

گر زریںہ نے ظفر کی بات میں نہیں بس نہ خود غور نہ

ظفروں سے بچھے دیکھ رہی تھی۔۔۔

”آپ نے کیا نام لیا صاحب؟“ ہاں زریںہ

نے ایک بار پھر مجھ سے پوچھا۔

”راہش اودھا۔۔۔ کیا تم راجش اودھا کو

جاتی ہو؟“ میں نے ہاں زریںہ کے سوال کا جواب دینے

کے بعد غور کی سوال کیا میری نظریں ہاں زریںہ پر گری

ہوئی تھی ہاں زریںہ نے میرے سوال کا جواب انہما

میں سر ہلا کر دیا تو میری سے جھلک کر کھڑا ہو گیا۔

”کون ہے راجش اودھا۔۔۔ اور تم کیسے جانتی

ہوے۔“ میں نے جلدی سے ہاں زریںہ سے پوچھا ظفر

ابھی حیرت سے ہاں زریںہ کو دیکھ رہا تھا جس گھر کے

متعلق ہم پریشان ہو رہے تھے ہاں زریںہ اس کے

بارے میں جانتی تھی۔

”یہ نام میں نے اکثر اپنے بڑے دادا سے سنا

ہے۔“ ہاں زریںہ نے خود کو کاٹا پائے ہوئے بولی۔

”بڑے دادا۔۔۔“ عجیب سا رشتہ میں کر میں

بڑ بڑایا۔

”بڑے دادا میرے دادا کے بڑے بھائی ہیں

اس لیے ہم آپس بڑے دادا کہتے ہیں۔“ ہاں زریںہ نے

عجیب رشتے کے متعلق وضاحت میں سر ہلائے گا۔

”تمہارے بڑے دادا سے کہاں ملاقات ہو سکتی

ہے؟“ میں نے ہاں زریںہ سے پوچھا۔

”بڑے دادا ہمارے ساتھ ہی رہتے ہیں۔“ ہاں

زریںہ نے جواب دیا۔

”تم اپنے بڑے دادا سے مجھے ملو کہیں ہو؟“ میں

نے ایک بار پھر پوچھا۔

”کی ہاں۔۔۔ بڑے دادا یوں رہا ہے کہ جس سے

زیادہ تر گھر میں رہتے ہیں۔۔۔ آپ کو ان سے ملنا ہے تو

میرے گھر چلنا ہوگا۔“ ہاں زریںہ نے کہا۔

”ٹھیک ہے تم جی جیسے اپنے گھر لے جاؤ گے

اسی وقت تمہارے بڑے دادا سے ملنا چاہوگا۔“ میں نے

ہاں زریںہ سے کہا۔

”سر میں آپ کے ساتھ چلوں گا۔“ ظفر بھی

کسی سے کڑا ہو گیا۔

”مگر سہا۔۔۔ سہا کو اس حالت میں اکیلے

کیسے چھوڑ سکتے ہیں؟“ میں نے ظفر مندی سے کہا۔

”سر آپ فکر نہ کریں میں اپنے بڑی آقندی

صاحب کی والف کو بلا لیتا ہوں وہ ہمارے آگے تک

سیا کے پاس رہیں گی۔“ ظفر نے مجھے جواب دیا اور

جیرات بات سے بغیر تیزی سے میری دروازے کی

باب بند ہو گیا۔

”راجش اودھا کے متعلق تم کیا جانتی ہو؟“ ظفر

کے جانے کے بعد میں نے ہاں زریںہ سے پوچھا۔

”زیادہ کچھ نہیں۔۔۔ یہ نام میں نے اکثر

بڑے دادا کے منہ سے سنا ہے۔“ ہاں زریںہ نے

جواب دیا۔

”میں نہیں ہنزہ کی رہنے والی ہوں۔“ میں نے

ایک بار پھر ہاں زریںہ سے پوچھا۔

”ہم سبوں سے ہنزہ دیلی میں رہ رہے

ہیں۔“ ہاں زریںہ نے جواب دیا۔

اسی وقت میری دروازے سے ظفر گھر میں

داخل ہوتا نظر آیا اس کے ساتھ ایک اور عمر کی عاتق

عورت تھی اس عورت نے مجھے ادب سے سلام کیا تو میں

نے بھی اس کے سلام کا جواب دیا۔

”سر اوصاف یہ اہاری پڑوس سر آقندی

ہیں۔۔۔“ ظفر نے اس خاتون کا خفاہ ڈر لایا۔

”سیا اور بیٹہ دوم میں سے ڈاکٹر نے اسے

سکون کا انکسش دیا ہے وہ جا رہا ہے کھوٹے سوتے رہے گی

بس ہم لوگ اکی رہیں آج جاتے ہیں۔“ ظفر نے مجھے کبھی

کے بعد سزا آقندی سے مخاطف ہوا تو سزا آقندی سر

ہلائے ہوئے لڑنے کی جانب بڑھ گیا۔

”چلے سر۔۔۔“ سزا آقندی کے جانے کے بعد

و ظفر مجھے گھٹا کر کہا تو میں اور اسی زریںہ ظفر کے

پیچھے پیچھے میری دروازے کی جانب بڑھ گئے۔

مجھے دیر بعد میں ہاں زریںہ ظفر کی کار میں

بیٹھے ہوئے دادا سے ملنے ہاں زریںہ کے گھر کی جانب

رواں ہواں سے ہنزہ دیلی کی ٹریس می ٹریس پر خطیر سرنگوں

پر کسی منٹ کے سفر کے بعد کار ایک مضائقہ آئی آبادی میں

ٹھنکی ٹھنکی ہاں زریںہ کی شائدی پر ظفر نے کار ایک پارے

سے مکان کے سامنے روک دی۔

کار رکے ہی زریںہ بھرتی کے ساتھ کار سے

بچنے لگی اور خستہ حال مکان کے دروازے کے پاس

ٹھنکی میں اور ظفر کی کار سے بچے اترے زریںہ نے آگے

بڑھ کر بند دروازے کو کھٹکا اور دادا داخل ہوا۔

”آئیے صاحب۔۔۔“ زریںہ دروازہ کھولنے

کے بعد بولی اور مکان کے اندر داخل ہوئی میں اور ظفر بھی

درزینہ کے پیچھے گھر کے اندر دی گئے میں داخل ہو گئے۔

گھر کا بی پرانا قمار کمر مضبوط بنا ہوا تھا میں نے

گھر کے اندر داخل ہو کر گھر کے چاروں جانب نظریں

دوڑائی کر دی اور دروں سے خستہ حال ایک عورت تھی۔

”اماں۔۔۔ یہ میرے صاحب لوگ ہیں

۔۔۔ بڑے دادا سے ملنے آئی ہیں۔“ گھر کے اندر دی

میں سے ایک بڑی عمر کی عورت آئی تو زریںہ نے اس

عورت کو قہر کے کہا اس عورت نے ہمیں دیکھتے

ہی اپنے سر پر دو پند ٹھیک کیا اور میں اس کا یہ دعوت

درزینہ دیا اس حال سے۔

”بڑے دادا کہاں ہیں؟“ سلام کے بعد زریںہ

نے اپنی ماں سے پوچھا۔

”اپنے کمرے میں ہیں۔“ زریںہ ہاں سے

ماں نے جواب دیا تو زریںہ گھر کے اندر دی گئے

جواب بڑھ کر اس ساتھ ہی مجھے اور ظفر کو اپنے ساتھ

پہلے گا کہا میں اور ظفر بھی زریںہ کے پیچھے پیچھے گھر کے

اندرونی میں سے داخل ہو گئے اندر ایک میز پر اہاری تھی

اس راہداری کے کونے میں ایک دروازہ نظر آ رہا

تھا زریںہ تیز قدموں سے چلتی ہوئی اس دروازے تک

پہنچی میں اور ظفر بھی زریںہ کے پیچھے اس بند دروازے

تک پہنچی گئے۔ دروازے کے سامنے کھنچ کر زریںہ نے

دروازہ کھٹکا۔

”کون ہے؟“ اندر سے ایک خفاہت زدہ دہوڑی

آواز نہا رہی۔

”بڑے دادا میں ہوں زریںہ۔۔۔“ زریںہ ہاں

نے دروازے کو کھٹکا اور دروازہ کھل گیا۔

”ہاں۔۔۔“

زریںہ اندر داخل ہوئی زریںہ کے پیچھے میں اور

ظفر بھی کمرے میں داخل ہو گئے کمرے میں داخل ہو کر

میں نے دیکھا کہ ایک بڑا سا کمرہ ہے کمرے کے وسط

میں ایک پرانا چمک بچھا ہوا ہے پر ایک بڑا ہوا آوی

ٹھکے سے ٹھک لگے تھا ایک کتاب چھ رہا ہے کمرے

میں چاروں اطراف کتا کتاں ریک میں ملیتے رہے

ہیں شاید بڑے دادا کو مٹانے کا شوق ہے میں نے

کمرے میں کتا کتاں میں دیکھ کر سوچا۔

”بڑے دادا یہ میرے صاحب لوگ ہیں آپ

سے ملنا چاہتے ہیں؟“ کمرے میں داخل ہونے کے بعد

زریںہ نے بڑے دادا سے دادا کے اقرار کیا میں نے اور

ظفر نے بڑے دادا کو سلام کیا تو بڑے دادا ہمارے سلام

کا جواب دینے کے بعد چمک سے اٹھ گئے۔

”آپ۔۔۔ آپ آرام سے بیٹھے رہیے۔“ میں

بڑے دادا کے چمک کے پاس ہوتا ہوا بولا اور بڑے دادا

سے اٹھ کھڑا۔

”بڑے دادا یہ آپ سے راج۔۔۔“ زریںہ

نے کہا چائے پھر میں نے اس کے بات کا ٹھک دی۔

”زریںہاں ہمارے میں اس بات کر لیں کہ پہلے

بڑے دادا کی خبر نہ تو پوچھ لیں۔“ میں نے جلدی

سے درزینہ کی بات پر راضی میں پہلے بڑے دادا سے

تعموزی دتی کہ پورا کار پورا ہوا تھا کا ر دوہے کلف ہو کر

راجش اودھا کے بارے میں نہیں سمجھتا تھا

دیں۔ زریںہ کی یہ بات عقیدہ تھا کہ بھلا کھلا ماشوں ہوئی

اور کمرے سے باہر چلی گئی تاکہ ہم تنہا میں ہو بڑے دادا

سے محسوس کر سکیں۔ میں بڑے دادا سے بات چیت کرنے

لگا ان کی طبیعت کے متعلق پر چھا اور ان کے مشاغل کی بارے میں معلومات حاصل کرنے لگا بڑے دادا ہنرہ دہلی میں پوسٹ باسٹر سے ریٹائرمنٹ کے بعد پیش پزیر گرا کر رہے ہیں انکس بڑے کا بہت شوق ہے وہ اپنی پیش کا بڑا حصہ کتابوں کی خریداری پر خرچ کرتے ہیں۔ کافی دیر تک میں بڑے دادا سے بات چیت کرتا رہا ہمارے درمیان کافی بے تعلقی ہوئی نظر ناموسی سے بیٹھا ہمارے بات چیت نہ رہا تھا کسی بھی مچ میں لقمہ دے نہ دیتا۔

”تم مجھ سے کیا پوچھنا چاہتے تھے؟“ کافی دیر بات چیت کے بعد بڑے دادا نے مجھ سے پوچھا۔ ”بڑے دادا۔۔۔ آپ رامیش اور ادا کا متعلق کیا جانتے ہیں؟“ میں نے اپنی آواز کو کافی پارسرا ہاتھ ہوئے بڑے دادا سے پوچھا۔ ”کیا۔۔۔ کیا نام لانا تم نے؟“ بڑے دادا میرے منہ سے رامیش اور ادا کا نام کر بھیجے کھل پڑے۔ ”رامیش۔۔۔ رامیش اور ادا۔۔۔“ میں نے آہستہ آواز میں جواب دیا۔

”تو۔۔۔ تم رامیش اور ادا کو کیسے جانتے ہو؟“ بڑے دادا نے میرے سوال کا جواب دینے کے بجائے خوشحال راغ اور رامیش اور ادا کا نام سن کر بڑے دادا کے چہرے پر غصہ کے آثار پیدا ہو گئے تھے وہ جی بھلی آنکھوں سے مجھے گور رہے تھے۔ ”آ۔۔۔ آ۔۔۔“

بارے میں کیا جانتے ہے؟“ میں نے بڑے دادا کا سوال نظر انداز کرتے ہوئے اپنا سوال دوبارہ دیا۔ ”نہیں۔۔۔ پچھلے تباؤ تم رامیش اور ادا کا نام کیسے جانتے ہو؟“ بڑے دادا تعلیق مجھے لہجے میں بولے تو میں نے ایک غلطی سانس بھری اور پھر غصہ دہرے لئے خاموش ہو گیا پھر غصہ کی خاموشی دہرے میں ادا کو سہا کی بات کے متعلق بتایا اور یہ بتایا کہ سہا کے منہ سے بے ہوش ہوتے ہوئے رامیش

اور ادا کا نام لگا تھا۔

”ادب۔۔۔ میرے خدا۔۔۔ اس کا مطلب ہے کہ وہ۔۔۔ وہاں آگیا۔ اپنا انتقام لینے کے لئے وہ دوبارہ اس دنیا میں واپس آگیا۔“ بڑے دادا میرے بات سن کر بڑبڑا لے گئے۔ ”کون تھا رامیش اور ادا۔۔۔ بڑے دادا بتائیے کون تھا رامیش اور ادا؟“ میں نے ایک بار پھر اپنا سوال دہرایا۔ ”شیطان قاتل۔۔۔ بہت بڑا شیطان۔۔۔ کالی ماما کا بھگت تھا کالی ماما کا چچا کی۔۔۔ بڑے دادا بد ستور راضی کی حالت میں بڑبڑا رہے تھے۔

”بڑے دادا پائیز مجھے بتائیے رامیش اور ادا کون تھا کیا تھا؟“ میں نے سائیز نہیں پر کئے جب سے پانی گلاس میں بھر اور بڑے دادا کو پیے ہوئے گپا بڑے دادا نے میرے ہاتھ سے پانی کا گلاس لیا اور ایک سی سانس میں میرے گلاس کا پانی پی لیا، پانی پی کر بڑے دادا نے گلاس سمیٹ کر سائیز میں رکھا اور اپنے ہونٹوں کو صاف کر کے ہونے کرے کی چھت کو گھومنے لگے شاید وہ رامیش اور ادا کے متعلق یاد کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔

”بہ ہندوستان کی تقسیم سے پہلے کی بات ہے ابھی پاکستان میں تھا ہنرہ دہلی کی سڑکیں کبھی بہ ہندو گھر لے آتے تھے وہ ہندو گھر لے آتے تھے ان کے ساتھ اپنے مذہب کے مطابق مذہبی کارور سے تھان کی اپنی پہچانت گم کر دوائے پختے میں آجاتے تھے۔ ہندو مت میں ذات پات کی تقسیم بہت گہری ہے برہمن ان کی سب سے اونچی ذات ہے اس کے بعد چھتری اور پٹیل کی ذاتیں ہیں جب کہ ہندو مت میں سب سے اونچی ذات غور کی ہے غور لوگوں کو ہندو مت میں اچھوت سمجھا جاتا ہے اگر کسی غور کو سنا یہ بھی کسی برہمن پر بڑے پڑ پڑ کر برہمن کو لگا کے پانی سے نہا کر پاک ہو جاتا ہے غور کو کسی ہندو کے نماز گاہ میں آکا جالاتے تھے کی سیدھی بات یہ ہے کہ ہندو مت میں غور کو انسان ہی نہیں سمجھا جاتا۔ رامیش اور ادا کا تعلق

ہندوؤں کی غور ذات سے تھا اس کا پتا چاہیے ان کی ذات کے ہندوؤں کے گھروں کی غلات اٹھانے کا کام کرتے تھے رامیش کو کبھی ذات کا ہندو کا کردہ ہے مدد جن تھا اسے بڑے لگنے کا بہت شوق تھا رامیش اسکول جاتا اور بڑھتا چاہتا تھا اس وقت صرف اونچی ذات کے ہندوؤں کے بچے ہی اسکول جاسکتے تھے کسی اونچی ذات کے ہندو کے بچے کو اسکول میں داخل نہیں دیا جاتا تھا رامیش اسکول میں داخلہ نہ لے سکا جس کا اسے بہت ملال تھا۔

رامیش بچپن ہی سے سارا سارا دنیا کی کالی ماما کے مندر میں بھار جاتا وہاں بیٹھا چھٹا جاب کرتا رہتا تھا لوگ کہتے ہیں کہ رامیش نے کالا جادو کرکھا تھا اور وہ کالے جادو کا ماہر تھا رامیش کا تعلق گاؤں کے دیگر لوگوں سے ہمارے تھے قاتل ہندو اپنے گھر کی نہیں جاتا تھا بس کالی ماما کے چلوں میں پڑا جاتا تھا۔ بڑے دادا یہاں تک کہہ کر خاموش ہو گئے اور میرے چہرے کی جانب دیکھنے لگے میرے چہرے پر گہری گہری گفتیں تھیں میں غور سے بڑے دادا کی بات سن رہا تھا بڑے دادا کچھ دیر میری جانب دیکھتے رہے پھر کہہ بولے۔

”کھٹلا برہمن خدا مان کی لڑکی کا جانے کب کھٹلا اور رامیش اور ادا کے درمیان پریم کا پورا کھلا اور تبادلوشت ہو گیا وہ دونوں دنیا کی نظروں سے چھپ چھپ کر گھٹنے لگ کر کب تک خوش اور کھل جاتا تھا نہیں کہتے وہ دونوں میں بچڑے تھے گہری گہری ہندو لڑکے ان دونوں کو بچڑا کر گاؤں میں لائے تھے میں بھی وہیں ہو جوتا۔“

”اونچی ذات کے ہندو رامیش کی اس بڑاوت بہت سچا ہونے کو اس نے ایک اونچی ذات کی لڑکی سے پریم کیا وہ بہت پیش میں تھے فوراً پہچانت گالی ملی اور پہچانت کے ٹھکانے کھٹلا اور رامیش کو کھٹلا کر گھوڑاں دونوں کو کالی ماما کے مندر کے سامنے بڑھا کر دیا گیا کسی وقت اداؤں کی رات تھی گاؤں کے لوگوں نے شعلیں روشن کر کے کالی ماما کے مندر کے

سامنے میدان کو روشن کیا ہوا تھا کھیا کے حکم پر رامیش اور کھٹلا کو ہر پکار کر جتے ڈنڈا جانا کے کھیا نے خود اسے بڑھ کر رامیش اور کھٹلا کے منہ میں زہر کا پیالہ اٹھا دیا اور کھٹلا کی مزاحمت کی کہ ہندو لوگوں نے اس کا منہ زہر دے گا کھٹلا اور کھیا نے رامیش کے منہ میں زہر اٹھ لیا۔ دیا۔۔۔ پر جیسے ہی رامیش اور کھٹلا کے جسم کے اندر بچھا وہ دونوں تر پڑے گان کے منہ اور ناک سے خون بہہ لگا کر اس حالت میں ہی وہ دونوں ایک دوسرے کے قریب آ جاتے تھے جیسے ہی وہ ایک دوسرے کے قریب آئے لڑکے ان دونوں کی انگلیاں بچڑ کرکھیں کہ ہندوؤں کو ایک دوسرے سے دور رکھتے رامیش اور کھٹلا بھر ایک دوسرے کی جانب دھکے ہونے پڑے تھے اور لڑکے انہیں ٹھیک ٹھیک کر ایک دوسرے سے دور کرتے رہے مگر ان دونوں نے بہت نہ ہادی اور آخر کار وہ دونوں ایک دوسرے کے قریب پہنچ گئے اور دونوں نے ایک دوسرے کا ہاتھ مضبوطی سے پکڑ لیا۔

اونچی ذات کے ہندو یہ کیسے گوارا کر سکتے تھے کہ ایک سچ ذات والا لڑکا ان کی لڑکی کا ہاتھ بچڑے لہذا اونچی ذات کے ہندوؤں نے رامیش اور کھٹلا کے ہاتھوں پر بے دردی لگا لیاں برہمن مگر ان دونوں نے ایک دوسری کاپی ہاتھ میں پھڑا کھٹلا اور رامیش کا ہاتھ بچڑ کر اپنے آپ کو سچ ہوئی رامیش کے قریب آئی اور اس کے سامنے سے رامیش کے پیٹ پر سر رکھا اور غری باہنی بندھوئی آنکھوں سے رامیش کو دیکھا اور رامیش کے سینے پر سر رکھ کر کہہ پڑا۔

کھٹلا کے سر سے ہی رامیش کے منہ سے ایک بھیاک جلی نکل گئی اور اسے وہ لڑکھڑاتے ہوئے اٹھ کر کھڑا ہو گیا رامیش کا سارا جسم اس کے اپنے خون میں لہایا ہوا تھا۔

رامیش نے اپنے زخمی ہاتھ بندے کے زور زور سے کوئی متر بڑھانے لگا رامیش کے متر بڑھتے ہی ہوا میں جڑ پلٹے تھیں درختوں سے سوکے پتے گرنے لگے

ہوایا جس سے تیز تر ہوئی تھیں ایسا کہ جیسے آندھی آگئی
ہو تمام لوگ کھڑکے ہوئے تیز ہوتی چاندنی تھی۔
اسی وقت راجیش اور ادھانی شکر کی طرح دھاوا۔
”کھلیا جس طرح تو نے میری پشت کا کوسر تیر ڈٹ
دیا ہے۔ میں تیرے سارے دل کی کوسر ڈٹ دوں گا۔ یاد
رکھنا کھلیا۔“ میں اس کو آؤنگا۔۔۔ ہے کالی۔۔۔ ہے
کالی ماتا۔۔۔ راجیش کی دھمکی سن کر سب لوگ دھمک
سے دو گئے راجیش آسمان کی جانب دیکھ کر بھر پور
پڑھنے لگا۔

ایک آنکھ کی رفتار بہت تیز ہو گئی میدان
میں چلتی ہوئی ساری مشینیں جیسے کچھ نہ بھرف اندھیرا
چھایا تھا۔
اسی وقت کالی ماتا کے مندر کا دروازہ ایک
دھماکے سے کھلا اور مندر سے ایک تیز روشنی اسی روشنی
نے میدان کے وسط میں کمرے سے راجیش کو اپنے حصار
میں لیا تو راجیش کے پیر زمین سے اوپر اٹھ گئے اور وہ
روشنی سے حصار میں اڑتے ہوئے کالی ماتا کے مندر کے
اوپر چلا گیا راجیش کے مندر کے اندر جاتے ہی مندر کا
دروازہ ایک بار پھر آپ ہی آپ بند ہوا مندر کا دروازہ
بند ہوتے ہی آندھی چٹان بھی بند ہو گئی اور کبھی کوئی تمام
مشینیں خود بخود چل آئیں۔

مجھ سے تمام لوگوں کی سب سے زیادہ کچھ رکتی طاری
ہو گیا پر شخص زادہ اس کی جگہ کھڑا آفر کار پکچر بعد
چند ہزار فوٹ جان آگے ہوئے اور انھوں نے آگے بڑھ
کر کالی ماتا کے مندر کا دروازہ کھولا مندر کا دروازہ کھلا
۔۔۔ تو سب دھمک سے رہ گئے کیونکہ مندر کے اندر
راجیش اور ادھانی جو کچھ تھا حالانکہ مندر میں جانے اور
آنے کا صرف ایک ہی راستہ تھا وہ دروازہ۔۔۔ مگر
دروازہ تو بند تھا آخر راجیش کالی چلا گیا یہ بات سچ نہیں
کھڑا پر شخص سوچ رہا تھا۔
پھر کیا بات کہ مندر کے اندر داخل ہوا اس
کے ساتھ چند اور لوگ بھی مندر میں داخل ہوئے مندر
میں داخل ہو کر انھوں نے دیکھا کہ کالی ماتا کے

چوں میں ایک مردنی پڑی ہے آدھی فٹ لمبی وہ سیاہ
مردنی کالی ماتا کے چوں میں اس طرح پڑی ہوئی تھی
جیسے کالی ماتا کے چوں میں تھا ایک رسی ہو کھڑا ہت
کر کے آگے بڑھا اور اس نے وہ سیاہ مردنی اٹھائی کر
سیڑی کی۔۔۔ تو سب حیران رہ گئے کیونکہ سیاہ مردنی
کی شکل راجیش اور ادھانی بہت مل رسی کی سب لوگ
رکے مگر کھلیا نے ہت دکھائی اور لوگوں کو کڑیاں بتج
کر کے آگ دکھانے کا حکم دیا انھوں میں کالی ماتا کے
مندر کے باہر آگ دکھائی گئی کھانے وہ مردنی آگ
میں ڈال دی کالی ماتا کی دھمکی رسی جب آگ بھی
۔۔۔ تو سب حیران رہ گئے کیونکہ آگ نے مردنی کو چھلایا
نہیں۔۔۔ آگ میں کالی دیر رہنے کے باوجود اس مردنی
کا کچھ نہیں بکرا پھر کھیا کے کہنے پر چند لوگوں نے
مردنی پر بڑے بڑے پتھر برسائے مگر ان پتھروں کی
ضربوں نے بھی مردنی کو کوئی گزند نہیں پہنچایا آخر
پٹیاخت کے ہروں کے فیصلے پر مردنی کو دروازے میں
ایک کمر آگڑا کھوکھروں میں رک دیا گیا۔

اوپر والے کے بعد سب لوگ کالی غمزدارے
سب سے پھر رات لوگوں کا خیال ہوتا کہ راجیش داخل
آجائے۔۔۔ مگر جب کالی غمزدارے تک جب نہیں ہوا تو
سب لوگ مطمئن ہو گئے اور۔۔۔ پھر ہندوستان قیام ہو
گیا اور ہندو کے بہت سے ہندو بھارت چلے گئے ان
جائے وہ لوگوں میں سے ایک بھی کالی تھا۔۔۔ بڑے دادا ایک بار
پھر غمزدارے ہو گئے۔
”اس کا مطلب ہے وہ مردنی جو ظفر کے گھر
کے گاؤں سے ملی وہ راجیش اور ادھانی ہے“ میں بڑبڑایا
تو بڑے دلدارانہات میں شرمیلے لگے۔
”میں راجیش اور ادھانی نے اپنی کالی کھتی سن سے
اپنی موت کو لیا دیا اور خود کو ایک مردنی میں قید کر لیا“
میں پھر سوچنے سے بڑبڑاتا لگا۔

”ہاں۔۔۔ راجیش اور ادھانی کھتیں ان کا ہر قرا
وہ کالی ماتا کا سب سے بڑا بھگت۔ سب سے بڑا
پجاری تھا“ میری بات سن کر بڑے دادا بھی ہلے۔

”مگر راجیش نے یہ سارہ بھی کیوں قید کیا“ ظفر
جانتی دیر سے ہادی بآسمان ہاتھ لایا تھا۔
”یہ سوچنے کی بات ہے۔۔۔ شاہد اس لیے
نے یہ سارہ قید کیا کہ یہ سارا کالی غمزدارے ہے اور اپنی موجودہ
حالت کی وجہ سے کرم دہی ہے“ میں نے یہ سارے حاملہ
ہونے کی جانب اشارہ کرتے ہوئے ظفر کو جواب دیا۔
”راجیش نے مجھے لڑنے کی کوشش کیوں کی؟“
ظفر نے اس واقعے کو یاد کرتے ہوئے پوچھا جب یہاں
کے اندر موجود راجیش نے ظفر کا گھبراہٹ کر کرنا تھا۔
”کہیں تمہارا تعلق کھیا کے گھرانے سے نہیں
ہے“ میں نے ظفر سے پوچھا۔
”نہیں ہم لوگ ایرانی ہیں اور میرے آباؤ اجداد
برسوں پہلے لاہور آکر آباد ہو گئے تھے“ ظفر نے غمی میں
سر ہلاتے ہوئے جواب دیا۔
”کھیا اور اس کے خاندان کا کیا ہوا؟“ میں نے
بڑے دادا سے پوچھا۔
”کھیا تو قیسم کے وقت بھارت چلا گیا تھا“

بڑے دادا نے جواب دیا۔
”اور کھیا کے گھرانے؟“ میں نے پھر سوال کیا۔
”کھیا کی بیوی کا کھانا تو راجیش کے دادا نے
کے ساتھ لے کر ہندوستان لایا تھا۔۔۔ کھیا کے کمر میں کھیا اور
اس کا کونو بیٹا کرم میرا گیا تھا“ بڑے دادا نے بتایا۔
”کھیا کا بیٹا کرم بھی کیا بھارت چلا گیا تھا“ میں
نے پھر پوچھا۔
”راجیش کے دادا نے کے وقت کرم لاہور
پڑھنے گیا وہاں تھا وہ لاہور میں تھا جب ہندوستان قیام
ہوا، کھیا نے کہتے ہیں کہ کھیا بھارت جاتے سے اپنے
بچے کی بھی لاہور سے بھارت لے گیا تھا۔۔۔ مگر۔۔۔
بڑے دادا نے کہتے کہ گئے۔
”مگر کیا“

”کچھ کچھ کہتے ہیں کہ کرم کو لاہور میں کسی
مسلمان لڑکی سے محبت ہو گئی کی اور اس نے اسلام قبول
کر کے اس مسلمان لڑکی سے شادی کر لی اور لاہور ہی

میں رہنے لگا تھا۔۔۔ کھیا اس بات کی تصدیق بھی نہیں
سکتی۔۔۔ کیونکہ ہندو سے جانے کے بعد کھیا کو کرم بھی
ہندو نہیں آئے۔ بڑے دادا نے بتایا۔
”اب اس بات کی تصدیق کیسے ہوگی کہ کرم
لاہور میں رک گیا تھا یا اپنے چاکے ساتھ بھارت چلا گیا
تھا؟“ میں نے سوچنے ہوئے کہا۔
”اب شاہد اس بات کی تصدیق نہ ہو سکے
ہندوستان کی قیام کے بعد کھیا شرمال گزر چکے تھے“ ظفر نے
جواب دیا تو میں اور بڑے دادا اس پر ہلے۔
”بڑے دادا آپ کے پاس کھیا کو کرم کی کوئی
تصویر ہے؟“ مگر بڑے بعد مجھے خیال آیا تو میں نے بڑے
دادا سے پوچھا۔
”ہاں۔۔۔ ایک تصویر قیام کی کرم کی میرے
پاس۔۔۔ جب میں پھر کئی میں پڑھا تھا تو کرم
میرا کھیا فیوٹا اسی وقت ہمارے اسکول کے ڈسٹرکٹ
نہاں تھیں۔۔۔ شپ شپ بھی اس میں ہم میں اور کرم بھی
شال سے کرم ہمارا چپٹان تھا اس وقت کی ایک تصویر
ہے میرے پاس۔۔۔ ہندو جانے کہاں رہی ہوگی
دھڑوڑا تھوں“ بڑے دادا نے کہتے ہوئے چمک سے مجھے
اترے اور کتاہوں کے ریک کے پاس پہنچ کر تصویر
دھڑوڑے لگے۔

”ابھی کچھ کچھ پہلے تو میں نے دیکھی تھی وہ
تصویر نہ جانے کہاں رکھ دی“ بڑے دادا تصویر
دھڑوڑے کے ساتھ بڑے دادا پر رہے۔
”اوہ میری۔۔۔ اس کتاب کے اندر رکھ دی تھی“
بڑے دادا ایک کتاب کے اندر سے ایک پرانی بلیک اینڈ
وائٹ تصویر کو صاف کرتے ہوئے ہمارے پاس آئے۔
”یہ اس وقت کی تصویر ہے جب میں اور کرم
پانچویں کلاس میں تھے اور اسکول کی کھلا نیم میں کئی ہم
دوستان ساتھ کھیلے تھے“ بڑے دادا نے تصویر میری جانب
دھرائی تو میں نے ہاتھ بڑھا کر تصویر بڑے دادا سے
لے لی اور تصویر دیکھنے لگا۔
”یہ میں ہوں اور یہ فرانی اٹھانے ہوئے کرم

استغفار کی برکات

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: ”جو بندہ استغفار کو لازم پکڑ لے (یعنی اللہ تعالیٰ سے برابر اپنے گناہوں کی معافی مانگتا رہے) تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے نیک و مشکل سے نکلے اور رہائی پانے کا راستہ بنا دے گا اور اس کی ہر گز اور ہر پریشانی کو دور کرے کشادگی اور عظیمان عطا فرما دے گا اور اس کو ان طریقوں سے رزق دے گا جن کو اس کا خیال و گمان بھی نہ ہوگا۔“ (بخاری، مسند احمد، سنن ابی داؤد، سنن ابن ماجہ، معارف اللہ یث)

”رات کی حفاظت“

حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا کہ ”جب تم رات کو سوتے جا بھونکتا اور کھسکے جا چلا ناخوش تو شیطان مردود سے خدا کی پناہ مانگو (یعنی عوذ باللہ من الشیطان الرجیم) یہ کہہ کر سوتے اور گھومو وچرو وچرو دیکھتے ہیں جو تم نہیں دیکھتے اور رات کو جب لوگ بازوؤں میں پھرنا سوئو ف کریں اور راتے بند ہو جائیں تو تم گھر سے بہت کم نکلا کر۔ اس لئے کہ رات کو خدا اپنی مخلوقات میں سے جس کو چاہتا ہے براگندہ کرتا ہے۔“ (بخاری، مشکوٰۃ، کتاب سواۃ رسول اکرم ﷺ) (اے حبیب خان۔ کراچی)

فی المآل اس کی رات ہے“ پڑت ہے جواب دیا اس کا مطلب تھا کہ پڑت سوائی ناراض بھی مسکرت بھی طرح جانتا تھا اور اس نے بھی ڈانڑی پڑھ کر بھی شائد وہ اس جانتا تھا کہ ستر کے بارے میں بڑے دادا اور ظفر کو کچھ معلوم ہوا ہی لئے اس نے مجھے خود کچھ بتانے کے بجائے مجھے ڈانڑی پڑھنے کے لئے دے دی تھی۔

”ہاں۔۔۔ نکل رات ہی المآل سے تو مجرم کل رات ہی پر عمل کر لیتے ہیں“ میں نے پڑت نہ کہا۔ ”نکل رات کو گیارہ بجے تک سیرا کو کالی مانتا کہ مندر میں لے آئے۔ تاکہ ہم راہیں راہیں کے کالے بادو کا تو ذکر کریں“ پڑت بولا۔ ”کالی مانتا کہ مندر میں کیوں۔۔۔“ ظفر جراتی دیر سے خاموش بیٹھا قبول اٹھا۔ ”راہیں کالی مانتا کہ بھگت قمارے کالی مانتا کہ سامنے سیرا کی جاسکے کہ وہ سیرا کو چھڑے“ میں نے جواب دیا تو ظفر ثابت میں سر ہلائے گا۔ ”میں مندر کی صفائی کروں گا اور درمیان خطرات بھی کھل کر لوٹا آپ لوگ بس سیرا کو ٹیکر کسی طرح کل رات کو کالی مانتا کہ مندر میں بچا جائیں“

پڑت بولا۔ ”کیوں کالی مانتا کہ مندر پہنچنا مشکل ہے“ ظفر نے پڑت کی بات سن کر کہا۔ ”مندرجنگل کے اندر ہے جہاں کا راستہ بھی کالی نہیں ہے اس کے علاوہ سیرا کے اندر موجود راہیں کسی بھی حال میں سیرا کو کالی مانتا کہ مندر میں نہیں جانے دے گا۔“ پڑت نے جواب دیا۔ ”بھرم۔۔۔ بھرم سیرا کو کیسے مندر تک لے کر جائیں گے“ ظفر پریشان ہو گیا۔ ”ہم سیرا کو بے ہوش کر کے مندر تک لے جائیں گے“ میں نے ظفر کی پریشانی دور کی۔ ”ہاں۔۔۔ ہمیں لوگ رہے گا پڑت نے بھی میری جویرین کرنا نہیں کی۔“

☆☆☆☆

سوائی ناراض نے جواب دیا اور اٹھ کر بیٹھ کے اندر دئی دروازے کو کھول کر گھر کے اندر چلا گیا۔ پڑت کے جانے کے بعد سب خاموش بیٹھے رہے کچھ ہی دیر بعد پڑت واپس بیٹھ گئی میں آٹا کیس کے ہاتھ میں ایک کالے رنگ کی ڈانڑی تھی جسے دھڑپ لپٹے ہوئے پڑت کچھ پڑھتا تھا۔

”اس ڈانڑی میں بڑے تفصیل سے دو طریقہ لکھا ہے جس کے ذریعے ہم راہیں کو دوبارہ اس کی صورت میں بچا سکتے ہیں“ پڑت سوائی ناراض ہمارے ساتھ بیٹھے ہوئے بولا۔

”کیا طریقہ ہے؟“ میں نے پوچھا۔ ”آپ مسکرت جانتے ہیں؟“ پڑت نے میرے سوال کا جواب دینے کے بجائے خود سوال کر دیا۔ ”جی میں ابھی طرح مسکرت جانتا ہوں۔ کیوں؟“ جواب دینے کے بعد میں نے بھی سوال داغ دیا۔

”مجھ سے سو رنگ واپی پتا چلی یہ نہ ڈانڑی مسکرت میں کبھی ہے“ پڑت نے جواب دیا۔ ”بھروسہ نہ ہو تو مجھے دکھائیے مجھے کالی ابھی مسکرت آتی ہے“ میں نے کہا تو پڑت نے ڈانڑی میرے حوالے کر دی میں نے پڑت کے ہاتھ سے ڈانڑی لی اور اسے پڑھنے لگا۔ پڑت کے پتا چلی نہ کالی تفصیل کے ساتھ راہیں کے حوالے سے لکھا تھا کہ کسی طرح اسے ستر ڈھونڈ دیا گیا اور سترے ہو اسے نے کسی طرح ستر اٹھا لی آخر میں انھوں نے راہیں کی کالی خفگیوں سے بچنے کے لئے ستر بھی لکھے تھے۔ میں نے ڈانڑی کو پڑھنے لگا۔

”اس کی رو سے تو ہم سیرا کو راہیں سے چھڑانے کا کل المآل اس کی رات کو ہی کر سکتے ہیں ڈانڑی پڑھنے کے بعد میں نے ڈانڑی پڑت کو واپس کرتے ہوئے کہا۔

”ہاں۔۔۔ اور بھگوان کی کرپا سے کل کی رات

”میں ناراض۔۔۔ بکلف مت کر۔ یہ بچے تیرے پاس ایک ایک کام سے آئے ہیں“ بڑے دادا نے پڑت کو کھینچ کر تے ہوئے کہا۔ ”جی کیا کام ہے آپ کو؟“ بڑے دادا کی بات سن کر پڑت سوائی ناراض براہ راست مجھ سے مخاطب ہوا۔

”دو۔۔۔ دو۔۔۔ راہیں اور اودھا واپس آگیا“ میں نے ہلکا کر جھڑپ کر لیا۔ ”میری توقع کے مطابق میرے منہ سے راہیں اور اودھا کا نام سننے ہی پڑت سوائی ناراض اچھل پڑا“ میں نے کہا۔

”آرام سے بیٹھ جانا ناراض۔۔۔ بڑے دادا نے پڑت کا ہاتھ پکڑ کر کہا میں نے بیٹھا ہے تو ہے۔“ ”یہ۔۔۔ یہ کیا کچھ رہا ہے“ پڑت کے چہرے پر اب بھی سوالات اُڑ رہے تھے۔ ”پڑت کے چہرے پر ہے۔“

”اور بھگوان۔۔۔ یہ۔۔۔ یہ کیسے ہوا؟“ پڑت سوائی ناراض کے چہرے پر میں نے سیرا پر راہیں اور اودھا کے کاغذ ہونے کی ساری داستان سنا دی اور ساتھ ہی یہ بتا دیا کہ سیرا کاغذ کی کیا شکل ہے۔

”ہاں۔۔۔ راہیں کے پاس کالے جادو کی خفگیوں میں اس نے تم کمال کی بھی کردھیا کے سارے خاندان والوں کو ستر ڈھونڈے گا“ پڑت بڑبڑایا۔ ”ہم راہیں سے کسی طرح چھڑا کر حاصل کر سکتے ہیں“ میں نے پڑت سے پوچھا۔

”جب راہیں کو ستر ڈھونڈ دیا گیا تو اس مندر میں میرے پتا چلی پڑت جیسے انھوں نے راہیں کے بارے میں کالی ریسرچ کی تھی اور اپنی ڈانڑی میں وہ طریقہ اور ستر لکھا تھا جس کے ذریعے راہیں کے قبضے سے سیرا کو چھڑا جاسکے اور راہیں کو بھڑکایا جاسکے کہ واپس اپنی صورت میں چلا جائے“ پڑت

جنگل میں ہوا میں تیز تیز چل رہی تھی برسوں اندھیرا چھایا ہوا تھا ہمارے حیدروں کے سونے کے پتے چرما رہے تھے میں اور ظفر اس وقت تھے جنگل کے پرخطر راستوں پر دوایں دوایں تھے اسٹریچر پر بے ہوشی کی حالت میں سیریا لٹی ہوئی تھی ہمارے آگے ایک بڑا سا گیس ٹپ بے ڈنڈے واڈا چلا رہے تھے گیس ٹپ کی روشنی میں ہمیں راستہ صاف نظر آ رہا تھا چاروں کالی ہاتھ کے مندر جا رہے تھے میں نے بڑے دادا کوئی کیا کہ وہ ہمارے ساتھ آئی تھی مگر بڑے دادا نے دانے اور زبردستی ہمارے ساتھ کالی ہاتھ کے مندر جانے کی خدشہ لگے بے دادا جو جس میں مجھے ہوئے تیز تیز قدم اٹھا رہے تھے کچھ ہی دور چلے گئے بعد کچھ ایک پرانی طرزی کی حالت نظر آئی شاد کوئی دم نہا نے میں نے یہاں کالی پر چھو رہی ہوئی کمر اس وقت وہ عمارت کی بجوت پینچے کا سطر چپن کر رہی تھی اسی وقت کسی گیزر کے دھالنے کی آواز فاعیں گونئی تو ظفر کے ہاتھ سے اسٹریچر اٹھ کر اٹھا گیا۔

”اعتقاد سے ظفر۔“ میں نے ظفر کو تھپکی۔

”ہاں۔“ ہاں۔ اصل میں مجھ پر جنگل کی دہشت کا اثر ہو رہا ہے۔“ ظفر نے جواب دیا۔

”آیت الکرسی پڑھتے رہو۔“ انشاء اللہ ڈر دل سے لکل جائے گا۔“ میں نے ظفر سے کہا تو ظفر سر ہلانے لگا۔

”جی مندر کی آیت پائی جاتا ہے۔“ میں نے دوبارہ ظفر سے کہا۔

بڑے دادا مندر کے سامنے پہنچ کر رک گئے میں اور ظفر بھی ان کے پاس پہنچ کر رک گئے ہمارے پیچھے کے بعد بڑے دادا مندر کے اندر داخل ہو گئے ان کے پیچھے میں اور ظفر بھی اسٹریچر پر لیٹی ہوئے مندر کے اندر داخل ہوئے مندر کے اندر داخل ہو کر میں نے دیکھا کہ مندر کی ایک دیوار کے ساتھ کالی دیں ہاتھوں والی مندر کی سرخ زبان لٹکتی اور پانی پانی بڑی بخور آ رہی تھی گھوڑی کی آواز آ رہی تھی

ڈر دانے داخل کو مڑے چٹاک بتا رہی تھی۔

مندر کے وسط میں بہت ساری موم بتیاں ایک بڑے سے گول دائرے میں رکھی چل رہی تھیں ان ہی موم بتیوں کی روشنی سے مندر روشن تھا کالی ہاتھ کے سامنے پنڈت سوای ناٹن ہون (ایک مخصوص گھنٹیس جس میں آگ مل رہی ہوتی ہے ہندو اسے مقدس مانتے ہیں) کے سامنے بیٹھا تھا ہون میں آگ مل رہی تھی اور پنڈت اس آگ کے سامنے بیٹھا سطر پڑھ رہا تھا میں مندر میں آتا دیکھ کر پنڈت اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا اور اس نے ہاتھ کے اشارے سے یہاں کا اسٹریچر موم بتیوں کے درمیان لٹکے گا کیا، میں نے اوم ظفر نے اعتقاد کے ساتھ اسٹریچر موم بتیوں کے حصار میں رکھ دیا۔

اسٹریچر رکھنے کے بعد ہم دونوں موم بتیوں کے حصار سے باہر آگے پنڈت نے ہاتھ کے اشارے سے بڑے دادا اور ظفر کو مندر کے دیوار کے ساتھ کھڑا ہونے کا کہا اور مجھے موم بتیوں سے کچھ فاصلے پر کھڑا ہونے کا کہا اور اشارے سے یہاں آ کر وہ سطر شروع کر رہا ہے میں نے اثبات میں سر ہلا کر پنڈت کو جواب دیا۔

پنڈت نے پہلے کالی ہاتھ کی مندری کو پرنام! پھر ہون کے سامنے بیٹھ کر سطر الٹا پنے لگا پنڈت تیز آواز میں سطر پڑھ رہا تھا میں نے بھی اپنی رائیپ میں ہاتھ ڈال کر آیت قرآنی کے کتبوں کو منسوبی سے پڑھا مجھے معتبر تھا کہ رامیش اپنی آسانی سے یہاں آچکا تھا میں چھوڑنے دے دیا

میں نے ہوش کی حالت میں موم بتیوں کے حصار میں لیٹی تھی بڑے دادا اور ظفر آگھیس پھاؤ سے کوھور سے ظفر کے چہرے پر پریشانی اور امید متعادل دیکھ کر میں بھی یہاں کو ہتھوڑ دیکھ رہا تھا میرے کان پڑنے کی آواز پر گئے ہوئے تھے۔

پنڈت نے سطر پڑھتے ہوئے ہون کی آگ میں خود آگھی ڈالا تو آواز ایک دھڑک آئی فیلے ہونے لگے۔

اسی وقت سمانے بھی آگھیس کھول دیں اور وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔

مجھے یہ سہا کے اندر موجود رامیش کو مندر میں کالے اٹھاؤ ہوا تو وہ ایک جھلکے سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا کھڑے ہو کر رامیش نے ایک کہ کو اظہر میں سب بڑا ڈال پھراس کے منہ سے ایک تیز جڑ لگی، جی آئی تیز کی کچھ لگے مجھے میرے کانوں کے پردے پھٹ گئے ہوئے رامیش نے جی مارنے کے بعد سمانے ہاتھ بندھ سکے۔

مجھے یہ سمانے نے اپنے ہاتھ بندھ سکے وہ فضا میں اٹھنے کے فضا میں اٹھنے کے بعد رامیش تیزی کے ساتھ ہوا میں اڑتا ہوا موم بتیوں کے حصار سے باہر کی جانب نکلے گئے یہاں کو کچھ ہی دیر میں موم بتیوں کے قریب آیا موم بتیوں کی آتی تیز ہو گئی کہ موم بتیوں سے نکلے والی آگ نے رامیش کو حصار سے نہ نکلے دارا رامیش فوراً حصار کے دوسری جانب لپکا کمراس جانب کی موم بتیوں کی لکھی آگ کے شعلوں میں تبدیل ہو گئی اور اسی شعلے نے رامیش کے حصار سے باہر نکلے کارا منہ مسدود کر دیا۔

حصار سے باہر نکلے پر ناکی پر رامیش چھٹا گیا اور اس نے پنڈت کی جانب دیکھتے ہوئے پھر ایک جیجی داری اور ساتھ ہی مندر کی چھت کی جانب دیکھتے ہوئے ایک تیز چٹک داری، مجھے اپنی رامیش نے چٹک داری مندر کے اندر ہونے لگیں۔ ہوا تیز سے تیز تر ہوتی جا رہی تھی ایسا لگتا تھا مجھے تیز آگ کی لہری ہو مندر میں دھلن کی آگ کی طوفان اٹھ رہا تھا تیز ہو کر آگ جب سے مندر میں کھڑے ہوئے مشکل ہو رہا تھا، بڑے دادا اور ظفر مندر کے دیوار سے چپکے کھڑے تھے ہوا کا مقابلہ کر رہے تھے ان کے قدم ہار ہار کھڑے تھے مگر وہ منسوبی سے زمین پر قدم بٹھا میرے لئے بھی مندر کے فرش پر قدم بٹھا مشکل ہو رہا تھا میں نے اپنے دانت ڈور سے مندر کے فرش کو منسوبی سے کھانا کھانے لگا کرے قدم مندر کے فرش پر بٹھانے کی کوشش کی۔

پنڈت سوای ناٹن بھی تیز ہوا سے پریشان تھا

ہوا بار پنڈت کو پیچھے کی طرف دھکیل رہی تھی مگر پنڈت پھر بھی منسوبی سے اپنی جگہ جمائزٹر الٹا پنے دارا تاجرتز انگیز طور پر اپنی تیز ہوائے بارجمائزٹر الٹا پنے جل رہی تھی، ہوا میں موم بتیوں کی روشنی بھی ناٹن پاری تھی اسی طرح ہون میں آگ بھی جل رہی تھی۔ آہستہ آہستہ آگ کی کارڈوٹ کی آتی تیز آگ کی کے باوجود موم سب اپنی جگہ بیٹھے کھڑے، یہ اپنا یہ دارا خالی جاتا دیکھ کر رامیش اودھا پاگل ہو گیا وہ ڈر ڈور سے دھالنے لگا۔ پنڈت سوای ناٹن نے مجھے اشارہ کیا تو میں نے نقش بنے ہاتھ میں پکڑا اور اس کا رخ رامیش کی جانب کیا، نقش دیکھ کر رامیش اودھا دھڑل گیا۔

”باب۔“ چلے جاؤ۔ دابھ اپنی مندری میں چلے جاؤ۔ پھوڑو۔“ میں نے دوسرا کہا۔ ”میں نے نقش رامیش کے چہرے کے سامنے کیا تو رامیش کے منہ سے ڈری ڈری چیخیں نکلے لکھن وہ ڈر کے مارے پیچھے ہٹنے کا کمر موم بتیوں کے کھالے سے مزید پیچھے ہٹنے سے روک دیا۔ رامیش کی طرح جیجی ہاتھا۔

ایک بار رامیش اوبو کی جانب اٹھنے کا اسی وقت پنڈت سوای ناٹن نے کالی ہاتھ کے سامنے رکھے سیندر میں سے خود آسا سیندر کو فاعیں اچھلا کر دے سیندر سیدھا رامیش اودھا کی جانب گیا، مجھے ہی سیندر رامیش کے بدن پر پڑا یہاں کے اندر کا بعل رامیش اودھا نے ایک تیز جیجی داری اور پھر سہا کے منہ ٹاک اور کانوں سے سیاہ دھوس نکلے گئے جب سہا کے اندر سے سارا سیاہ دھوس لپک گیا تو سہا دھڑا م سے بے ہوش ہو کر پڑ گیا اور سہا دھوس نے ایک انسانی جھہ ہالی وہ انسانی جھہ رامیش اودھا کی تھی۔ رامیش اودھا سیدھا اپنی مندری تک پہنچا اور سارا سیاہ دھوس مندری میں لپکا گیا۔

مجھے یہ سارا دھوس مندری کے اندر کا پنڈت اپنی تیزی کے ساتھ آگے بڑھا اور اس نے سیاہ مندری کی کھال کھال اٹھا اپنے گلے میں پڑے سیاہ دھوس کے پھول کو مندری کے گرد اس طرح لپٹنے لگا



پڑا نیراز ہوٹا

اسد اللہ شہیدی - منکر

چند لمحوں کی کشمکش کے بعد نوجوان ذہنی طور پر بلا سے مقابلے کے لئے تیار ہو چکا تھا اور پھر بجلی کی تیزی کے ساتھ داهننا پہنچ کر نہایت برق رفتاری سے اس بلا کے پیٹ میں جڑ دیا۔

اکثر انسان سنی اور عرصی کی وجہ سے موت کو گلے کا لیتا ہے، دل کا زخیر اچھڑ کھائی

چھوٹی جلی دم گریا کی پھڑکیاں عجب دیری تھیں۔ ان تینوں دوستوں کے چہرے وڑوں میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ کیونکہ اس مرتبہ جان کا مری جانے کا منصوبہ یہ تینوں دوست اشتیاق سے بھرپور تیار تھے اور اس وقت کی چھٹیوں میں مری تھے۔ آخر کار وہ دل کی آگیا جس دن کان تینوں کو مری سے انتظار تھا۔ وہیں باپ کی دعا میں لپٹے ہوئے اپنے سڑکی طرف روانہ ہو گئے۔ وہ تینوں ایک پرانے گاڑی میں سو

چھوٹی جلی دم گریا کی پھڑکیاں عجب دیری تھیں۔ ان تینوں دوستوں کے چہرے وڑوں میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ کیونکہ اس مرتبہ جان کا مری جانے کا منصوبہ یہ تینوں دوست اشتیاق سے بھرپور تیار تھے اور اس وقت کی چھٹیوں میں مری تھے۔ آخر کار وہ دل کی آگیا جس دن کان تینوں کو مری سے انتظار تھا۔ وہیں باپ کی دعا میں لپٹے ہوئے اپنے سڑکی طرف روانہ ہو گئے۔ وہ تینوں ایک پرانے گاڑی میں سو

جیسے کسی انسان کو زنجیروں میں پکڑا جاتا ہے، موتی کے گرد سیاہ دھواں لپٹنے کے بعد پڑتے نے قاتلانہ انداز میں ہماری جانب دیکھا، میں نے پڑتے کی جانب دیکھنے کے بعد غلغلا کر اشارہ کیا کہ وہ سیرا کو سنبھالے جو بے ہوش کی حالت میں مندر کے فرش پر پڑی تھی۔ سیرا اشارہ پاتے ہی غلغلا کر سیرا تک پہنچا اور سیرا کا سر اپنی گود میں رکھ کر اسے ہوش میں لانے لگا۔ تھوڑی کوشش کے بعد سیرا کو ہوش آ گیا، سیرا کو ہوش آنے کے بعد غلغلا سے اسے سہارا دے کر کھڑا کیا۔ سیرا بہت ڈھال ہو رہی تھی وہ غلغلا کا سہارا لے کر کھڑی ہو گئی تھی کہ اس کی آنکھیں راز رہی تھیں۔

”اب سیرا ہمیش کے اثر سے آزاد ہے“ پڑتے نے ہمارے قریب آتے ہوئے بولا ”راہمیش دوبارہ اپنی موتی کے اندر چلا گیا ہے“ ”اس موتی کو شیت دنا پڑدو دینا چاہیے تاکہ بعد میں کسی راہمیش دواہن نہ آ سکے“ غلغلا پڑتے کی بات سن کر بولا۔

”اس موتی کو شیت دنا پڑدو دینا چاہیے تاکہ بعد میں کسی راہمیش دواہن نہ آ سکے“ غلغلا پڑتے کی بات سن کر بولا۔

”اب سیرا ہمیش کے اثر سے آزاد ہے“ پڑتے نے ہمارے قریب آتے ہوئے بولا ”راہمیش دوبارہ اپنی موتی کے اندر چلا گیا ہے“

”راہمیش اور دواہن کے پاس بھی بڑی طاقت ہے وہ کالی جھٹکوں کا ماہر ہے اور پھر راہمیش کے ساتھ بہت نا انصافی ہوئی تھی، اس نے تو صرف محبت کی بھی کوئی جرم تو نہیں کیا تھا۔“ پڑتے بولا۔

”اس کا مطلب ہے۔ راہمیش پھر بھی دواہن آ کر نقصان پہنچا سکتا ہے۔“ بڑے دارا جراتی دیر سے خاموش کھڑے یا تھیں ان سے پتے ہوئے اٹھے۔

”راہمیش صرف کھیا کے خاندان کا دشمن ہے وہ کسی اور شخص کو نقصان نہیں پہنچا سکتا گا۔“ پڑتے بڑے دارا کی بات سن کر بولا۔

”راہمیش کھیا کے خاندان کا دشمن تو وہ رہے گا نا“ بڑے دارا جرات کر تے ہوئے بولے۔

”راہمیش بھی کھیا کے خاندان کا دشمن تو وہ رہے گا نا“ بڑے دارا جرات کر تے ہوئے بولے۔



ہوئے اس پر حملہ کیا تو اس کے منہ سے ایک دلدوز چی
 نکلی اور اس کی آنکھ کھل گئی۔

☆.....☆.....☆

اس کا نام شہرِ دُر خان تھا۔ مسلسل تیسری بار وہ ایم
این اے بننا تھا۔ سیاست میں اس کے خاندان کا برسوں
پرانا تجربہ تھا۔ اس کا باپ زبان خان وزیرِ قانون کی
خدمات پر انجام دے رہا تھا۔ اس کا دادا دوبارہ تیسری
بار وزیرِ اعلیٰ بننا تھا۔ اس کی ماں بھی ایڈم این اے تھی۔ بس
اس کی اکوٹھی بہن کو سیاست سے بے نیاز فطرت تھی وہ
ایک سوشل ورکر تھی۔

اس کی بہن کا نام زینب تھا۔ زینب ایک پرائیوٹ
 جیل میں ایک پروگرام کی میزبانی کرتی تھی۔ اس کے
 علاوہ ڈانک میں اس نے نام کیا تھا لیکن ان سب
 باتوں کے باوجود اس میں رتی برابر بھی درد و غم نہ تھا۔
 وہ ہمیشہ دوسروں کی خدمت کو اپنا فریضہ سمجھتی تھی۔

شہزاد خان کو شروع سے ہی پیسے اور کس نے بہت پیار تھا جس کی ہلکی کھلیں کو اس نے سلاخا۔ لیکن ایک واقعہ نے اس کے شب و روز میں تبدیلی کا کرکھ دیا تھا۔ شروع و ہمیشہ جوان رہا جاتا تھا وہ اپنی زندگی کو بھر پور انجوائے کرتا جاتا تھا۔ حال ہی میں اس کی شادی ایک دیر کی پوتی سے ہوئی جس نے اس کی رویتیں انھیں وقت کے ساتھ ساتھ پیچھے رہا اس کے سر کے بالوں میں سفیدی پڑنے لگی تو اس کی پریشانی میں بڑے اضافہ ہونے لگا۔

اس نے ایک ساتھ انکی پینٹنگز دکھائیں
مطالعہ کر لیا جن میں سماج دان رہنے سے متعلق ہر شے
نرا ایک قاسم لے اوردیسی داگرہ کی طاعت تانے لگے
تھے مگر اس قدر ان باتوں سے متاثر نہ ہوسکا ایک
بہرہ دہ شہر کی مشہور لائبریری میں بیٹھ گیا وہاں اس
شاہانہ انتہا پر کیا گیا تھوڑی دیر کے بعد
لائبریرین نے علیحدگی میں بات کرنے کا کہ
دیا۔

”میں تم سے ایک نہایت ہی اہم معاملے

آکھوں میں آنکھیں ڈال کر کیا تو لائبریرین نے حیرت و پریشانی کے ملے جلے تاثرات میں اسے سوالیہ نگاہوں سے دیکھا مگر منہ سے کچھ نہ کہا۔

”امید ہے یہاں ہونے والی گفتگو کے بارے میں کبھی کسی کو ہلک سا شک نہیں پڑے گی؟“
 ”آپ اعتماد رکھیں۔“ لائبریرین نے یقین دہانی کروائے ہوئے کہا۔

”مجھے کوئی ایسی کتاب دے جس میں سدا جوان رہنے کا کوئی نایاب فارمولا موجود ہو۔“ شہروز خان بولا
 قولاً بزمِ یرین نے آنکھیں پھاڑ کر اسے دیکھا۔
 ”میں ہمیشہ جوان رہتا چاہتا ہوں۔ کیا
 ایسا ممکن ہے؟“

شہر دہ خان کی سوالیہ نکا ہیں لائبریرین پر مرکوز
قصص لائبریرین کے چہرے پر دھنک کے رنگ آتے
جاتے اسے واضح دکھائی دے رہے تھے۔
"اسرا دنا میں کچھ بھی ناممکن نہیں۔" لائبریرین

سوچتے ہوئے بولا۔
 ”مجھے موت سے ڈرگذا ہے، میں ابھی مرنا نہیں
 چاہتا، میں برسوں جینا چاہتا ہوں۔“ شہزادہ خان نے
 دل کی بات کی۔
 ”اے کاہنوں میں بہت عزت کرنا ملتی ہے۔“

لاہور میں پڑھتا تھا۔
 مجھے سمجھا کہ یہ لڑکی ہے۔ "شہزاد خان کہتا تھا۔
 میں پانی کی طرح سیسہ بھاری کمر میں اپنے
 خواہش کو محسوس کرتی تھی۔ یہاں تک کہ وہ کہتا تھا۔
 "اس کام میں سیسہ نہیں اچھا۔ واٹر مرگ
 پڑتا ہے۔" لاہور میں پڑھتا تھا۔ شہزاد خان کہتا تھا کہ وہ
 دوسرا خون محمد ہوتا اور کھاتی دیا۔

”میں سمجھا نہیں۔“ شہروز خان نے حیرت
مجسمہ بنے ہوئے پوچھا۔
”کالے علم کی بدولت آپ اپنی خواہش پاتے
ہیں۔ اس کے علاوہ آپ کے پاس ایسی حکمتیں

آجائیں گی کہ دنیا کی کوئی بھی طاقت آپ کا ہاں تک نہ
 نہیں کر پائے گی کہ ان سب کے لئے ایمان کی دولت
 سے ہاتھ دھو کر ملے گا۔“

لاہور میں کئی بات سن کر شہزاد خان سوچ میں
 پڑ گیا کہ ان کی دوسری سوانح کے بعد دوبارہ بولا۔

”کیا تمہارے پاس کوئی ایسی کتاب موجود ہے
 جس میں یہ سب کچھ موجود ہو؟“

”جی ہاں۔۔۔۔۔ میرے پاس ایک بہت ہی
 یوسیدہ کتاب موجود ہے۔ ”المغربین“ ہے۔
 ”وہ کتاب بنگال کے مشہور جادوگر پنڈت
 جی اچاریہ لکھنے والے کتابوں کی کاپی ہے انہوں نے
 اس کتاب کے اندر دھڑکے پھرے کال لکھا ہے وہ
 کتاب صدیوں پہلے ہی درازاوی لکھنے کو بڑی
 مشکل سے ملی ہے وہ کتاب تمام اوروں سے
 دگر تکی کو بھی اس کو ہاتھ لگانے کی اجازت نہیں ہے۔“
 ”فیک ہے مجھے وہ کتاب منگو دو۔“ شہزاد

لاہور میں آئے انگلستان کی کورسور دو کتاب
لے آئے اور دیا۔ اس کی بات کے درمیان میں آفس
بوائے چائے اور لوانات ان کے سامنے میز پر سجا کر
وجہ قدموں پلٹ گیا۔
”ابھی کتاب آجائے گی۔“ لاہور میں نے بتایا۔

”یہ بات کبھی مجھے تمہاری زبان سے سنا ہرگز نہ۔“ شہر ذوالخان نے جانے کی چٹکی مارتے ہوئے کہا۔

”آپ نے گھر ہیں سر یہ بات آپ کے

ادو میرے دوہیان ناز ہے۔“ لہو برین نے کہا مبین

ایک دقت دیکھ صورت تیرا لڑکائی سے کسی کا

دروازہ کھلا۔

”کیا میں اندھا نہ ہوں؟“ لڑکی نے

باجائز طلب کی۔

”ہاں آؤ.....“ لاکھیرین نے کہا اور وہ لڑکی اندر داخل ہوئی۔

شہر و خان کی لڑکیاں جیسے ہی اس پرچہ میں اس کی ہوس بھری نظر ہیں اس کو جو ان لڑکی پر جم لڑکی نے مائے نام لباس پہن کر رکھا جو اس کے جسم کے اچھ کے اچھ کو مٹا کر رکھا تھا۔ لڑکی کے ہاتھ میں کالے کپڑے میں لپیٹی ہوئی کتاب تھی۔ اس کتاب کو کالے کپڑے میں لپیٹ کر پھر اس کتاب کے اوپر ایک زنجیر بھر کر اسے تار لگا دیا گیا تھا۔

”تم جاسٹس ہولڈسٹن، ”لائبریری“ میں نے لڑکی کو قاتل کرتے ہوئے کہا تو لڑکی دے بھدھمک اٹھی۔
 ”ہمارے لائبریری میں کچھ کتابیں ایسی ہیں جنہیں خفیہ لاگ رکھنا چاہیے۔“ لڑکی کے جانے کے بعد لائبریری میں نے بتایا۔

”ان کتابوں کو اسی طرح ذخیرہ میں رکھا جاتا ہے۔ ان کتابوں کو صرف مجھے کھول کر دیکھنے کی اجازت ہے۔ یہ کتابیں ہم ہر کی کوئٹہ دے سکتے ہیں بلکہ ان لوگوں کو بھی جانی ہیں کتاب پچھانے والے کو معلوم ہیں کہ یہ کیوں اسی کتاب ہے۔ ہر کتاب کا ایک مخصوص سربراہ ہوتا ہے۔ پس اگر کسی کے ذریعے وہ کتاب لاتے ہیں تو ہماری کہ اسل کو مضامین کے مطابق آپ ”لاؤ“ دیجئے۔“ شہرود خان نے مسکراتے ہوئے کہا کہ لاؤ لاؤ پھر میں سے لارم لے کر آئے گا۔

”میں تمہاری اس لائبریری کے لیے خصوصی
لائسنس دلوں گا کہ تم کتابوں کا خرید و فروغ کرو گے۔“
اتنا کہ کر مشرود خان نے مجھے اس کا کہنا چکی لکھ
ارے جیسا لائبریری کی ان کمپنیز سے حیرت سے علی کی
مطلوع کر گئی۔ اسے شاید اس سبب کی خوشی ہوئی تھی۔
میرے ہمدرد کے لیے میری طرف سے خصوصی
مدد سے تھے۔ اگر اس کتاب سے استفادہ
میں ہوا تو انہیں اتنا کہ دوں گا کہ پورے ملک میں
میری لائبریری کی برائیاں ہوگی۔“

اتنا کہ کر شہرِ دُخان اپنی جگہ سے اٹھا۔ لاجپور میں
نے کتاب پر پٹی زنجیر کے تالے کی چابی اسے قصائی

اور کتاب کو یکے کر کے اس کے ساتھ چل پڑا۔

”آپ کا شکوہ یہاں کے آپ نے عزت بخشی۔“ لائبریرین نے شہروز خان کے ساتھ ہلے ہوئے کہا۔
”خوش رہو۔“ شہروز خان نے اسے ہاتھ سے کتاب قائم کر گاڑی کی پہلی سیٹ پر بیٹھنے سے کہا اور پھر گاڑی فرما لے بھرتی ہوئی وہاں سے چل پڑی۔
لائبریرین نے بیٹھ کر جب میں ہاتھ ڈال کر لکھی کی کہ چیک موجود ہے۔ اس کے لیون پر کڑا ہوا چمکی کی۔

☆☆☆☆

رات کی تاریکی کے ہر شے کو اپنی پیٹ میں لے لیا تھا۔ دوسری بج بیت راتوں کے باوجود شہروز خان کو اپنے کمرے میں شہید یمن کا اس کا اوتار تو اس نے کمرے کی اٹھنی کڑی کڑی جوکہ باہر جمن کی طرف کھینچی کھول دی کڑی کھولنے کی صفائی ہوا کے بھوکوں نے اس کا تھر پھڑکا دیا۔ وہ حتیٰ ہی دیکھ کر کھولے وہاں کھڑا اور پھر کھڑکی بند کر کے اپنے پیڑ پر کھڑکی پست سے چیک کر بیٹھ گیا۔ اس کی گاہیں یک لخت بینہ کے ساتھ تھیلی پر وہی اس کتاب پر چم میں جودہ لائبریری سے لیا تھا۔

اسے کچھ نہیں آئی تھی کہ وہ جو کچھ کرنے جا رہا ہے وہ بہتر ہے یا نہیں، اس کے ہی سوال کے بعد دوسرے اس کے درمیان میں ختم ہے۔ تھے کمرے کو کئی گھنٹیں آ رہی تھی کہ کون سا قدم اٹھائے دیوار پر لگے کلاک پر نظر پڑی تو اس نے ڈھائی بجے کا عالم دکھایا۔ کافی دیر خیالات سے الجھے کے بعد اس نے ہاتھ پر دھا کر اس کتاب کو اٹھایا۔ کالے کپڑے میں لپٹی کتاب کے اوپر ہندی زنجیر کے تالے کو اس نے کھول دیا پھر اس کا لے کپڑے کو بھی اٹھا کر کتاب کا نام ”جادوگری“ لکھا ہوا اسے دکھائی دی۔ اس کے نیچے مصنف کا نام بھی تحریر تھا۔ شہروز خان نے کتاب کو کھولا دوسرے صفحے پر اسے ”کالی دنیا میں خوش آئیے۔“ لکھا ہوا دکھائی دی۔
پھر میرے تجربہ کی جس کو پڑھ کر اسے کافی حیرت کا سامنا کرنا پڑا تھا ایکس میں شہروز خان

”کالی دنیا کے مہاراج شیطان دیوتا کا بھاری بیٹے کے لئے سب سے پہلے شیطان دیوتا کا تصور ذہن میں رکھ کر اسے سجدہ کرنا لازم ہے اور زبان سے اس بات کا اقرار کرنا کہ میں شیطان دیوتا کا بیٹا ہوں جیسا کہ شیطان کو اس کے لئے لازم ہے۔ اس کے بعد ایک نہایت ہی خوب صورت و دنیوی نوعیت کی پہلے عصمت روی کرنا اور پھر اس کے خون سے شل کرنا اور اس کے باقی ماندہ خون کو لپی کر، گوشت کو کھانا ہو گا۔ اس کے بعد کالی دنیا کے اسرار خود بخود عیاں ہوتے جائیں گے۔“

یہ تحریر پڑھ کر شہروز خان کا ذہن رگوں میں دوڑنا لایو نحمدہ اور بسم اللہ لکھا دیا۔ وہ سوچنے لگا کہ یہ کتاب مشکل کام ہے۔ جیسے اسے سدا جوان رہنے اور اپنی عمر بچانے کا خوف تھا اور اپنی شوق سے تاریکیوں کی طرف بے جا بھاغا۔ اس نے سحر ادا کر لیا کہ اس کی طرف سے اسے کچھ سی اسے لائبریری میں لکھا۔ اپنے والد کی اور شہروز خان کی جیسے کالی کا وہ بیٹھے ہیں وہاں پر فریفتہ ہو گیا تھا۔ اس نے سوچا کہ کیوں نہ اس کام کی ابتدا وہاں ہی نہ کرے کہ جیسے اسے اسے سوچ کے آتے ہی اس کے لیون پر پہلی بار شیطان کی سرکھٹ چلو کر ہوئی۔ پہلی بار اس کے چہرے پر خدا کی برکت نازل ہو گئی۔

☆☆☆☆

لائبریری سے چمکی کے بعد جیسے ہی شہروز خان کے لئے روانہ ہوئی۔ شہروز خان نے گاڑی اس کے کمرے کے بعد اسے لائبریری سے حیرت سے اسے دکھایا اور پہلی گاہ میں پہچان گئی۔
”سر آپ۔“ لائبریرین نے پوچھا۔
”ہاں وہ میں یہاں سے زوردار تھا تو تم پر نگاہ پڑی۔“ شہروز خان نے سفید جھوٹ بولا۔
”چنانچہ میں بھی تم سے کمرے پر ادب کر دوں گا۔“
”لوگس سر۔“ لائبریرین بولی۔
”چمک میں دھنسل جاتے ہیں میں جلی جاؤں گی۔“
”تم آگیا۔“ شہروز خان بولا تو چاروہ

چاروشین کو اس کے ساتھ بیٹھنا پڑا۔

وہ بے جا رہی کہاں جا چکی تھی کہ اس کے ساتھ بیٹھ کر اس نے زندگی کی کئی ہی طغلی کر دی ہے۔ وہ تو شیطان کے چنگل میں پھر طرح سے پھنس چکی۔
”یہ آپ کہاں جا رہے ہیں میرا کھانسی طرف نہیں ہے۔“ لائبریرین کدھر نظر پڑا بیٹھنے ہوئے بولی۔
”اُدھو کہ آں بے نی اتنی بھی کاجلی ہے مگر جانے کی۔“ شہروز خان نے ”نیشا نہ انداز میں مسکراتے ہوئے کہا۔

”ایکس کی زری سربلین مجھے اتار دیں۔“ لائبریرین نے احتجاج کرتے ہوئے کہا لیکن تب بھی شہروز خان انہما شہر سے باہر نکل کر کچھ کا کھانا کھا۔
اس نے جیسے کچھ کالی تو لازم نے کھیت کھیت دیلہ وہ گاڑی اندر سے لیا اور کیڑوں میں درکی ملازم دیا تو اس کے پاس آیا۔ اس نے جب سے بیٹوں کی ایک کڑی لکھی تھی اور اسے چھٹی تو اس کی آنکھوں میں چمک بیٹھ ہوئی۔
”جاؤ تم آج اپنے گھر والوں کے ساتھ اچھا وقت گزارو آج آنا۔“ شہروز خان نے کہا۔
”بہت شکر ہے صاحب۔“ ملازم خشتی سے بارگ باغ ہو کر بولا۔

لاؤں کی گاڑی کو جب میں غلوں کر وہ وہاں سے دینے قدموں لگ گیا تو لائبریرین حیران رہ گیا یہ سب دیکھ رہی تھی۔ اسے اس وقت پر پہچان دیا اور باہر جا تھا وہ شہروز خان کی بات مان کر گاڑی میں بیٹھ گیا۔
”بلیز مجھے کھانے دیں۔“ اس نے منت کرتے ہوئے کہا۔
لیکن شہروز خان اس کی بات کو پس پشت ڈالے مسکراتا ہوا اڑا اور گاڑی کھول کر بند کر دیا۔
شہروز خان کو زبردستی گاڑی سے نکال کر کھینچ کر اندر لے گیا۔ لائبریرین کی عزت کی اس نے دیکھا اور لاؤں کی۔ لائبریرین کے ہاتھ پاؤں مارنے کا کوئی کاندہ نہ ہوا۔ پھر لائبریرین کو اس دندہ صفت نے زبوں میں چلا کر اٹھال دیا۔
لائبریرین جہاں اس پر حیران رہ گیا وہاں دین خوف

زور دیتی تھی کہ شہروز خان کرنا کیا چاہتا ہے۔

لائبریرین اور شہروز خان دونوں کپڑوں سے ماری تھے۔ اسی حالت میں شہروز خان جب سے میں گریا اور شیطان کو یاد کر لگا۔ یہی لائبریرین نے ایک حیران کر دھڑکا دیا کہ سفید کپڑے شہروز خان کے جسم سے نکل کر پھڑ پھڑا اٹھا کر اسے باہر لکھی لائبریرین کو کھینچ کر اس دندہ سے جسم سے ایمان کی نورانیت نکل کر چاکلی تھی۔ وہاں ایک غیر مسلم سجدہ میں گر اٹھا تھا۔ شہروز خان کو ان خدا مانتے ہوئے جیگر رب کے واسطے پر خلق تو کر سکے عام جگ پر تیار ہو گیا تھا مگر وہ سجدہ اس بات سے واقف نہ تھا کہ اللہ رب اعزت سے تو شیطان نہیں جیت سکا۔ تو شیطان کا ایک پیڑ کا دھڑکا ہے جس کے شہروز خان کی سماعت سے کسی کی الفاظ اٹھ گئے۔

”ہم تھری آدھر خوش ہوئے تھم کا نیلیا کئے بنا اس سینہ کے خون سے شل کر اور پھر ذہن پر کھینچنے والے لکھو جاوٹ لیتا۔“ اس کے گوشت سے اپنی پانی بھجنا جنہیں ایک ایسی راحت تھی کی جو زندگی میں بھی نہ ہو۔
جلدی دوا دے گا تو اس کی خفاہ خفاہ چمکیا۔
آواز میں عجم بھی تھا اور فائنہ فرح بھی شہروز خان چل دی۔ اسے اٹھا اور تیز دھار چاؤ جودہ ساتھ لایا تھا اٹھا کر لائبریرین کی طرف بڑھنے کا خوف و حیرت سے لائبریرین کی بڑی حالت تھی۔
”بلیز خدا کے لئے مجھے چھوڑ دیں میں کسی سے کچھ نہیں کہوں گی۔“ زبوں میں بکڑی لکھی تھی لائبریرین نے منت کرتے ہوئے کہا۔
”کسی کو کچھ کہنے کے قابل رہو گی تو کوئی

ہاں۔“ شہروز خان نے لائبریرین کو بالوں سے کس کر چڑا دیا۔
دوسرے ہی لمحے شہروز خان نے جا تو لائبریرین کی گردن پر چلا دیا۔ شہروز خان نے لائبریرین کو کھینچ کر وہاں سے اسے آپ کی طرح تھپ تھپانے کی اس کی شرک سے خون فوارہ سے کھینچ لے کر شہروز خان اس کے گرد خون

سے نہانے لگا۔ نہانے کب لوٹیں گا جسم خطا پر گیا،
لوٹیں گے خون سے غسل کر کے دقت کتنا ہی خون اس
کے اندر کیا تھا کون سا عرصہ ہوا تھا۔

دوسرے ہی لمحے اس نے کمرے سے فرش
پر پھیلا ہوا خون کی کتے کی مانند چائٹا شروع کر دیا
پھر اس نے نوشین کی شہرگ کو چائٹا شروع کر دیا
دوسرے ہی لمحے کی بجوے بھیڑیے کی طرح وہ اس
پروٹ پڑا اور اس کے جسم کا پشت کو بوج کر کھٹا
شروع کر دیا جب اس کا پیٹ بھر گیا تو اس فرش پر
اوندھ منہ دھو لٹ گیا۔ ایک عجیب سا درد اسے محسوس
ہو رہا تھا دنیا کا ہر شہر اس نے کیا تھا کج رویہ دوستی کا
عالم آج تھا وہ اس سے پیچھے نہ ہوا تھا۔

نہانے کب وہ ٹینڈر کا وادیوں میں گم ہو گیا،
رات کا نہانے کون سے سا پتھر تھا جب اس کی آنکھیں
چھت سے ابھی تک نوشین کی ادھر کی ہوئی لاش رنگ
رہی تھی اس کی آنکھیں خوف سے باہر کو اٹھ آئی تھیں
شہر خان سرمت سے اٹھا اور نام دیکھا جا رہتے میں
پندرہ منٹ باقی تھے۔ اس نے جلدی سے فرش صاف کیا
اور نوشین کی لاش کا تار اسے بیڈ کے خلاف میں لیٹ
کر گاڑی کی ڈکی میں ڈالا اور گاڑی سے گھر روانہ ہو گیا
مگر کون سے ٹالا لگا دیا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ ملازم کے
پاس مگر کی جان یا موجود ہیں۔

شہر خان نوشین کی لاش سے چھٹکارا
پانا تھا جتنا اس نے گاڑی کی بریک کدے سے نالے کی چل
پر جا کر کھائی اور کھلے زمین پر لینے کے بعد نوشین کی
لاش کوڑی سے نکال کر پیچھے اچھال دیا۔ توہوی
دیر بعد گاڑی میں بیٹھ کر اس نے سکون کا سانس لیا
اور پھر گاڑی کو گیتز میں ڈال کر اپنے گھر کی راہ لی۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وقت کے ساتھ ساتھ شہر خان نے کالی
تھکنے پر کائی مورو مائل کر لیا۔ وہ ہر کام نہایت احتیاط
سے کرتا تھا۔ اس نے اپنی شہر سے ابھر وادی حویلی
کوشیلائی قلعہ بنایا تھا اپنے کمرہ خاص میں اس نے

ایک بہت زیادت رکھا ہوا تھا۔ اب وہ اپنا زیادہ وقت
اسی حویلی میں گزارنے لگا تھا۔ اس بات کو اس کی ساری
جینی نے بہت قریب سے گھر میں سنا تھا۔
”کیا میں شہر خان میں کچھ یاد ہے بلا دلا نہیں
دیکھ رہا ہوں؟“ ہائے کی شکل پر بیٹھے شہر خان کے دادا
نے سب کو گھونڈ بیٹھے ہوئے پچھا۔

”میں بھی کافی پریشان ہوں کہ اب وہ ذہر
داروں سے غافل ہو کر اپنی شہر سے باہر وادی حویلی میں
زیادہ وقت جتانے لگا ہے۔“ اس کے باپ زلمان خان
نے جواب دیا۔
”گھر کیا تم نے اس سلسلے میں اس سے کوئی بات
میں کی؟“ شہر خان کے دادا نے اس کی ماں
کو کھانک کر پوچھا تو اس نے ہنسی میں سر ہلایا۔

”بہا سیاست سے اٹھ گئے ہوں گے اور اب
سکون کی خاطر وہاں ڈیوڈ لگا لیا ہوگا۔“ شہر خان کی
بہن زلیخا نے تقویٰ دیا۔
”تم خاموش رہو۔“ زلمان خان نے بچی کو فیسے
کے کھانچے سے دالی آنکھوں سے گھورے ہوئے کہا۔
”خائف پرائیں پیٹے ہی اچھے دھوکے پیچھے
پڑی ہوئی ہیں۔“ دادا نے دھمکے سے کمر ب کسائی
دینے والے لہجے میں کہا۔

”نوشی طور پر لاش کو لٹا کر اس کے خلاف پرائیں
کلی ہوا کرنا چاہیں۔“ ملاحت کی تھکنے کو گھونڈ رہا اس
کے پیچھے جا کر لڑنے کو ڈاکٹر خروہاں کر لیا ہر اپنے
”میں آج ہی کل جاؤں گا۔“ زلمان خان نے
تقدیر چاہتے ہوئے کہا۔
جہاں شہر خان کے دادا نے سر ہلایا اور سب
ناشہ کرنے میں مصروف ہو گئے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

شہر خان اس وقت گھر کی تیندو سرد ہوا تھا۔ جب
اچانک اس کی آنکھ کھل گئی تو اس نے ایک نہایت ہی
عجیب و غریب اور ناقابل یقین منظر دیکھا کمرے کے
ایک کونے میں دکھائی دیں اور ہاتھ پیٹے شہر خان

آ گیا وہ شہر خان حیرت سے پرستار دیکھ رہا تھا۔
وہ جلدی سے اپنی جگہ سے اٹھا اور ت کو گرنے
سے بچانے کے لئے اس کی طرف بڑھا۔ ابھی اس نے
دو پاؤں قدم ہی اٹھائے ہوں گے کسی نے اس پر پیچڑوں
کی پاش کر دی وہ درد سے کھلا اٹھا اور فرش پر جا گر۔
اب کی باتوری کسی سہی سہی ہوئی اور لاقوں، بکوں،
اور گھوسوں کی پاش شروع ہوئی۔ مارنے والا دکھائی
نہیں، سہ ہاتھ اکھروہ ہو گئی ایک قہامت بہت کچھ
بیشی کی طرح اس نے سر شام ہی ملازم کو چھٹی
دھندلی کی جس کی پیڑ سے اس کی پیچ پکار سننے والا کوئی
نہیں تھا۔ مارنے والا ابھی تک دکھائی نہیں دے رہا تھا۔
اسے کچھ نہیں آ رہی تھی کہ وہ کسے تو کیا کرے جب
اسی مشکل حرام وہ اپنی تمام زرقوت بیکار کر کے بھاگتی
دیکھ رہا تھا کہ اس حویلی سے باہر کیا ہر کھٹے ساتھ
اس سے کرنا ہوا۔

اس کے سامنے بیٹا بھی کے سہارے پر ایک
بھڑبھڑا کر اٹھا۔ اس کی حالت سے اس کی خست حالی
دکھائی دے رہی تھی۔ اس بھڑبھڑ کو دیکھ کر یوں ڈر گیا
جیسے کھڑکی کو دیکھ کر مارا جاتا ہے۔ وہ بری طرح سے
کاپٹے لگا تھا۔
”کہاں کیا تیرا شیطاں کیا تجھے بچانے نہیں
آئے گا۔؟“ بھڑبھڑ نے لٹکی پر سے اپنا زور کم
کرتے ہوئے کہا۔
”تم مجھے صاف کر دو۔“ شہر خان
نے قہر قہر کرتے ہوئے کہا۔

”کہاں بات کی معافی؟“ بھڑبھڑ نے
سوال اٹھا تو شہر خان کا سر شرم سے جھک گیا۔
”کہاں گئے تیرے وہ شیطاں جو تجھے
امر کرنے کے دھوکے دیتے تھے۔ باز ہنر دیکھ کر تم نے اپنا
ایمان تک کھو دیا اور اب تم ایمان کے بغیر ہو اور ایمان
کو بغیر انسان کی اہمیت جتنا ان کی ہوتی ہے مجھے نہ
تو ادھیڑے برسے کی کوئی بچان ہوتی ہے اور نہ اس سے کسی
اجنبائی کی امید رکھی جاسکتی ہے اور ایسا ہی تم نے کر کے

دکھایا ہے کتنے ہی گناہوں کو بلا پیڑ تم نے اپنی شیطانی
خواہشات کی پیٹ چڑھا دی۔ بھاگت داپس چلے
جاؤ نہیں جو تھوڑی سا دلوں کر تم اسرو ہو گئے ہو۔۔۔۔۔
قیامت تک موت نہیں چھوڑی نہیں جائے گی۔ کریم
پر ایک ایک منٹ گزار کر دے گا۔۔۔۔۔ ہرگز مرے سینڈ
کی ساتھ تم موت کی طلب کر دے مگر اب موت نہیں
قیامت تک نہیں آئے گی اس حویلی سے تم باہر بھی نہیں
کلن جاؤ گے۔ خیر ہو کر وہ ڈکے کے دکان کے ہزاروں
دیکھو گے ہر دن رنگ تم پرخت ثابت ہوگا جاؤ دفعہ
ہو جاؤ۔“

اتنا کہ بھڑبھڑ نے بیٹا کی کا بھر ہر دار
شہر خان پر ایک تو دوسرے ہی سے شہر خان ہوا میں
اڑتا ہوا اور ت زرداری سے حویلی کے ایک بلر سے جا کھیا
دروک شدت کے باعث ایک طرف بچنے اس کے ملحق
سے لٹی اس کے ساتھ ہی گیت گز گز اہم کی آواز کے
ساتھ بند ہو گیا۔

شہر خان گرتا پڑتا بمشکل اپنے کمرے
تک پہنچا اور اٹھا کھینچ کر اس کی کئی گم ہو گئی بہت فرش
پر گر کر چرچر ہو چکا تھا۔ اسے اچانک جاہر اس اطراف
سے انت نکال لوگوں کے رونے کی پینے کی آواز میں گلی
دینے لگیں آواز میں آہستہ آہستہ زور پڑنے لگی
اور اسے اپنے کانوں کے پرنے ہوئے محسوس ہونے
لگے وہ زور زور سے چیخنے چلانے لگا کمرے میں جی رہی وہ
پکار کر پڑا اور زور دیا لپٹا سے بے گناہ ہوتا چلا گیا۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

زمان خان کی گاڑی حویلی کے سامنے رکی
مانا چاہتے ہوئے ہی اس نے گاڑی سے اترنا پڑا زمان
خان نے نوشین زبے کیا کیا ہوا تھا۔ گاڑی کا دروازہ
کھول کر وہ باہر نکلا اور گاڑی سزاوار کجرت سے اپنی
خاندانی حویلی کو گھورنے لگا۔ حویلی پر غصہ برسی رہی
تھی۔ ایک عجیب سا خوف اس کے رگ دپے میں
سراست کر گیا۔ اس نے باہر گاڑی سے باہر کھڑے ہو کر
قد سے جھک کر کہاں بجا گیا کریں لگ رہا تھا حویلی

میں کوئی موجود نہ ہو جب یہ کسی نے پیچھے سے زبان خان کے کندھے پر ہاتھ رکھا تو وہ چمک کر اڑا۔ سامنے حویلی کا راتلا غلام نکلا۔

”صاحب آپ یہاں کیوں آئے؟“
 ملازم نے آنکھیں پھاڑ کر اسے دیکھتے ہوئے پوچھا تو چراگزار زبان خان نے اسے گھورا۔

”اب اسطرح ہے تمہارا؟“
 زبان خان نے ناگواری سے پوچھا کہ وہ اس سوال داغا۔
 ”یہاں موت کی بوٹی کھلی جاتی ہے صاحب۔“

ملازم نے خوف زدہ اعجاز میں جواب دیا۔
 ”واپس چلے جائیے ورنہ ایسا نہ ہو کہ کہیں چھوٹے صاحب آپ کو بھی گولی زد کر کے اس بات پر آپ کا خون اٹھیں۔“ اب وہ انسان نہیں رہے بلکہ

انسانی روپ میں ڈھنسا کر دیں۔“
 ملازم کی بات سن کر زبان خان ٹپس میں آ گیا اور ایک زوردار طعنا تھا جس کے منہ پر سید کا ہواڑاں برقرار نہ رہ سکے کی وجہ سے وہ اوندھے منہ گرا اور اس

کچھ سے پرہیزی کی غرض آگئی جس سے خون کی ایک چھوٹی سی لکیر نمودار ہوئی۔
 ”بڑھیر ہو کر حرام انسان۔“ زبان خان ٹپس سے دھاوا۔

”آم خر دکھا دی اپنی اوقات، ابھی اور اسی وقت دغ ہو جاؤ اور درد بارہو جی کے قریب بھی جھٹکنے کی کوشش نہ کرنا۔“

”میں رہتا بھی کون چاہتا ہے صاحب۔“
 ”؟؟؟؟“ ملازم نے اب بھی ہاتھ اندھ کر عجیب۔

”جائے شوق سے اندھ جا جائے۔ اللہ آپ پر رحم کرے۔“

ملازم دعائیں دیتا ہوا وہاں سے اپنے قدموں لوٹا۔ زبان خان تیزی سے گیت کی طرف دیا جہاں دار

گیت سے اندھ کا سفر راتلا دکھائی دیتا تھا۔ پھر زور دینے سے گیت کھلا چلا گیا جیسے گیت چہرہ امت کی آواز سے مکمل رہتا دے دیے زبان

خان کا دل زور دے دھڑک رہا تھا۔
 کئی ہی ریمک زبان خان گیت کے پاس کھڑا

سر چہاڑ کر آگے جاتے پھنس کر جواں بیٹے کی شخصیت کی گہرائی میں گم ہو کر اسے اکیلے

آخراً تڑپتے ہوئے گیت کے وہ آگے برہا ابھی اس نے تین چار قدم ہی اٹھائے ہوں گے کہ ایک دلزدہ بچہ اس کی سماعت سے گرا گیا۔ اس آواز کو بھلا وہ کیسے نہ پہچانتا

یہ آواز اس کے لخت جگر کی تھی۔ آواز میں درد کی شدت اس کی ہر داشت سے باہر تھی زبان خان سرعت سے اندر

کی طرف بھاگا۔
 غلام کریش سے ہوتے ہی اسے روکنا پڑا کیونکہ اس کے سامنے اس کا بیٹا شہروز خان کھڑا تھا اس کے

چہرے پر حسد یوں کی تھکان دکھائی دے رہی تھی اس کی آنکھوں میں پلک کا خوف دکھائی دے رہا تھا۔ اس کی

شہید بڑی ہوئی تھی اس کی خستہ حالی پر زبان خان کا دل میچ کر ٹپس میں آ گیا تھا۔
 ”بابا۔“ شہروز خان باپ کو دیکھ کر اس کی طرف

لپکا اور آکر باپ کے سینے سے لگ کر حواس دھار دے لگا۔
 ”مجھے یہاں سے لے چلو بابا۔“ تپائی کاٹ

کہا۔ گوروڑی سے..... مجھے ہمارے مارڈے گا۔ اس نے مجھے یہاں تید کر کے رکھا ہوا ہے۔“

بیٹے کی بات سن کر زبان خان ٹپس سے لال چلا ہوا۔
 ”مگر کی اپنی جرات ہے جو میرے لخت جگر کو اس نے یہاں تید کر کے رکھا ہے؟“ زبان خان نے پوچھا۔

”وہ بہت ظالم ہے بابا۔“ شہروز خان نے باپ کے سینے سے الگ ہو کر کہا۔
 ”مجھے بہت اذیت دیتا ہے۔ میں کئی دلوں

سے یہاں بھوکا پیاسا ہوں ملازم کوگی اس نے بھگا دیا۔
 ”پہلو سے ساتھ میں بھی تو دیکھوں کہ وہ کون ہے؟“ زبان خان نے کہا۔

شہروز خان باپ کے ساتھ چپکا کر اس کی طرف آئے لگا۔ میرا بچے کے زکر جیسے ہی وہ گیت کی طرف

ہوئے اگلا سحر دیکھ کر زبان خان کے روئے کھڑے ہو گئے۔ اس کی آنکھوں کے سامنے گیت کے دلوں پٹ خور خود بخود آگے میں ٹپس گیر ہو گئے۔ شہروز خان

باپ سے چپک گیا۔
 ”وہ آگیا ہے بابا! مجھے چھوڑ کر موت جاتا۔“

شہروز خان نے باپ کے بازو کو شہوٹی سے تھامتے ہوئے کہا۔
 ”ہمت کر میرے بیٹے میں ہوں ناں تمہارے

ساتھ۔“ زبان خان نے اسے لگا دے ہوئے کہا۔
 دلوں گیت کے پاس پہنچے تو زبان خان نے گیت کو زور دے لگا دیا تو وہ مکمل گم ہوا زبان خان گیت سے

باہر نکل گیا اور دوسری طرف کھڑے ہو کر بیٹے کو پکارا۔
 ”آؤ بیٹا گھر مت کر دیر سے بیٹے میں ہوں تمہارے ساتھ۔“ زبان خان نے اسے لگے لگا تو شہروز خان

اس کی طرف بھاگا۔
 جیسے ہی شہروز خان سے گیت سے دایاں پاؤں باہر نکلا ناٹا کسی نے اسے اٹھا کر اتنی زور سے زمین

پر پٹا کر اس کی سماعت ٹھمن چلی زبان خان کو ہلکا کر رکھ دیا۔ تب ہی زبان خان نے ایک نہایت ہی

بیجا یک نظر دیکھا۔
 شہروز خان کو کوئی دلوں بازوؤں سے پکڑ کر ٹھمن کر اندر لے جا رہا تھا وہ مکمل مدد کے لئے

جی پکڑ کر رکھ رہا تھا اسے گھٹنے والا لگا کئی تھن دے رہا تھا۔
 زبان خان نے سرعت سے آگے بڑھا تھا کسی آگ

کے ہوا یک نمودار ہونے والے آواز سے اس کا راستہ روک لیا۔
 ”اللہ کے لئے میرے بچے کو چھوڑ دو۔“ زبان

خان بے کسی دے چار کی کے عالم میں گھٹنوں کے مل بیٹھے ہوئے گا پھاڑ کر چلا گیا۔ اس کے سامنے اس کے

پیشے کو اندر لے جایا گیا اور اس کے بعد جیو کی زبان خان کی سماعت ٹھمن چلی تو گویا اسے زور دے

کیا جا رہا تھا۔ زبان خان اپنی بے کسی دے چار کی پڑھوں دھار دے رہا تھا۔

تب ہی تمنا نے اس کے دماغ میں کیا آ کر وہ فوراً گاڑی کی طرف بڑھا اور گاڑی اسٹارٹ کر کے اسے تیز کر ڈال دیا۔

☆.....☆.....☆
 ”یہ کیا کہہ رہے ہو تم؟“ زبان خان کا باپ

سرمد خان حیرت سے بولا جبکہ بائی اہل خانہ نے بھی اسے حیرت سے گھورا۔
 ”آج کے ترقی یافتہ سائنسی دور میں کیا ایسی

فرسودہ باتیں کر کے تم ہماری برسوں کی منت پر پانی پھیر رہے ہو؟“
 فاطمہ نہیں پاگل ثابت کر کے نہیں اور ہم سب کو نکال کر لے میں کا سیاب

ہو جائیں گے۔“
 ”بھائو میں جاتے ہی سب مجھے اپنے بیٹے کی سلامتی عزیز ہے۔“ زبان خان نے بے چارگی سے پوچھے

ہوئے کہا۔
 ”دیکھن بابا یہ ممکن ہے یہ سب حقیقت ہے ہوا انہیں ایسا بے ہودہ مذاق کرنے کی ضرورت ہے؟“

زبان خان کی اہلیہ نے خاندانی بے کسی پر تڑپ کر کہا۔
 اسے اپنے بیٹے کی بات دے لگی۔
 ”کہا ہے کہ اس کی مصائب سے دو چار ہے۔

خدا اور فرشتوں کے کوشش کر دے۔“
 بہو کی بات سن کر سرمد خان کی گہری سوچ میں چلا ہو گیا۔ زبان خان نے اپنے باپ کے ہاتھ پر ہاتھ

رکھ کر دیا۔
 ”ہمارا مدد دینیے بابا شہروز خان ہمارا اکلوتا وارث ہے۔“ زبان خان نے منت کرتے ہوئے کہا۔

”تیری کردہ زور دے جا رہا ہے تو خدا کا ہاتھ لیں گے۔“ سرمد خان نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔
 ”میں اپنے ساتھ ٹپس کی بھاری غلطی لے

کر جائیں گے۔ گیت کھلا چلا جیسے گیت منطقی انجام تک پہنچا کر ہی دم لیں گے۔ تم لوگ تجارتی

ہرس ہا ہرس سے ہراسرار قوتوں کو مسخر کرنے کے لئے سرگردان انسانوں کی ہراسرار ہولناک داستان حیرت، ہدم قدم پر مسخر جادو اور عملیات کی حیرت انگیز مناظر پڑھنے والوں کو انگشت بندان کرکے انچہ میں ڈال دیں گے، ایک بالکل نئے طرز کی حیرت ناک دلوں پر دھشت طاری کرتی کھانی۔

ایک نایاب واد پر ہراسرارستی کی ہولناک رودادوں کی دھڑکنیں تیز کرنے والا سلسلہ

میری بات پہلے تو اس کی بھو میں گج نہ
آسکر، چنانچہ اس نے اہسن آئیر اعزاز میں میری طرف
دیکھ کر پوچھا۔
”کیا کہہ رہے ہو..... دوبارہ ملو.....“
”انہیں ہاں جی سنے مارا ہے.....“ میں نے
صاف گوئی سے کہا۔
”پس دالے نے تاک میں چڑھا کر مجھے گوراء
اس پکڑ میں اس کا چہرہ عجیب اور مسکھڑ ہو گیا تھا۔ اس
نے پلٹ کر اپنے سامیوں کی طرف دیکھا تھا اور ایسا تھا
جیسے میرے اس بے کال سے مطلب پوچھ رہا ہو۔
ان ہے جادو نے کسی صرف کندھے
اچکا دیئے..... اب اس نے ایک کھار لیتے ہوئے اپنا
گھراف کیا اور میرے ہونے والی پلٹن کو مٹھو بیکہ
پر لاتے ہوئے مجھ سے دوبارہ مقابلہ ہوا۔
”نیکو میاں..... اچھا چھوڑو..... پہلے مجھے اپنا
نام بتاؤ۔“
”میں..... کھیل ہوں۔“
”اچھا..... اس نے سر ہلایا۔
”تو کھیل..... میرے بچے..... میرا نام دلاور
ہے..... ایک دلاور اور اس تہار چاچا ہوں۔ میں
سوچ کر تہار کی ماں کا رو روکنا تہا حال کیوں ہو رہا ہے

چانکا ہوں کہ اس مادے نے شرور تہار سے ذہن
پر اثر کیا ہوگا۔ لیکن تم اپنے ابا کی بھائی کو ضرور قاتل
کے بارے میں کچھ آگاہی دو گے..... اب بتاؤ تہار سے
ابا کی کو کس نے مارا تھا؟“
میں نے چند لمحوں تک توقف کیا اور پھر آہستہ سے بولا۔
”میں نے جو دیکھا وہ آپ کو بتا دیاں گی۔ میں نے
خبر نکالا تھا اور کچھ کر ابا کی کے سینے پر دے مارا۔ انہیں
ترے کی کٹی ہوئی ہڈی مل گئی۔“
”تم مجھے بہت افسوس ہے کھیل بیٹے.....“
دلاور کا لہجہ مضمون تھا۔
”میں اس دکھ میں تہار سے ساتھ ہوں۔ لیکن تم
اپنے اہساں سے ہل کر کے ایک ٹوک تاز کے قوس تہار
کچھ مدد کر سکو گے اور تہار سے باپ کا قاتل آزار کو مٹا
رہے گا اور اسے کسی جرم کی سزا مل سکے گی۔“
”آپ میری بات پر یقین کریں ایک
صاحب۔“ میں نے کہا۔
”ابا کی کو کہیں نے قتل کیا ہے۔“
”اچھا چلو.....“ دلاور نے سر ہلایا۔
”اگر میں تہار کی بات مان لوں..... تو تم خود کو
سوچ کر تہار کی ماں کا رو روکنا تہا حال کیوں ہو رہا ہے



؟ مجھے ڈور ہے کہ کہیں اسے بھی کچھ نہ ہو جائے۔ کیا تمہارے باروں میں بھائی ہیں؟

"نہیں..... میں نے بتایا۔"

"دو مہینے میں چند سال پہلے ان کا انتقال ہو گیا تھا۔"

"اوہ..... اس کے منہ سے نکلا۔"

"بڑی دردناک کہانی ہے۔ اچھا..... کوئی اور رشتہ دار دیکھو۔"

"ہاں..... قاسم ہاں ہیں۔"

"ہوں..... اوہ کدو کھا رہے ہیں؟"

"شیر میں کھر ہے۔ ماں جی کے پاس ان کا کپڑا ہے۔"

"میں معلوم کر لوں گا۔ دلادار نے کہا۔"

"لاش کا پوسٹ مارٹم ہو گا کچھ پڑے گی انکھیں کے نشانات لئے جائیں گے۔"

"یہ کہہ کر وہ کسی خیال کے تحت اس طرف کھڑا ہو گیا جہاں ابابھی کی لاش پڑی تھی۔ اس نے احتیاط سے اپنے جوتوں کو خون سے بچایا اور میری طرف دیکھ کر بولا۔"

"تجربہ بازی مجھ پر بھروسہ ہوا تھا؟"

"جی ہاں..... میں نے جواب دیا۔"

"اور اس کی والدہ سے میں کھڑی تھی۔"

"غضب..... اس نے جیسے پر اہل شاعری نہیں تھا۔ وہ دروازے کے ساتھ موجود کھڑکی پر نظر کرنا کا سے ہوئے تھے۔"

پھر وہ آہی آہی آپ خود گاڑی کے اندر اسی بولا۔

"انگڑتاری میں دروازے میں کھڑی تھی، تو قاف نے کھڑکی کی اسٹیل کی ہوئی یہ دروازہ بھی کانی چڑا ہے ممکن ہے کہ کھڑکی کے والے نے تمہاری ماں کے قریب ہی کھڑے ہو کر دار کیا ہو۔ یہ چارہ پوری صورت کو کیا معلوم..... تو شاید تم ہی اسے نہ دیکھ سکتے تھے۔"

"دکھی کہ کیا ہے..... تمہارے والدہ جو کام کر رہے تھے اس میں دشمنان بھی ہوجاتی ہیں..... کام دکھادیا کسی نے..... خدا تم کرے۔"

میں خاموش رہی، کتنی عجیب بات تھی وہ میری گواہی کو کسی خاطر میں لائے تو تپا نہیں تھا تاکہ میں وہی کچھ بتا رہا تھا جو میری آنکھوں کے سامنے پیش آیا تھا کھل کر کا چشم دید گواہ ان کے سامنے موجود تھا، اور وہ لوگ اسے یکسر نظر انداز کر کے اپنی ہی کارگزاریوں میں مصروف تھے۔

تموڑی رہا بعد وہ لوگ روانہ ہو گئے۔ میں اب اسی جی کے کمرے کی طرف آ گیا، جہاں اب بھی دورگوشی کے ساتھ بیٹھی ہوئی انکھیں دلاسورے دلی تھیں۔ ماں جی بھی اس سے باتیں کرتی ہوئی دکھائی دیں۔ مجھے دیکھ کر وہ عرش اٹھ کھڑی ہوئیں۔ وہ شاید اپنے اسے کھانا پانی تھیں۔

بھران میں سے ایک نے مجھ سے کہا۔

"تم اپنی ماں کا بہت خیال رکھنا..... ہم اب جا رہے ہیں، لیکن میں ہوتے ہی واپس آ جائیں گے۔"

"اسی اچھا..... میں نے سر ہلا دیا۔"

"میں حاد نے آٹھوں سے چند جینوں لی ہے، لیکن پھر کئی توڑا سا آرام بہت ضروری ہے تم خود بھی لیٹ جاؤ اور اپنی ماں کو بھی بیٹی مشورہ دو۔"

"اور وہ کہہ چارہ پلان ہو گئی ہے۔"

"اور اسے اب یہ آسو تو میرا مقدور ہی بن گئے ہیں..... ماں جی بول رہی تھیں۔"

"میرا تو کبھی جگر جڑ کر گیا۔ پہلے میری معصوم چچاں کو اسے اور اب سکا جان بھی خاک میں کیا گیا..... آہ..... میں اب کس کے سہارے زندگی گزاروں گی؟"

ان میں سے ایک عورت بھران کی طرف بڑی اور کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئی بولی۔

"تمہاری زندگی اب کھیل ہے غلام۔ نصیب اور تقدیر کو کوئی مال نہیں سکتا..... جو کچھ قہر و قہودہ خدا تھا..... اب وہ میرے کمرے کے در کھٹکس ہو سکتا۔"

"ہائے..... اس آگ نے میرے عزت کھر کھانا تھا..... کھیل بھی تو تنہا ہی رہ گیا....."

باپ کا سایہ تو سر سے اٹھ ہی گیا۔ ہائے میں بھی کچھ

بلائیے ہو۔"

ہم دونوں سوئیں سکتے تھے، نیند آنکھوں سے کوسوں دور میں خاموش تھا اور ماں جی مجھے سینے سے لگائے ہوئے ہوتے ہوئے سکیاں بھر رہی تھیں۔

کافی دیر بعد انہوں نے پوچھا تھا۔

"کھلی....."

"جی....."

"تم نے یہ کیوں کہا تھا کہ تمہارے باپ کو میں نے مارا ہے؟"

میں نے نظر بھڑکان کی طرف دیکھا اور ایک طویل سانس لے کر بولا۔

"جو کچھ میں نے دیکھا تھا وہی بولا تھا۔"

"اورے..... تو اب وہی بات کہہ رہا ہے؟"

وہ چونک کر بولیں۔

"اور کیا کہیں ماں جی..... میں قدرے جھنجھٹا گیا۔"

"میں نے ہی تجھ پر نہیں کھینچ کر مارا تھا۔"

"غضب خدا کا..... وہ راز آگیا۔"

"میں نے تو کسی کھر میں کھینچ کر نہیں کی اور تمہارے باپ کے خون کا الزام مجھ پر ٹھوپ رہے ہو۔"

"مجھے نہیں معلوم کہ کیا ہوا اور کیا نہیں ہوا..... میں نے یہ کس سے کہا۔"

"اور اب میں اس موضوع پر بات بھی نہیں کرنا چاہتا۔"

"اس میں تمہارا کوئی قصور نہیں ہے میرے بچے..... وہ راز ہاں کی لیے میں بولیں۔"

"وہ جیسا بھی تھا تمہارا باپ تھا..... مجھ سے تم بھی میری طرح غلطی ہو..... شاید اسے تم نے بات کہہ رہے ہو۔"

"ہوسکتا ہے ماں جی..... میں آہستہ سے بولا۔"

"میں نہیں جانتی یہ کیا بات کہ میں تم نے درود کا گاڑا تھا یا کیا نہیں....."

"کیا مطلب؟" انہوں نے حیران ہو کر پوچھا۔

"آپ نے وہاں آ کر باقاعدہ ابابھی سے بات

کی تھی..... میں نے بتایا۔"

اس کے بعد میں نے انہیں ابابھی سے ہونے والی محکوموں کے لئے شادی، وہ پریشان ہو کر ستر سے اٹھ کھڑی ہوئیں اور میری طرف دیکھنے لگیں۔

"یہ..... تم کی کیا کہہ رہے ہو؟"

"میں آپ سے جھوٹ کیوں بولوں گا۔"

میں نے انسا سوال کیا۔

"میں جان کر ہو کر تو ابابھی کے قتل کے الزام میں آپ کو پھانسی دے رہا۔ ان کے بعد اب صرف ہی میری زندگی کا کہنا ہو کر تجھیں بھی پھانسی والے اٹھا کر لے گئے تو میں اس بھری دنیا میں کہاں جاؤں گا..... میرا کون ہوگا؟"

"اورے..... کیوں بیٹی بیٹی جائیں کر رہے ہو؟..... وہ راز آگیا۔"

"مجھے بھی قاتل ثابت کرتے ہو اور میری میری مٹا کاروانہ سے ہو۔ میری کچھ کچھ میں نہیں آ رہا کہ یہ سب کیا ہوا ہے؟ کس نے ہماری زندگی کا چراغ بجھادیا اب چاروں طرف اندھیرا ہی اندھیرا ہے اور اس اندھیرے میں نہ جانے اسے ہائی سٹریٹس سے ہوگا؟"

میں چپ رہ کر ان کی طرف دیکھ رہا، ایک بار پھر وہ نظر میری آنکھوں کے سامنے ٹھہرے گا کہ جب ماں جی نے اپنے ہاتھ سے ابابھی پر ہتھ پڑا تھا۔

مجھے پھر پھر میری آگئی، گھر بار میں نے اپنی آنکھیں بند کر دیں۔

☆ ☆ ☆

ابھی صبح میں ایک طرح سے بیدار نہیں ہوئی تھی کہ قاسم ہاں کی صفی دکھائی دی۔

انکھیں اس واقعہ کی اطلاع دے دی تھی، ماں کا پریشان چہرہ تھا، ہاتھ وہی گلت میں یہیں بیٹھے ہیں۔

ماں جی نے ان کے گلے میں ایک دایک بار دھککوں کے بندلوں سے گورو گایا، ان سونوں کا سلاخ بدوں ہو گیا۔

قاسم ہاں نے بیک وقت کئی سوال کر ڈالے، لیکن انکھیں کو ان حقیقت سے آگاہ کرتا..... میں نے

تھیر لیا رکھا کہ راب دہی کہوں گا جیسا سچر والا در سے کہا تھا۔

اس کے خیال میں قاتل نے ہی اس کے حسب سے حملہ کیا تھا اور بدھو متی پر ہی غرور ہو گیا تھا۔

قاسم ہاموں نے ممبر کی تفتیش کی، بہت دالے دینے اور بدھو متی بھی اپنے پہلو سے لگا کر شفقت سے سر پر رکھا تھا۔

اس اعدہ ہاک صورت حال نے انہیں بھی قدرے حواس باختہ کر دیا تھا اور ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کریں۔

شام تک پولیس دالوں نے لاش کو دفنانے پہنچا اور بابا سچندر دتھین کا سر مل گیا تھا۔

میت کو کھس آئی تو ایک بار بدھو متی حویلی کا تھم کدہ مٹی بنی، اسے سو تو تیس زور دیا تو رابڑا ہوا تھا۔

دتھین میں رات ہی ہو گئی تھی، قاسم ہاموں نے مجھے اپنے ساتھ ساتھ ہی رکھا تھا۔ تمام انتظامات ختم ہونے لگے تھے۔

گھر پر واپس ہوئی تو یہاں سٹکی کی عورتوں کے علاوہ ممانی بھی موجود تھیں..... قاسم ہاموں کی کوئی اور لاش نہیں تھی، جبکہ ان کی شادی کو تقریباً آٹھ سال کا عمر مر گزر چکا تھا۔

ممانی اپنے چھوٹے بھائی کے ساتھ ہیں بیٹو تھیں کھانے سے فارغ ہو رہے تھے سٹکی کی عورتیں بارڈ ہادی رخصت ہونے لگیں۔

ایسے سن ممانی بھی اٹھ کر قاسم ہاموں کے قریب آ گئیں اور آہستہ سے کہیں۔

”آؤ قاسم ہاموں“

قاسم ہاموں نے انہیں گھور کر دیکھا، بھرپور آواز نرم آواز میں بولے

”بھرا خیال ہے کہ تم بڑھ کے ساتھ ہی رہنا چلی جاؤ۔“

”کیوں.....؟“ انہیں چلیں گے؟

”ختمی.....“ وہ بولے۔

”تم سب کی سی دوا لیں آؤں گا۔“
 مہمانی کے چہرے پر کسی قدر ناگواری کے آثار
 ابھرے، لیکن بارگاہِ ہر وہ بے غمیرے سر ملا کر وہاں سے
 چلی گئیں۔
 شاید وہاں جیسا کہ کواواوا کہنے کی تھیں، تھوڑی دیر
 بعد ہی وہاں سے مہمانی کے ساتھ روانہ ہو گئیں۔
 مگر ایک بار پھر خالی ہو گیا تھا۔ غصا اوردی
 زیادہ سوکار ہو گیا اب میں قاسم ماموں کے ساتھ ماں کی
 کے پاس آیا۔
 وہاں سے چمک جڑنا سر ہنسی ہوئی تھیں قاسم ماموں
 ایک طویل سانس نے گرائے کر قریب ہی بیٹھ گئے۔
 ماموں نے بے خالی خالی نگاہوں سے ان کی
 طرف دیکھا اور کہیں۔
 ”تو دروں نے کھانا کھا لیا؟“
 ”ہاں بابائی۔۔۔“ قاسم ماموں نے سر ہلایا۔
 ”تم کسی کام سے بچا ہو بیٹے والا تھا۔“
 ”میں نے بھی دو چار تھکے زہر مار کر لے
 تھے۔“ وہ ہلکی۔
 ”بے چاری مٹلے دایلوں نے بہت خیال رکھا
 تھا میرا۔“
 ”زہر مار کیوں بابائی۔۔۔؟“ قاسم ماموں سوچ
 اٹھے۔
 ”جہانے والے تو دنیا سے چلے گئے، دنیا کی کوئی
 طاقت انہیں روک نہیں سکتی تھی۔“ مختصر کا کھٹا کرئی تھیں
 مہمان۔ آج مہمانی صاحب کے انتقال کا روز گزرے
 اور گزرنے والا وقت ہی بادوں پر مزمزم لگایا کرتا ہے یہ
 قدرت کا قانون ہے کہ اگر کوئی آسرا لیا کوئی سہارا نہ
 ہو تو وقت ہی ساتھ دیتا ہے۔ سبھی کی وقت گزرنے کے
 ساتھ ساتھ خود کو سنبھالنا ہو گا اپنی خاطر میں تو کم اگر کم
 کھیل کی خاطر۔۔۔ تھہارے گھر کی اب یہ آخری نشانی
 ہے۔ اگر کم اب بھی ہے بیانا نہ چاہو تو کوئی بات نہیں
 لیکن اس کی خاطر میں جیڑنا ہے کہ اس لئے خود
 کو سنبھالو۔۔۔ ورنہ خود سوچ کر نہیں سمجھو ہوا تو کھیل کا

اس دنیا میں کون ہے؟“
وہ ہنپاتی انداز میں بولنے چلے گئے۔
”تم ہوئے۔“؟“ میں جی سچے سے انداز میں
منکر نہیں۔
”میں میں ہوں۔“ وہ ہنپے۔
”میں میں میں دونوں کی زندگی کا خواہشمند ہوں
جس طرح ہر ٹھیک ٹھیک عزیز ہے، اس طرح تم بھی ہو۔۔۔۔۔
اور میں ٹھیک اور چکا پہل کی سبب میں دونوں کو یہاں ہرگز نہیں
رہنے دوں گا۔ میں تمہیں اور ٹھیک کو ساتھ لے کر جاؤں گا
اسب تک لوگ میرے گرد رہے ہیں میرے ساتھ۔“
☆ ☆ ☆
قاسم ہاموں کا گھر۔ کسی بادشاہ کے محل سے
کسی طور کی کمینہ تھا، وہ ایک بڑی سی مین سے اور یہ خوب
صورت نگاہ کی ایندھنات کا بیج تھا۔
اس بیٹے میں کسی چیز کی کمی نہیں تھی، گاؤں، پینک
پینس اور رورکر جا کر۔۔۔ سب میں کچھ کمائی کے نصیب
میں تھا، مگر دنیا کی تمام آسائشوں کے باوجود ان کی
گود میں تک غلامی کی۔ بیٹے کا بیٹا لان سے وقت
چھوٹے ٹھکانے کی چپکار سننے کے لئے رستہ ہٹاتا۔ لیکن
میں نے فکس کیا تھا کہ کمائی کو اس بات کی زدہ برابر بھی
پرہیز نہ کر دو، بہت زیادہ نہیں، لیکن اس دوران کا اکثر
وقت مختلف قسم کی پارٹیوں کا میزبان کرتے ہوئے
گزرتا تھا۔ رات کو تھکے گا، تان کا راز کا معلوم تھا۔
قاسم ہاموں اور ان کی بیوی کے درمیان میں رہنے والا
مسلحہ تھا، صاف طور پر محسوس کیا جاسکتا تھا۔
بچے اور ماں جی کوہر کوٹھڑے کے ساتھ ہی
ایک کمرہ میں لایا گیا تھا، جہاں کالو راز میں توازن نہیں
تھا، بات یہ تھی کہ راز وہ حد تھا جہاں سے صرف لان کی دھج
کھائی اور درخت دکھائی دیتے تھے۔
شروع شروع میں ہم دونوں ان لوگوں کے
ساتھ ہی رہتے تھے، لیکن پھر نہ جانے کیا ہوا کہ
”میں اپنے کمرے میں لایا گیا رہا۔“
یہ یقیناً کمائی کی العیاد ہوا تھا، میں نے محسوس

کریا تھا کہ جارا میں اس آٹھیں ایک آٹھ گھنٹے میں بچا تھا۔
 لیکن قاسم ہاوس سے بچہ کھینچ کر جرات شاید
 ان میں نہیں تھی۔ میں نے محسوس کیا تھا کہ سمانی صلبہ
 لاکھ تھپڑ مار رہی تھی۔ لیکن قاسم ہاوس کے سامنے ان کے
 لیوں کو رونا تھا۔ کیا جرات تھا۔
 لاکھ لاکھ قاسم ہاوس آکر گھر پہنچے ہا ہی رہی رہا
 کرتے تھے، دو روزہ تھکا دیا کہ پہلے ہی میں مصروف
 رہا کرتے تھے۔
 قاسم ہاوس نے فوراً طور پر ادا دل کا بچہ میں
 کر دیا تھا اور درخت تو خوں مجھے بھی ایسا محسوس ہوتا تھا کہ
 میں جو بولی کی زندگی میں میٹرک کرنے کے بعد آئے تھے
 پڑھ کر آئے تھے قاسم ہاوس کی اپنی مرضی تھی کہ انہوں نے
 مجھے کا بچہ میں ادا دل دیا تھا۔
 ان کے گھر میں چار ملازم تھے۔ ایک جڑا میاں
 بیوی کا تھا، جو کہ کئی صفاتی قرولی اور کھانے پکانے
 کے کاموں کے لئے شخص تھے جبکہ ایک اور میٹر تھا جسے
 قاسم ہاوس نے سمانی صلبہ کے لئے رکھا ہوا تھا۔ یہ ایک
 لوجیستک کام تھا جو رات کو اپنی ڈیوٹی ختم ہوجانے کے
 بعد اپنے گھر کے لئے روانہ ہوجاتا تھا۔ ایک بوڑھا مائی
 بھی تھا، جو سسٹن میں یہاں رہا پش پش بڑھاپا کی نسبت
 ان میاں بیوی کو بھی حاصل تھی۔ انہوں نے بھی سرورث
 کو روز میں اپنا قبضہ سنا رکھا تھا۔ ان کا ایک ہی بیٹا تھا
 جو ان دونوں کے بھانے اپنی دادی کے ساتھ رہتا تھا۔
 یہی کھانا دہلے کے لئے آ گیا کرتا تھا۔
 پھر سب مائی کا نام پریم لکھیا تھا۔ ان کو ان سے
 سلام دعا ہوجا کرتی تھی اور وہ بہت محبت سے سلام کا
 جواب دیا کرتے تھے۔
 آہستہ آہستہ ملت چیت گئی وہی تو یہ بات سن
 کر میں چونک اٹھا کہ وہی کرنا سننے میں لمبی محرم کے
 گھر سے دست بردار کیے تھے۔ ان میں بہت نزو کیے
 جاتے تھے۔
 میں نے تھپڑ مار کر کسی دن فرمت سے رجم ۱۱
 کی صیحت میں بیٹھوں گا، تاکہ ابھی کی جوتی کے واقعات

سے اگلی حامل کرکوں میں بھی مجھے گزرے ہوئے
دقت کی داستانیں سننے میں بہت لطف آتا تھا۔
ابھی تک باہمی کے کل کا مسئلہ اندر سے تھا،
ہمیں قاسم ہاموں کی زبانی اس بارے میں معلوم ہوتا
رہتا تھا۔

قاسم ہاموں کا کہنا تھا کہ پولیس والوں نے اپنی
"ازلی لاپرواہی" کا مظاہرہ کرتے ہوئے قاتل کے لئے
تجربہ دوز کش کی اور اب دقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ
کیس راجی اہیت کو تھما رہا ہے۔
دیئے قاتل بھائی نے باں بھی سے وعدہ کیا تھا کہ
وہ اس کیس کو دلیری اور بار اٹھا میں گئے۔
"میکر ایک دوست خفیہ پولیس میں آفسیر ہے
"۔ انہوں نے بتایا۔
"انتقال سے وہ ان دنوں ملک سے باہر گیا
ہوا ہے، لیکن وہ جیسے ہی واپس آئے گا، میں بھائی
صاحب کے کسی میں اس کی سے مددوں کا میں ابھی صرف
پولیس والوں کا طریقہ کار دیکھ رہا ہوں، میں اس دقت یہ
کیس افغانوں کا جب انہوں نے اسے قانون میں دفن
کردیا ہوگا۔"

"ہاموں..... ایک بات پوچھوں؟" میں نے
کسی خیال کی سخت کہا۔
"ہاں..... ضرور....."
"پولیس والوں کو اس خبر پر سے قاتل کی انھیں
کے نشان کی تو لے ہوں گے؟" میں نے پوچھا۔
"کیوں؟" تم ان نشانات کا کیا کرو گے؟"
انہوں نے چونک کر پوچھا۔
"میں بتاتی ہوں..... میں ہی ہوں نہیں۔
"قتل کے وہ دن میں یہ بات بھی ہوئی ہے
کر....."

"میں جی..... میں نے انھیں لوک دیا۔
"خدا کے لئے عاشق رہیں۔ میں نے تو جو بھی
پوچھا رہا تھا۔"
"اے چھوڑو باہی..... تم مجھے بتاؤ..... کیا بات

ہے؟" قاسم ہاموں اب ان کی طرف متوجہ ہو گئے۔
"رہنے دو قاسم..... مسکرا نہیں۔
"اگر میں نے تیار ہو تو کھیل کرمان جائے گا۔"
"قربانے دو رہا....." وہ دھمی دھمے۔
"میں اسے سالوں گا۔"

"دراصل بات یہ ہے کہ کھیل شروع دن سے ہی
مجھے قاتل سمجھ رہا ہے۔" میں نے اٹھ دیا۔
"اسے آج بھی اسی بات پر یقین ہے کہ میں
نے ہی اس کا پتہ کر لیا ہے۔"
"ہاں..... لیکن کیوں؟" ان کی حیرت
قابل توجہ تھی۔
وہ پوری طرح میری طرف متوجہ ہو گئے، جبکہ
میں خاموشی سے سر جھانے بیٹھا تھا۔
"یہ بتانا ہے کہ اس نے مجھے باقاعدہ خبردارتے
ہوئے دیکھا تھا۔" میں نے بولیں۔
"اور میں اس وقت پریشان تھیں۔"
"کھیل....." میں نے کہا "کیا میں رہا ہوں؟" وہ اس
مجھ سے قانع ہوئے۔

میں نے ایک طویل سانس لی اور ان کی طرف
دیکھنے لگا ہوا۔
"ہوسکتا ہے ہاموں کہ میں نے کوئی خواب دیکھا
ہو..... کیونکہ میں اس وقت شاید اپنے ہوش کو بیٹھا تھا۔"
"ہوں....." انہوں نے سر ہلایا۔
"ممکن ہے....." میں نے بولیں "تم سنگر پرش کا پوچھ
رہے تھے۔ یہ ہاں؟"
"جی ہاں ہاموں....." میں نے ان کی طرف

دیکھا۔
قاسم ہاموں چند لمحوں تک کچھ سوچتے رہے، پھر
سر ہلاتی ہوئی آواز میں بولے۔
"قاتل کا نام چلا گیا تھا۔ وہ پوری منصوبہ
بندی کر کے وہاں آ جاتا تھا، اس نے یقیناً اپنے ہاتھوں میں
دستانے بکھر رکھے تھے کیونکہ سنگر پرش کی انھیں
دھمکے کے نشان نہیں تھے۔ پولیس والوں نے مجھے

اس بارے میں بھی بتایا تھا۔" ان کی بات سن کر میں
حیران رہ گیا۔

☆.....☆.....☆
قاسم ہاموں کھمبوں کے لئے شہر سے
باہر جا رہے تھے، ان کا یہ دورہ کاروباری مسئلے میں تھا۔
دے جانے کیوں مجھے شہر لاق ہو گئی کرمانی جان
ہمارے لئے کوئی سازش نہ کرنا کریں، کیونکہ قاسم ہاموں
کی غیر موجودگی میں وہ اپنی تانہ بندی کی مکمل کارکنہار
کر سکتی تھیں۔

میرا ہل چوہا تھا وہ ہونا ہی قاسم کی قسم کے بھی
دوسروں کو اپنے دل کی آجکا بھانپنے سے کیا فائدہ تھا۔
اس بات کو اس کی بھی سمجھ میں تھا چنانچہ میں دن
ہاموں کی دروہی ہوئی تھی، اسی دن ان شام کے وقت میں نے
نے مجھ سے کہا۔
"کھیل جیتا..... زورا احتیاط سے کام لیتا..... تم
خاندہ کو کسی قسم کی شکایت کا موقع مت دیتا۔"
مرمان کا نام خاندہ تھا۔

"میں کیسے موقع دوں گا ہاں جی....." میں نے
جواب دیا۔
"دو، ہم لوگوں کی طرف دیکھا بھی گوارا نہیں
کرتیں۔"

"ہاں..... مجھے خبر ہے۔" انہوں نے سر ہلایا۔
"لیکن یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ خود سے کوئی موقع
ذمہ ڈھکالے۔" وہ نہیں چاہتی کہ تم یہاں رہیں۔"
"میں نے سن لیا۔" میں نے بولیں "میں نے اس کی۔"
"میں نے سن لیا۔"
"ہمارا بھی گھر ہے۔ ہم جو بھی میں رو سکتے
ہیں۔"

"نہیں جیتا۔" وہ جلدی سے بولیں۔
"وہ کہہ تو اب رہے کہ قاتل نہیں رہی، بلکہ
تمہارے بچے کو قتل کر سکتے ہیں۔ وہ ضرور تمہیں کسی کو
قتل کرنے کی کوشش کر سکتے ہیں۔"
"ایک بات بتاؤ ہاں جی....." میں نے مجھ

سے پوچھ لیا۔
"ہاں..... بیلو۔"
"میں خود بھی ان دشمنوں کے بارے میں
جاننا چاہتا ہوں۔" میں نے فور سے ان کی طرف دیکھا۔
"اور میں سوچ کر مہلتا ہوں کہ ان سے بدلہ ضرور
لوں گا۔ اگر بدلہ نہ ملے گا تو کم از کم باہمی کو قتل کرنے
کی بد ضرور پوچھوں گا۔"
"کیا تم ابھی تک مجھ پر ٹک کر رہے ہو؟"
انہوں نے مجھے گھورا۔

"نہیں ہاں جی....." میں نے کہا۔
"میں یہ جرات کیوں کروں گا۔"
"میں جانتی ہوں کہ تمہارے باپ کا قاتل کو
ہے؟" انہوں نے نا اہک بھی کہا تھا۔
اس جملے نے مجھے چٹکایا۔ میں نے فور سے ان
کی طرف دیکھا۔ دے جانے کیوں میں نے یہ بات محسوس
کی کہ میں ان کی سے چہرے کے تاثرات دے رہے ہوئے
تھے۔

ایک لمبی سی مسکراہٹ نے چہرے کی بنا دلت کوئی
متاثر کر دیا تھا۔ گنگی نہیں رہا تھا کہ میں جی نہیں۔
پھر آہستہ سے انہوں نے اپنے سبب گھولے
اور بولیں۔

"جان لو اسے ان کا خانا کیا ہے۔"
"جان لو....." میں نے حیرت سے دہرایا۔
"کیوں ہے؟"
"بیکہ....." وہ پھر مسکرائیں۔
"وہ صرف ان ہی کے لئے جانا لیا ہے جرات
دک پہنچائیں، اسے اپنے اوپر پتہ بھانپنے کے
کوشش کریں۔"

میں اب بھی ان کی طرف دیکھ رہا تھا ان کے
چہرے کے بدلے ہوئے تاثرات سے میں کی قدر خوف
محسوس کر رہا تھا۔ پھر میں نے اسے اپنا دم بھم کر کر بھولنا
اور ناول کرنا شروع کر دیا۔
"لیکن باپ سے کیسے جانتی ہیں؟"

یہ سن کر انہوں نے چونک کر میری طرف دیکھا اور بولیں۔
 ”تم کس کی بات کر رہے ہو؟“
 ”جان لیوا کہ..... میں نے سادگی سے بتایا۔“
 ”کہن جان لیوا.....؟“ وہ حیرت سے بولیں۔
 ”تم کس کی بات کر رہے ہو؟“
 ”اگر..... میں کسی زمانہ تھا۔“
 ”ابھی تو آپ نے خود یہ نام لیا تھا۔ اب آپ مجھ سے پوچھ رہی ہیں۔“
 ”میں کیا ہو گیا ہے میرے بچے..... ان کے لیے میں تو شیخی، جی، بیٹھے بیٹھے بھی ہوں کسی بات کرنے دیکھتے ہو تو ان کی دیر سے خاموشیوں..... میں نے تو تم سے کچھ بھی نہیں کہا۔“
 میں حیرت سے ان کی شکل ہی ستارہ گیا اس وقت ان کے چہرے سے وہ تاریک بات غائب ہو چکی تھی جن سے میں غافل ہو رہا تھا۔
 میں اب بھر کر رہ گیا تھا۔
 ”جان لیوا نے ایک بار پھر مجھے پریشانی میں ڈال دیا تھا۔ ان کا ایک بات کہنا، یاد میرا اس سے لگا کر..... میرے لئے اس کا باعث تھا۔“
 ”یہ کچھ جھوٹی بات تھی، لیکن اس سے قبل ایک سنگین معاملے میں کسی ماں کی کاہلی پر دیر ہوا تھا۔“
 میں اس حقیقت سے انکسار کر سکتا تھا کہ میں اپنی کے کل کا واحد ہوش و بے گواہ تھا۔ لیکن پھر اس وقت ماں کی کاہلی پر میرا سر بے ہوشی اور اس کے بعد ان کی کاہلی کا بھی سہا پہل تھا۔
 انہوں نے آج کسی ماں لیوا کا ذکر کیا تھا۔ لیکن پھر فوراً ہی انہوں نے اس بات کو بھلا دیا۔
 وہ آخر کس کی بات کر رہی تھیں.....؟ وہ کون ہو سکتا ہے.....؟ یہ نام تو میں نے پہلی بار سنا تھا۔
 میں اس اور میری بات میں کس سے بے باہر نظر آیا، سامنے اس میں شام کی صوب ہوتی ہوئی تھی۔ میری نظر رہیم بابا پر پڑی، جو پاپ کے در لیے ہڈوں اور درختوں

کو حور ہے تھے اور پانی دے رہے تھے۔
 میں نے خیال کے عالم میں ان کی طرف قدم بڑھانے لگا انہوں نے خود بھی دیکھ لیا تھا۔
 چنانچہ میں قریب پہنچا اور وہ بولیں۔
 ”وہ..... کبھی مل گیا.....؟“
 ”یہ کہہ کر انہوں نے ایک کھجک کی طرف اشارہ کیا۔“
 میں ان کے قریب ہی بیٹھ گیا۔
 ”کیوں کھیل رہا..... کیا بات ہے.....؟“
 انہوں نے مجھ سے غور سے دیکھا تھا۔
 ”جی..... کچھ نہیں.....“ میں جلدی سے بولا۔
 ”میں کوئی بات نہ سمجھ رہا تھا۔ میں باہر نکلتا۔“
 ”ہوں..... ابھی بات ہے.....“ انہوں نے سر ہلا دیا۔
 ”مغرب.....! میں ذرا اس کام سے فارغ ہوا ہوں، اب پھر کارڈ میں چل کر بیٹھیں گے۔! بات یہ ہے کہ اب میں صبح کے آنے کا وقت ہو رہا ہے، نہیں معلوم ہوگا کہ وہاں میں بیٹھ کر شام کی چاہنے پینے کی عادی ہیں۔“
 میں نے سر ہلا دیا۔ ”یہ بات تو واقعی ٹھیک تھی..... میں نے سمانی کا کوئی شام میں یہاں پہنچنے کو دیکھا تھا، اور غریبی پر کوشش ہوئی تھی کہ میرا اس سے سامنا نہ ہو، اس کی تو یہی سارا سارا دن کرے میں ہی گزار دیتی تھی۔“
 چنانچہ میں نے کہا۔
 ”چپ کوک کہہ رہے ہیں رحیم بابا.....! تم کو کوڑ میں ہی بکل کر بیٹھیں گے۔“
 ”ہاں ضرور..... بس میں ابھی اس کام سے فارغ ہوتا ہوں۔“
 مجرہ وہ جگت سے کام لیتے ہوئے دروازے پر میں فریاد حاصل کر چکے تھے۔ پاپ لینے کے بعد انہوں نے اسے اس کی جگہ پر رکھا اور پھر مجھے ساتھ لے کر اپنے کارڈ میں چلے آئے۔
 یہاں چنگ بچھا ہوا تھا، اور دو کرسیاں کچھ

موجود تھیں۔
 ”بھونچٹا.....! انہوں نے کہا۔“
 میں نے ایک کرسی استعمال کی۔ وہ میرے سامنے چنگ پر دروازے کو دھکے دے دیا۔
 ”ہیں.....! اب بتاؤ جی..... تمہیں کیا پریشانی ہے.....؟“
 ”کچھ نہیں بابا..... میں تو بس بے چینی۔“
 ”مجھ سے مت بچھاؤ.....“ انہوں نے میری بات کاٹ لی۔
 ”میں تمہارے والد کے برابر ہوں..... اور تمہیں چنانچہ کہوں کہ میں ان کا دوست کی رہ چکا ہوں۔“
 ”ہیں.....! آپ نے مجھے بتایا تھا.....“ میں نے سر ہلا دیا۔
 ”اور میں نے یہی سوچا تھا کہ کسی دن آپ سے اس زمانے کے واقعات سنوں گا۔“ میں نے چنانچہ چاہا ہوں کہ آپ دونوں کی دوستی کی طرح ہو گئی۔“
 ”میں کسی دن یہ سب کچھ بتاؤں گا.....“ وہ بولے۔
 ”کیونکہ ہر چیز کا ایک وقت ہوتا ہے لیکن انیال تو میں تمہاری پریشانی چنانچہ چاہتا ہوں.....! آخر وہ کون سی بات ہے جس نے تمہیں یہ سب کچھ بتا دیا ہے..... مجھے بتاؤ۔“
 ”میں آپ کو کیا بتاؤں..... مجھے خود کچھ نہیں نہیں آ رہا۔“ میرے لیے میں، بھونچٹا۔
 ”کوشش کرو.....! کہن کچھ نہ تھا۔“
 ”جو کچھ تمہارے ذہن میں ہے، اس کے لئے اتفاقاً کوئی تہیبہ دوکار کھڑا ہو۔“
 ان کا کچھ اور انداز ایسا تھا کہ میں سوچنے پر مجبور ہو گیا تھا۔ چنانچہ میں نے انہیں اپنا نام راز بتانے کا فیصلہ کر لیا اور ان کا کھول دیا۔
 میں نے اپنی کہانی دونوں بھنوں کے انتقال والے معاملے سے شروع کی اور ان کا اختتام بیان کیا۔
 ”تم کو کوئی دیر پہلے اس کی کہان سے ان کے نام پر ہوا۔“ جو کوئی دیر پہلے اس کی کہان سے

برآمد ہوا تھا۔
 رحیم بابا پھر سے کن رہے تھے، انہوں نے مجھے کہیں بھی لوٹنے کی کوشش نہیں کی، ابھی تک ان کا کہیں جیسے میں خاموشی اور دروازے پر کئی سے دستک دی۔
 رحیم بابا فوراً ہی اٹھ کھڑے ہوئے۔
 ”میں میرا کچھ شام کی چائے لے کر آیا ہوں گا۔“
 ”یہ کہہ کر وہ دروازے کی طرف بڑھے، جلد ہی ان کی داہنی ہونٹوں نے ان کے ہاتھ میں چائے کی لڑی تھی۔
 ”میں نے تمہاری چائے بھی لے لی۔“ یہ کہہ کر انہوں نے کب پر میری طرف بڑھا دیا۔
 چائے کی چٹکیاں لینے ہوئے رحیم بابا کچھ سوچ رہے تھے، پھر انہوں نے میری طرف دیکھ کر بھونچٹا۔
 ”تم کچھ بھول کر نہیں رہے؟ کوئی اور معاملہ بات..... یا کوئی اہم واقعہ.....“
 ”میں آپ کو سب کچھ بتا چکا ہوں.....“ میرا جواب تھا۔
 میں پھیل میں اور اس کے بعد جنگل والے خوشے پر ٹہر گیا تھا۔ یہ بات بھی میں نے بیان کر دی کیونکہ جب میں نے اس پر میرا ہوجہ لگا کر دیکھ کر لیا تھا تو ان کی آنکھوں میں عجیب سی چمک نمودار ہو گئی۔
 ”اس چمک سے تمہاری کیا مراد ہے؟“
 ”کیا بتاؤں..... میں لگ رہا تھا جیسے وہ اس جیسے سے واقف ہوں..... میں نے بتایا۔“
 ”اگر وہ ان کے لئے کوئی نئی بات ہوتی تو وہ حیرت کا اظہار کرتے..... لیکن اب کچھ نہیں ہوا۔“
 ”ہوں.....“ رحیم بابا نے طرے سے سانس لی۔
 ”میں اس سلسلے میں کچھ کرتا ہوں.....“ میں نے غور سے ان کی طرف دیکھا اور پھر بولا۔
 ”میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔“
 وہ میرے سے سکرانے لگے۔ پھر چند لمحوں کے وقت کے بعد بولے۔
 ”میرا اور تمہارے باپ کا ساتھ دینی نہیں تھا، ابھی اس لائن کا تھا۔“ طویل عرصہ میں نے بھی

تہا رہے لہائی کی طرح کام کرتے ہوئے گزارا ہے، لیکن پھر میں نے غلطی کی دنیا کو خبر دیا کہ یہ اچھا تھا۔
 ”ارے...“ میں چٹکا۔
 ”تو آپ بھی؟“
 ”ہی ہننا...“ انہوں نے سر ہلایا۔
 ”میں بھی اسی دور سے گزر چکا ہوں اور میں تہا رہے خاندان سے ابھی طرح واقف ہوں۔ کیا تم نے اپنے دادا مرحوم کو دیکھا تھا؟“
 ”جی... نہیں...“ میں نے کہا۔
 ”میری پیدائش کے سال میرے دادا کا انتقال ہو گیا تھا، یہ بات مجھے اس وقت بتائی گئی۔“
 ”اچھا...“ وہ ہلکا کر بولے۔
 ”میں تو ان سے کبھی مل چکا ہوں... وہ بہت مغبوط اور چڑھے ہوئے شخص تھے، انتہائی طاقتور اور لیڈر۔“
 ”پھر...“ میں نے پوچھا۔
 ”جیسے جیسے ہمیں پریشان کر رہا ہے۔ تہا رہے خاطر مجھے ایک بار پھر غلطی کی دنیا میں قدم رکھنا پڑے گا۔ سب سے پہلے مجھے یہ معلوم کرنا ہے کہ یہ سب چکر کیا ہے۔ جو مجھ کو وہ سب کیوں ہوا، اور وہ سب سے پہلے اپنے دادا کے تہا رہے دادا کو کسی ایسی طرح اپنی جان سے کچھ دھوئے پڑے تھے۔ انہیں بھی کسی نے قتل کر دیا تھا۔“

میں نے حیرت سے ان کی طرف دیکھا۔ ابھی آکر لہائی کے خاندان کی باتیں کرتی تھی، لیکن انہوں نے یہی عہد ماضی سے بات نہیں کی تھی کہ میرے دادا کو بھی قتل کیا گیا تھا۔ وہ مجھے لہائی دو تھی مجھ سے اس قسم کی باتیں کرتے ہی نہیں تھے اور زندگی انہوں نے اپنے آپ دادا کے بارے میں مجھے کوئی بات بتائی۔
 ”ریم باؤ کے درپے ایک ایسی بات معلوم ہوئی تھی... نہ جانے کیوں میرے وجود میں منشاہت سی روڑ لگی۔“
 وہ خاموش ہو کر کھڑے سوچ رہے تھے، پھر ایک طویل سانس لیے تو ریم باؤ نے کہا۔

”فہمک ہے... میں آج رات کو حساب کتاب گزارا چکوں ہوں... تم مجھے اپنی والدہ کا نام بتاؤ۔“
 ”مجھے ناختم...“
 ”ہوں... فہمک ہے... میں کب جیس میں اس بارے میں ضرور کچھ باتوں گا۔ اور تم گرت کرو۔“
 سب فہمک ہو جانے لے۔
 ”☆ ☆ ☆☆“

رات کے نہ جانے کسی پہر اچانک ہی میری آنکھ کھلی گئی، میری غائب عادت تھی کہ میں جب سوئے کے لئے لیٹا تھا تو پھر دوسرے دن صبح ہی بستر سے اٹھتا تھا، مجھے درمیان کا کبھی ہوش نہیں رہتا تھا۔
 لیکن آج کافی دیر سے سوئے کے باوجود میری نیند ٹوٹ چکی تھی۔
 ”میں نے ادھر ادھر دیکھا، میں نے اپنے چنگ رہے پھر فرسوسیں تھیں... ان کے بچے بچے خراسان کے گھر میں دیکھے ہوئے محسوس ہو رہے تھے۔“
 ہائٹ لہب کی روشنی میں گھر سے کاختر نینکوں دکھائی دے رہا تھا۔ مجھے ایسا لگ رہا تھا جیسے کسی نے مجھے تھموز کر چکا ہو۔ لیکن میں جی تو خسر لے رہی تھی کہ کوئی خواب نہیں آیا یا نہیں آ رہا تھا کہ میں کی بات پر آنکھ کھلی ہو۔

بہر حال میں نے سر کو جھٹکا اور دوبارہ سوئے کی کوشش کرنے لگا، لیکن نیند آنکھوں سے کھول روڑھی۔
 میں اٹھ کر بیٹھ گیا۔ کچھ کچھ مجھے ابھی آ رہا تھا کہ کیا کروں... جب یہ چٹائی کی کیفیت حد سے بڑھ توں تک آ کر کرے سے باہر نکل آیا۔
 ”ہمم... ہاؤ کے کواڑ میں روشنی دکھائی دے رہی تھی... ممکن تھا وہ کسی کمرے میں ہوں، میں نے ان کی طرف جانا حساب خیال نہیں کیا۔“
 دل کا عجیب سال عالم تھا۔ نہ جانے کیوں خواہش ابھر رہی تھی کہ میں پھر سے گھر کی چٹائی قندہ کر دوں۔

رات کے اس پہر یہ حرکت کسی طرح مجھ مناسب نہیں تھی، میں تو اس بات سے بھی واقف تھا کہ

عمرانی صاحبہ بچوں وہاں سے بھی ہمیں دلوں کا گھر کے کسی اور حصے میں آ کر گھر لائیں کرتی تھیں۔
 ان سب باتوں کے باوجود میرے قدم آگے بڑھے، لان کے سامنے سے گزرتے ہوئے درختوں کی سائیں سامنے میرے کانوں سے ٹکرائی تو میری نگاہ وہاں جانب اٹھ گئی۔
 رات اور دن کا بھی کیا تضاد ہے۔ یہ وہی لان تھا، جس میں دن کے وقت میٹنڈل کی غماشتیں کا باعث ہوتا ہے، لیکن صبح کے اس پہر یہی لان کی دیران کھنڈ کا ساں چٹائی کر رہا تھا۔
 میں چلوں اور درختوں کے قریب سے گزرتا چلا گیا۔ سامنے برآمدہ تھا جس کے دائیں جانب ڈرائنگ روم تھا اور بائیں کی کے انتہا پر قاسم ماسوں کا کمر تھا۔
 ان کے کمرے کے ساتھ ہی ایک کمرہ دارماری تھی جو کچھ کمرہ دارماری کمرے کو لڑائی کی طرف آتی تھی۔
 میں نے سر چا کر اس جانب سے گزرتا رہا کہ چلا جاؤں گا چنانچہ میں نے سوتے قدم رکھا ہوا آگے بڑھتا رہا۔

ایک قاسم ماسوں کی داہنی ٹہنی ہوئی تھی میں تو اس بات سے بھی واقف نہیں تھا کہ وہ کس ٹہنی کے ہیں بہر حال ان کا دورہ کافی طویل تھا یہ مجھے بائیں ٹہنی بتائی تھی۔
 میں قاسم ماسوں کے متعلق سوچتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا، لیکن جیسے ہی میں ان کے کمرے کے قریب سے گزرا مجھے باتیں کرنے کی آواز سنائی دی سی چٹک اٹھا۔
 قاسم ماسوں کو کمرش موجود ہی نہیں تھے، پھر بائیں سائیہ کی سی باتیں کرتی تھیں۔ میں نے ان کی آواز سے پہچانی تھی۔ میرے کان کو کمرے سے گھونکے۔
 کمرے کے دروازے کے ساتھ ہی کھڑکی تھی، جس پر وہ جھول رہا تھا۔ کھڑکی کا ایک پتہ ہلکا سا کھلا ہوا تھا، اور کمرے سے اٹھنے والی آواز سنائی دی وہ بہت سے کمرے سے گھر رہی تھیں۔

پھر ایک اور خیال میرے ذہن میں ابھرا، یہ بھی کہہ دے۔ ”مرد ہننا۔“

لیکن پھر ایک مردانہ قہقہے نے میرے اس خیال کو رد کر دیا یا شاید یہ کوئی مریض تھا، جہاں وقت کرے میں موجود تھا اور مرنائی اسی سے باتوں میں مشغول تھیں۔
 میں آگے بڑھا اور پھر کچھ سوچے کچھے بغیر ہی میں نے کھڑکی کی دروازے پر اپنے کان لگا دیئے۔
 ایک وقت مردانہ آواز ابھر گئی۔
 ”وہ کھنڈا رنگ...“ میں اب اس طرح چھپ چھپ کر لپٹے سے نکل آ گیا ہوں۔ مجھ سے اب برداشت نہیں کر رہا تھا۔

”میں جانتی ہوں...“ یہ مانی کی آواز تھی۔
 میرے وجود میں منشاہت سی روڑ لگی۔ میں بھی اب جہاں کی حد میں قدم رکھ چکا تھا۔ اور کان دھک شور مچا رہا تھا۔ چنانچہ اس صورت حال کو دیکھنے کے لئے میں نے اور بھی دھماکا لیا۔
 ”تم کیا جانتی ہو، یہ مجھے ٹھیک معلوم...“ مرو کی آواز سنائی دی۔

”لیکن میں یہ ضرور جانتا ہوں کہ تم مجھے کوئی ترسائی روڑی اور زندگی نہیں خدا کا ہدف نہ کی۔“
 ”تو کیا میں سامنے عرصے سے تہا رہے ساتھ قائم پاس کر رہی ہوں؟“ مانی کا پتہ پڑ گیا۔
 ”قاسم کی فیر موجودی میں جیسے یہاں جلاتی ہوں تو میری لذت و آذائیں کی ہوتی ہے کہ اس بات کے لئے یہ شہوت کہہ کر میں تم سے محبت کرتی ہوں؟“
 ”تو پھر کس بات کا انتظار...“ مرو نے کہا۔
 ”تم صرف اٹھا کر کرو۔“ اسی نے تہا رہے سہہ بولے شہر کی لاش لٹکی۔
 ”مہ...“ مانی کو بلاوا۔
 ”مہ...“ مانی کو بلاوا۔
 ”مہ...“ مانی کو بلاوا۔
 ”مہ...“ مانی کو بلاوا۔

”تم نے اب تک اس کے سوتے پتے پیدا کر دیئے؟“ مرو ہننا۔

”میں تو اسے سزا دلواؤں ہی کہوں گا۔“

”اس میں میرا کیا قصور ہے۔؟“ مرنائی نے

کہا۔

”لیکن اس پر عمل ہو جائے ہی مجھ بات

جے گی۔“

”غرض ہو گا جان من۔۔۔۔۔“ مرو کی آواز میں

جواب دیا۔

”تو کئی خود اس میں ہے۔۔۔۔۔ اس نے بہت

علاقہ کر دیا لیکن کوئی نام نہ نہیں ہوا۔۔۔۔۔ ویسے ایک بات

مرد ہے میں یہ ضرور کہوں گی کہ اس نے اولاد کے علاوہ

بھی کچھ گناہ کا موقع نہیں دیا۔ وہ میرا ہر طرح سے

خیال رکھتا ہے اور مجھے ہر قسم کی آزادی دے رہی ہے۔“

”میں جانتا ہوں۔۔۔۔۔“ مرو نے کہا۔

”مجھے کبھی موقع دو۔۔۔۔۔ میں تمہاری دو خواہش

پوری کروں گا اگر کام نہیں کر سکا۔۔۔۔۔ پانی تو میں بھی

تمہارا ہر طرح سے خیال رکھنے کو تیار ہوں۔“

”بہت ہے شرم۔۔۔۔۔“ مرنائی کی آواز آئی۔

”اچھی ہے مرنائی تم کو۔۔۔۔۔ بس تھوڑا سا انتظار

اور کرو۔۔۔۔۔ کیونکہ گرم گرم کھانے سے منہ مل جائے گا۔“

”اچھا۔۔۔۔۔ میں ممبر کر لیتا ہوں۔۔۔۔۔ لیکن آج یہ

بتا دو کہ میں تمہارا کب دلوں گا؟“

”تم کیا کرو گے؟“

”مجھے کچھ پتہ نہیں۔۔۔۔۔“

”لیکن۔۔۔۔۔ پہلے بتاؤ۔“

”میں اسے حادثاتی موت کا شکار بناؤں گا۔“

مرو نے کہا۔

”وہ کارہائیں خیر خیر مرنائی سے چلتا ہے۔۔۔۔۔

اگر کارہائے بریک لٹل ہو جائیں تو اسے سنبھالنا کام کے

لئے ناممکن ہو جائے گا لیکن وہ چشمہ شید ہو گا اور تمہیں اس

سے چھکارا مل جائے گا اس حادثاتی موت میں زندگی

کا نام آئے گا اور تم ہی کوئی شک ہو گا۔“

”یہ سن کر میرے دماغ نے کھڑے ہو گئے۔۔۔۔۔ میں

مرو کو نہیں جانتا تھا لیکن مرنائی کے بارے میں قصور بھی نہیں

کر سکتا تھا کہ ان کا یہ رعب اتنا بڑا ہو گا کہ موت کا کام

ساموں سے اس حد تک بخاش رخشاں کی شوہر ہوئے ہوئے

بھی وہ ایک غیر معمولی طاقت میں مضمحل ہوئے۔۔۔۔۔

”نیت یا تو اچھا ہے۔۔۔۔۔ مرنائی نہیں؟“

”اب میں تمہیں کل آ کر بتاؤں گا کہ کیا

کرنا ہو گا۔۔۔۔۔ رات بہت ہو چکی ہے اب میں چار پاروں

اور ستونوں کی رات میں دروازہ کھول دیا۔۔۔۔۔ اوکے۔“

میں نے وہاں سے اپنے من کا پیڑی لٹکائی

تھی۔ میں ایک ٹائیکسٹون کی آڑ میں چلا گیا تھا۔۔۔۔۔

میں نے دم سادہ دلی والی کپڑی پہن لی تھی۔۔۔۔۔

پوری تھی۔۔۔۔۔

میں کو بعد دروازہ کھلا اور ایک دروازے قہر کا

آدھی پار لٹکایا، میں ایسے زور سے آؤ تھا کہ وہ

بھیجے ہوئے نہیں سکتا تھا۔۔۔۔۔ بلکہ میں اسے بخوبی دیکھ رہا تھا

۔۔۔۔۔ رات میں میں نام نہ کی چھائی ہوئی کمرے کا دروازہ

بند ہوا تو غصہ بھی سامنے کی مانند کھلنے لگا۔

وہ کتا کتا انداز میں آگے بڑھا جب اس نے

کاٹا کاٹا صلیب لٹکائی تو میں نے ایک بار پھر دروازہ کھلنے کی

آواز سن۔۔۔۔۔ اس بار مرنائی کی کھل کھائی دی۔

ان کا رخ بھی صدر دروازے کی طرف تھا، میرا

اس طرف آنا بھی مناسب نہیں تھا چنانچہ میں اسی جگہ

دیکھ رہا۔

تھوڑی دیر بعد مرنائی کی داہنی ہونٹ اور منہ

نے کمرے سے داخل ہو کر دروازہ بند کر لیا۔

وہ قہقہہ اپنے منہ سے نکالتا تھا۔۔۔۔۔ ”گورخصت کر کے دایرہ

بٹائی نہیں، کیونکہ صدر دروازے کو لگا بھی تو نہ تھا۔“

میں نے ایک طویل سانس لی اور ستون کی آ

میں لٹک کر آیا۔

میرے ذہن میں آج بھی وہی چل رہی تھی،

موت اس حد تک چمکی تھی، میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔

قاسم ساموں کی قدر اچھے انسان تھے۔۔۔۔۔

خاص طور پر غیبت، بدنامی اور مردوں کا خیال رکھنے والے۔

تھے۔۔۔۔۔ موت ان کے لئے برا سوچ رہی تھی؟

مرنائی کے ساتھ اس وقت چوکنی بھی تھا، میں

اسے نہیں جانتا تھا لیکن میں نے اتنا اندازہ ضرور لگا لیا تھا

کہ اس کے تعلقات مرنائی صاحبہ سے کافی پرانے تھے۔ یہ

پھر نہ جانے کب سے بدل رہا تھا۔

میرا ذہن تیزی سے کام کر رہا تھا۔۔۔۔۔ قاسم

ساموں کو یہ سب کچھ بتانا بہت ضروری تھا۔۔۔۔۔ کیونکہ سب

سے زیادہ ہولناک بات یہ تھی کہ بند کرے میں ان کی

موت کے منصوبے بنائے جا رہے تھے۔

یہ سب کچھ کتنا عجیب تھا۔۔۔۔۔ میں واقفیت سے اس

طرف نکل آیا تھا۔۔۔۔۔ ڈر میں نہ اتنا شایعہ پھیلا تھا کہ

میں نے اسے بتا دیا تھا۔۔۔۔۔ قاسم ساموں کے ساتھ کیا ہوتا

تھا قاسم ساموں اور مرنائی صاحبہ کے درمیان میں کیا

چل رہا تھا اس کا مجھے قطعی یقین نہیں تھا، البتہ ایک انہماک

آویز سے مرنائی صاحبہ کا کھڑکھڑانہ دیکھ چکا تھا۔

میں نے سب کچھ سوچا اور اپنے کمرے کی طرف

آ کر رہا تھا کہ ان کے قریب سے گزرتے ہوئے مجھے

ایک عجیب سا احساس ہوا۔

میں نے لان پر ایک سرسری نظر ڈالی۔۔۔۔۔ مجھے

یوں لگا تھا جیسے لان میں کوئی موجود ہے۔۔۔۔۔ رات کے

اس نالے میں اس لان میں کون ہو سکتا ہے یہ ضرور میرا

دماغ تھا۔۔۔۔۔ چنانچہ میں نے اپنے سر کو کھینچا اور تیزی سے

قدم بڑھا تا ہوا آگے بڑھا گیا۔

رجیم بابا کے کمرے میں اب بھی روشنی ہو رہی

تھی۔۔۔۔۔ کیوں ناں سے ملتا تھا کہ کی جائے؟۔۔۔۔۔؟ میں نے

سوچا۔

کمرے میں ہونے والی روشنی سے ظاہر ہوا تھا

کہ وہ جاگ رہے ہیں۔۔۔۔۔ لیکن یہ بھی تو ممکن تھا کہ وہ

معمولی کی طرح آج لائٹ آف کے بغیر ہی سو گئے

ہوں۔

چنانچہ میں ان کے دروازے پر دستک دینے کی

خواہش کو کر کے ہونے اپنے کمرے میں داخل ہو گیا۔

میں نے اپنے خیر سوچیں میں۔۔۔۔۔

بستر پر لیٹ گیا۔۔۔۔۔ میں خیالات میرے ذہن میں گردش

کر رہے تھے۔

اور پھر نہ جانے کب ان خیالوں کی دنیا سے نکل

کر میں نیند کی آغوش میں گم ہو گیا۔

☆.....☆.....☆

دوسرے دن دوپہر کے وقت میں نے رجیم بابا

کو گھبرا دیا وہ اتنے فاصلے میں ہی موجود تھے۔۔۔۔۔

اور ایک بڑی کٹی چٹنی کی دوسے فاضل گھاس کھاٹ

کر ہوا کر رہے تھے۔

انہوں نے میری طرف دیکھا اور سر ہلا

کر لیا۔

”تم بہت اچھے موقع پر آئے ہو جانا۔۔۔۔۔ اس

وقت کا بھی بہتر موقع ہے بات ہو سکتی ہے۔۔۔۔۔ یوں

سمجھوں کہ ابھی ابھی میں نے نہیں یاد ہی کیا تھا۔“

”اوہ۔۔۔۔۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کا نے

مرد کو مجھ کو معلوم کرایا ہے۔“

”ہاں۔۔۔۔۔“ انہوں نے سر ہلایا۔

”لیکن میں زیادہ بات جان سکا۔۔۔۔۔ اور اس کی

وجہ یہ ہے کہ میں کافی عرصے پہلے اس لائن کو بخیر یاد کر

چکا ہوں۔“

”تو پھر کیا معلوم کیا ہے آپ نے؟“ میں نے

پوچھا۔

”میں ضرور بتاؤں گا۔۔۔۔۔ لیکن پہلے تم ایک وعدہ

کرو۔۔۔۔۔“ انہوں نے کہا۔

”وعدہ؟۔۔۔۔۔ کیا وعدہ؟“ میں نے حیرت سے

پوچھا۔

”اس بات کا وعدہ کہ تم میری بات کو کون کر

پریشان نہیں ہو گے اور نہ ہی کسی قسم کا زراعت ختم ہوا

قریب آگے۔۔۔۔۔ پہلے تم مجھ سے وعدہ کرو۔“

”تو کیا آپ کی طرف بات کرنے والے

ہیں؟“ میں نے پریشان سا ہو گیا۔

”ارے۔۔۔۔۔ تم تو مجھ سے ڈر گئے۔“ وہ

میرے لئے ہنس مچا کر لگا۔

”اگر میں نے بتا دیا تو تمہارا کیا حال

ہوگا۔؟“

”کیونکہ ہوگا بابا!۔۔۔ میں نے خود کو سنایا۔۔۔“

”آپ مجھے بتائیں۔۔۔“

”اچھا۔۔۔“ انہوں نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔

”کھلیں تیرے قہقہے کے بعد لو۔۔۔“

”کھلیں بیٹا۔۔۔ بات دراصل یہ ہے کہ خوشی سے جب تم یہاں آئے ہو تو کوئی اور بھی تمہارے ساتھ یہاں آ گیا ہے۔“

”کون۔۔۔ کیا آپ ماں جی کی بات کر رہے ہیں۔۔۔؟“

”نہیں۔۔۔ ان کا لہجہ اور کالی کالی ہاسر دھتا۔۔۔“

”دو کون ہے۔۔۔ اس بارے میں مجھے بھی معلوم نہیں ہو سکا۔۔۔ لیکن یہ صاحب کتب کا بیٹا ہے کہ ہر بار ہے کہ یہ وہی ہے جس نے تمہارے خاندان کے لوگوں کو ہلاک کیا ہے۔۔۔ وہی۔۔۔ جس نے آقا کی کشتیوں

اجاڑ دیں۔۔۔ اور۔۔۔ وہی جس نے آغا کو تمہارے باپ کی جان لے لی۔۔۔ وہ وہاں پر بھی تمہارے ساتھ آ چکا ہے۔“

”میں مٹائے میں آ گیا۔۔۔ نہ جانے کتنی دیر گزری کہ میں کچھ بچا ہوتا اور ہم بابا کی طرف دیکھ رہا تھا۔۔۔“

”یہ۔۔۔ یا آپ کیا کہہ رہے ہیں بابا۔۔۔؟“

”میں بالکل ٹھیک کہہ رہا ہوں میرے بچے۔۔۔“

”وہ۔۔۔“

”کیونکہ میرا حساب بھی کبھی ٹھوس ہوا، یہ الگ بات ہے کہ میں اسی چکر میں رات بھر جاں نثار رہا۔۔۔ کیونکہ میرے دروازے ان چڑوں سے دور ہونے کی بنا پر مجھے کافی مشکل کا سامنا کرنا پڑا تھا۔۔۔ لیکن پھر جو کچھ سامنے آیا

اس میں مجھے بھی معلوم ہوا کہ وہ اوپر لی گئی تھیں ساتھ ساتھ چل کر یہاں آئی ہے۔“

”دو کون ہے۔۔۔؟ اور کہاں ہے۔۔۔؟“

”یہ بات تو مجھے نہیں معلوم۔۔۔“ انہوں نے زلی

میں سر ہلایا۔

”کیونکہ اس سلسلے میں میراظم اندرجے میں رہا۔۔۔ تمہاری والدہ نے اس دن جو کچھ کہا تھا وہ اسی شے کے ذریعہ راز ہو کر کہا تھا۔“

”اور۔۔۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اب ہم درویشی کی بات رہے۔۔۔؟“

”میں آج سہ پہر سے بولا۔۔۔ اور پھر خوف زدہ انداز میں سریم بابا کی طرف دیکھنے لگا۔۔۔“

”تھیں میرے پیچھے۔۔۔؟“ وہ زور دلا۔۔۔

”تھیں پریشان ہونے کی قطعی ضرورت نہیں ہے، میں سوچ رہا ہوں۔۔۔ میں تمہارے ساتھ ہوں۔۔۔ تم مجھے اپنے والدین کی جگہ پر سمجھو۔۔۔ میرا قرب اس دنیا میں

کوئی بھی نہیں ہے، میں تمہاری خاطر کچھ ایسا ضرور کر سکتا ہوں۔۔۔ کہ تم محفوظ رہ سکو۔۔۔ تمہیں کوئی گزند پہنچے۔۔۔ سنا ہے کہ میں تمہیں اتنے عزیز ہو چکے ہو کہ ایسا لگتا ہے کہ جیسے تم میرے ہی بچے کے کڑے ہو۔۔۔ میرے ہوتے ہوئے تمہیں خوف زدہ ہونا پریشان

ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔“

”لیکن درجہ بابا۔۔۔“ میں نے کہا بابا۔۔۔

”اگر آپ بھی اسی میدان میں کود پڑے تو کہیں وہ آپ کو بھی کوئی نقصان نہ پہنچا دے۔۔۔ مجھے یہ خدشہ ہے۔۔۔“

”یہ۔۔۔ یہ کہہ کر گئے اور بولے۔۔۔“

”تم اس کی فکرت کرو۔۔۔ میرا طریقہ کار ایسا ہے کہ میں ذرا مختلف انداز میں کام کرتا ہوں۔۔۔ تم ان باتوں کو بھول دو۔۔۔ اور بالکل فکرت کرو۔۔۔ میں تمہارے لیے کچھ کرنا ہوں۔“

”یہ کہہ کر خاموش ہو گئے، میں اسی وقت میرے منہ سے نکلی گیا۔۔۔“

”رات کو مجھے ایک بار دیکھا، جیسے اس باغیچے میں کوئی موجود ہے۔۔۔ میں رات کا دیکھ رہا تھا۔۔۔“

”رات میں۔۔۔؟“ وہ چونکے۔۔۔

”جتنی بھی رات میں یہاں کیوں آئے تھے۔۔۔“

”جی۔۔۔ میں گھر آ گیا۔۔۔“

”بس یو جی۔۔۔“ نیندیں آ رہی تھیں تو میں نے سوچا کہ باہر گزرا نہیں کلاں۔۔۔“

”ہوں۔۔۔“ انہوں نے صرف سر ہلاتے ہی ہی

اکٹایا۔

میں سوچ رہا تھا کہ انہیں رات کے واقعہ کے بارے میں بتا دوں۔۔۔ لیکن پھر کام ہاں کی عزت کی خاطر میں نے اپنی زبان چاہو کر رکھا۔۔۔ کیونکہ مجھے بس یہی

پہلے انہیں اس بارے میں اطلاع دینا تھا۔۔۔ میں کوئی فیصلہ کرنے سے قاصر تھا کہ رسم بابا کو اتنا مناسب ہوگا

کہیں۔۔۔ چنانچہ میں نے اس بات پر پردہ ڈالنا ہی بہتر خیال کیا تھا۔

میں وہاں سے اٹھنے کا تو فیصلہ ہی نہیں کیا۔۔۔ میں ایک بار پھر نہیں آ سکا۔۔۔ میں اس کی قطعی پریشان مت ہوا۔۔۔ اگر آئی رات میں اس کی کوئی

مسئلہ ہو تو میں حاضر ہوں تو فوراً ہی میرے پاس چلے آتا۔۔۔ پھر میں دیکھوں گا۔۔۔“

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

آج کی رات میرے لئے بہت اہمیت کا حامل تھی کیونکہ آج اس شخص نے آ کر کھائی صلیب کو کام

ہاں کے خلاف منصوبہ ہے کہ آکا کہنا تھا۔۔۔ مجھے پورا یقین تھا کہ وہ آج بھی ضرور آئے گا۔۔۔ کیونکہ آج ہی

رخصت ہوتے وقت ہمائی صلیب کو دیات کی شہ کی کہ وہ رات میں ضرور واپس آکر کھول دیں۔۔۔“

اور پھر میں ہی رات میں ہوتا ہی ہوں تھا۔۔۔

اگرچہ بابا اپنے کمرے میں بند ہو جاتے تھے، جبکہ خاصا میں ضرور اس کی بیوی شیوہی سرور کو ضرور اپنے

مجھے میں ہی موجود ہوتے۔۔۔ میں یہی جرات نہیں کرتی تھی کہ وہ رات کے وقت کھلا کھلا ہوا اصرار ہو

سکتی۔۔۔ لیکن کی انہیں بند ہوجانے کے بعد ہی اپنے اپنے کمرے میں

چوکیدار کی ضرورت میں نہیں کی تھی۔۔۔ اور نہ ہی مجھے انہیں نے اس قسم کا کوئی بندہ رکھا تھا۔۔۔ گھر میں

نہیں دیکھ کر میں سوچ رہی تھی کہ میں مجھے جاننا تھا

تاکہ وقت مقررہ پہنچ کر ساری معلومات حاصل

کر سکوں۔۔۔ مجھے ان باتوں کا بالکل تجربہ نہیں تھا، لیکن اپنے عزیز باپوں کی خاطر میں یہ سب کچھ کر رہا تھا۔

آج فینڈ میں بہت تنگ کر رہی تھی، میں جانتا تھا کہ اگر میں بہتر پریکٹس کر تو پھر میرا انداز مشکل ہو جائے

گا اور میں کچھ بھی نہ جان سکوں گا، چنانچہ میں اٹھا اور کھڑکی کے پاس آکر کھڑا ہوا۔

باہر کا منظر بہت کشش نگہ رہا تھا، ماسٹرن لان تھا، چاند کی روشنی میں نما کر پڑے اور درخت عجیب سا ساں

باندھ رہے تھے، اور پھر تنگ سی ہوا میرے چہرے پر ڈال رہی تھی۔۔۔

مجھے بس مجھے کچھ نہیں سمجھ سکتا تھا۔۔۔

کسان کی یہ بات دوست کی کہ جو جی نے کوئی شے دیکھ کر ساتھ میں آگئی ہے؟ اگر واقعی ایسے لوگوں کا اس

مستعد کیا ہے؟

ایک کمرے کے سامنے ماں جی نے پھر سے ہلاک کیا تھا۔۔۔ اب اس بات کا یقین ہوتا جا رہا تھا کہ اس

وقت میں جی کی دیرینے کی اور نے کیا کیا تھا۔۔۔ کیونکہ تو اس جی کی انگلیوں کے نشانات اس خبر پر موجود تھے

اور نہ ہی انہیں یہ واقعہ کہا جاتا تھا کہ وہ خود ہی وہ خود ہے چاندی کے پار سے کوئی نہیں گزر سکتا تھا

اس قدر دور دست یا ٹینک نہیں کر سکتا۔۔۔ یہ حقیقت تھی کہ وہ اب بھی کے کلاں کے خلاف مجھے لیکن اس کا یہ مطلب

ہرگز نہیں تھا کہ وہ انہیں اس کام سے باز رکھے کے لئے اتنا برا آدمی تھا جس کی آخر کار اتنا آسان تو نہیں ہوتا۔۔۔

اور وہی کی اس طرح کی بڑی مہارت سے ایک ہی انداز میں متعلق کو زیر کر رہا تھا۔۔۔ یہ سب کچھ میں جی کے کس کا

روگ تو نہیں تھا۔

لیکن وہ جو کوئی بھی تھا وہ اگر وہی لگانا چاہتا تھا، تو اس کے پاس ہر سبب تھا کہ وہ مجھے کسی ہی وقت نا

کو ہٹا لیں میں بڑے سلامت تھا، اس نے مجھے کوئی گونج نہیں پہنچائی تھی۔۔۔ اگر میرے پاں ابھی لگائے کہ وہ

ہمارے خاندان کا سربراہ بنے تو کس سے تو پھر مجھے خدو چھوڑ دینے کا آخر کیا مقصد تھا؟ میں ہی تو اسی مشن کا

خون تھا۔

اور پھر بھول رہیں ہمارے ساتھ ہی یہاں آ چکا ہے۔ یہ بات بھی کسی حد تک درست لگ رہی تھی، کیونکہ اس دن جی میں نے خود ہی سے عالم میں کسی جان لیوا کار کیا تھا۔ لیکن اگر وہ یہاں آ چکا تھا تو اس کا کیا مقصد تھا؟ میں اس معاملے میں جس قدر سوچ رہا تھا اتنا ہی الجھا جا رہا تھا۔ یہ سب کچھ کیا تھا۔ کیوں ہو رہا تھا۔ آخر مقصد کیا تھا۔ میں مجھ کو مجھ سے قاصر تھا۔

ان ہی خیالات میں الجھ کر وقت گزرتا چلا گیا۔ اچانک ہی ایک ٹنگی جی چڑھاوت کی آواز میرے کانوں سے گرائی۔

میرے جسم میں سنسنی سی دوڑ گئی۔ رات کے ستارے میں کوئی والی آواز بقیہ صردور دوازے کے کھٹکنے آ رہی تھی۔ شاید وہ آ گیا تھا۔

☆☆☆☆

اب ہمارے لئے جو راستہ اختیار کیا تھا وہ دوسری طرف سے حکم کرنا ماموں کے کمرے کی طرف پہنچتا تھا۔

میرے اندازے کے مطابق وہ آئی اس وقت ممانی صاحبہ کے کمرے میں موجود تھا۔ کیونکہ میں دروازے کی چڑھاوت سننے ہی کمرے سے باہر نکلتا تھا اور پھر دروازے کی آڑ سے میرے ایک سامنے کھڑا ہوتے دیکھا تھا۔ اس کی طرف جاتے ہوئے دیکھا تھا۔ یہ ممانی صاحبہ کا ہی "ہور" تھا۔

میں کافی دیر تک تنوں کی آڑ میں کھڑا رہا، مجھے اب یقین ہو چلا تھا کہ وہ دروازے میں آتی ہیں۔ صوف ہو چکے ہوں گے چنانچہ میں ایک بار پھر اس کی طرف قریب پہنچ گیا جس کی دروازے کی جھلکی مل گئی۔

کون کا پردہ آہستہ آہستہ مل رہا تھا۔ میں نے سر کوٹھ کر کے اپنی ساعت کی تمام تین اندر سے

انچنے والی آوازوں پر صرف کر دی۔

ان دونوں کے درمیان جھٹکا دو شروع ہو چکا تھا۔ میں نے سنا وہ آئی بول رہا تھا۔

"کل جی چار بیٹن چار بیٹن ہو۔۔۔"

"نہیں۔۔۔" ممانی صاحبہ کی آواز اب مری "کیوں؟" "وہی نے حیرت سے پوچھا۔

"نہیں۔۔۔ میری مرضی۔۔۔"

"تو کن تو اس لئے بڑی ہے بیٹن ہو رہی تھیں۔۔۔ کل بھی تے تے کر کے کیا تھا کہ اپنی اس کزن کو بہت لائق کرتی ہو اور وہ تمہارے بغیر پائی کرے گی نہیں تو پھر مجھ کی کیا ہو۔۔۔"

"ممانی کی آواز میں شوشی سی جھٹک رہی تھی۔

"میرا ہور درست کرنا۔"

"اوہ۔۔۔ تو ان صاحب کا نام دے۔۔۔ میں نے دل میں سوچا۔ اور دروازہ ان کی باتوں پر کان لگا دیے۔

"اوہ۔۔۔" "وہ دے کر لے گیا تھا۔

"یہ بات ہے۔۔۔ پلو پلو۔۔۔" موقع لگا تو ہم بھی اپنا موڈ بدل لیں گے اس وقت شکایت مت کرنا۔

"میں تمہارا گھر دہاؤں کی۔۔۔" ممانی صاحبہ کے لیے میں صبر نہ کر سکا۔

فصیحہ وقت دیتی تھی مجھے بھی آ رہا تھا، کیونکہ یہ لوگ فضول ہی باتوں میں لگے ہوئے تھے، جن سے مجھے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ اب یہ دونوں نہ جانے کب اصل موضوع کی طرف آتے۔ میرا یہاں اس طرح کھڑے رہنا بھی تو مناسب نہیں تھا۔

لیکن میں پھر تھا، یہ کام مجھے کرنا تھا، ورنہ ان شیطان مفت لوگوں کی چالوں کے بارے میں کیسے معلوم ہوتا؟

"شاز نے مجھے بھی بلایا ہے۔۔۔" "وہ دے کر لے گیا۔"

ممانی صاحبہ بول رہی تھی۔

"ہوں۔۔۔ تم ضرور جاؤ۔۔۔" کب نے رونا

ہے۔۔۔"

"لیکن جب تم نہیں ہو گی تو پائی کیا خاک ہو گی۔۔۔"

"اے۔۔۔" اچانک ہی دھار بولنے لگے ملک گیا۔

"میری بات سنو۔۔۔" "وہ دے کر لے گیا تھا اور پھر اس کے بعد جو کچھ اس نے بولا ہوگا وہ اتنا بدتم تھا کہ میں تن نہ سکا۔

نہ جانے کیوں میں سے جین ہو گیا، آخر وہ کیا بات تھی، جو قاتل نے اپنی قدر بتائی کے عالم میں بھی ممانی صاحبہ کے کان میں بولی تھی۔

"یہ تم کی کبھی ہو۔۔۔" اس کی بات سن کر ممانی صاحبہ حیرت میں ڈوبی ہوئی آواز سنائی دی۔

"مجھے کیا محسوس ہوا ہے۔۔۔" "تاکلی آواز آئی۔

"تمہارا دماغ خراب ہے۔۔۔" "ممانی نے جواب دیا تھا۔

"کیا کچھ ہو نہیں سکتا۔۔۔ کسی میں اتنی جرأت نہیں ہے۔۔۔" "نہیں۔۔۔ میں دیکھتی ہوں۔"

میں ابھی تک ان دونوں کی باتیں سمجھ نہیں سکا تھا۔ "وہ دے کر لے گیا تھا۔۔۔" اگر میں اس وقت بھی سمجھ گیا ہوتا تو یہ سب نہ ہوتا۔

میرے کان اور میری آنکھوں میں اسی طرف داک تھا، چنانچہ مجھے اسی وقت شوش آج اب قاسم ماموں کے کمرے کا دروازہ کھٹکنے سے کھلا تھا۔

میری کئی کم ہوئی، ممانی صاحبہ دروازے سے باہر آ چکی تھیں اور اس حیرت کی خون خوار آہیں جیسے میرے جسم میں گڑی جا رہی تھیں۔

"تم۔۔۔ تم یہاں کیا کر رہے ہو۔۔۔" "وہ کسی ذہن لی گئی تھی کہ اس طرح بھلا کر میں۔

میں نے جو کچھ سوچا تھا، چاہا تھا اور جو ارادہ کیا تھا کیا میں اس کا وہاں مجھے مل رہا تھا۔

پتہ ہو گیا تھا کہ وہاں مجھے مل رہا تھا۔

چور جب سینہ جھٹک کر بات کرے، تو میرا

وقت کیا ہوتا ہے۔۔۔ اس صورت کو میں نے رنگے جھون پکڑا تھا، لیکن اس کے چہرے پر نہ خوف تھا اور نہ ہی کسی قسم کی پریشانی، بلکہ اس پر کڑواں کڑواں ہنس رہا تھا۔

میں نے جی بڑا کر کہا اور بولا۔

"میں تو یہاں سے گزر رہا تھا ممانی مجھے آپ کے کمرے سے باہر کرنے کی آواز سنائی دی تو میں یہاں رک گیا۔"

"میرے کمرے سے باہر کرنے کی آواز سن کر میں نے حیرت سے دہرایا۔ پھر وہ چرک کر بولیں۔

"تمہیں جہیں بند میں جلی کی عمارت تو نہیں ہے۔"

"میں تو آج وہاں نہیں آئی ہوں ممانی۔" "میں نے جاب بولا تھا۔

"کیونکہ آج مجھے نیند آئی نہیں رہی تھی۔"

"ہوں۔۔۔" "اوتھم دوسروں کی نیند اڑانے کے لئے لگے ہو۔" "ابھی نے کئی خبریں مجھے میں کہا۔

"اور سب سے پہلی بات یہ ہے کہ تم اس طرف آئے کیوں تھے؟ تمہارے ماموں نے تمہیں ایک کمرہ اور کھانا بتایا ہے، کھانا دے گا۔۔۔" "تو آؤ۔"

"تو آؤ۔" "میں نے سر ہلایا۔

"لیکن آپ مجھے یہ بتائیے کہ کمرے میں کون ہے، اور آپ کس سے باہر کر رہی تھیں؟"

"انہی زبانوں کو کھینچاؤ گے۔۔۔" "وہ پھر کہیں۔"

"تم جانتے ہو کہ تمہارے ماموں کمرے میں موجود نہیں ہیں۔ اور کون ہوگا، جس سے میں باہر کر رہی تھی۔"

"ہاں البتہ میں خون میں ضرور سن سے باہر کر رہی تھی۔"

"لیکن میں خون پر ہونے والی جھٹکوں میں دوسری طرف کی بات کیسے کر سکتا ہوں؟" "میرا سوال مستعمل تھا۔

ممانی کے چہرے پر ہلکا سا قہقہہ ظاہر ہوا، لیکن پھر وہ رانی جھٹک کر بولیں۔

"کیا مطلب ہے تمہارا؟"

"میں نے مرو کی آواز سنی تھی ہے۔" "میں بولا۔

”اگر وہ ماسوں ہی تھے تو میں فون کے ذریعے ان کی آواز کیسے سن سکتا ہوں۔“
 ”یاقوت ہمارے کان بجیے جیسا بھرتھ کوئی ڈھونڈ چاہنے کے پتھر میں ہو۔ آؤ، تم آؤ میرے ساتھ۔“
 یہ کہہ کر انہوں نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے کمرے کی طرف کھینچا۔ میں ٹوٹ کر اٹھا ہوا کمرے کے اندر داخل ہو گیا۔

440 دہلاؤ! کارنٹ لگ گیا تھا، لیکن میں ان کی طرف دھیان دینے پر غور نہ کیا۔
 ”لو، یہاں ہے۔“ میں جا رہا ہوں۔ یہ کہہ کر میں کمرے سے باہر نکل آیا۔
 ”سنو۔“ مرانی نے عقب سے مجھے کال کیا۔
 میں پلٹ کر ان کی طرف متوجہ ہو گیا۔ لیکن یہ چہرہ مرانی کا تو ہرگز نہیں تھا جو غضب ناک ہو کر جیسے سوچا ہو گیا تھا۔

دشادہ دہلاؤ کر رہی تھیں۔
 ”میں کدو ہے، تم تمہاری زبان نہیں آئے۔“
 ورنہ مجھے سے برا کوئی نہ ہوگا۔
 ”دو ہاتھ پکڑیں، مرانی۔“ میں نے منہ بند کیا۔
 ”کیونکہ آپ میرے ماسوں جیسے فیکس کو جوگا دے رہی ہیں۔“
 مجھے اس عورت پر واقعی غصہ آ رہا تھا۔
 ”میں کدی سے تمہاری زبان کھینچ لوں گی۔“

”وہ فرما کر بولیں۔“
 ”میں تمہیں ایک ٹی کے لئے بھی اپنی اس صحت کے لئے عداوت نہیں کر سکتی، لیکن میں اپنے دل پر چڑھ کر کہہ چاہتی ہوں کہ تم کی مہلت دے رہی ہوں۔“
 جیسے ہی سونج کی ٹانگیں گر کر مجھے تم اپنی اس صحت میں سے دھنچے ہو جاؤ۔ اور مجھے بھی اپنی صحت کی بات دکھانا۔ جاؤ، جے جاؤ یہاں سے اس سے پہلے کہ میں تمہیں ابھی دیکھ سکوں۔ جاؤ۔“
 اس کی آواز غصہ سے گونج رہی تھی۔
 ”وہ میرا لڑکا نہیں۔“ میں نے اسے کہا۔
 ”کسی مجھے ہونے چاہی کی طرح میرا لڑکا بننے کے لئے کی طرف تھا۔“ میں تو سوچ رہی تھیں کہ کتنا کہ مجرم کو کسی مشکل میں ڈالنے کے بجائے میں خود ہی شرمسار یا محنت میں کدو جاؤں گا۔

میں اب کوئی مصمم چہرہ نہیں تھا، میں کالاج لائف میں قدم رکھ چکا تھا، چنانچہ میری طور پر توجہ لیکن میرے مقابلہ کے مطابق یہ عورت بکواسیاں اور شائستگی۔

کاش مجھے اس کے بارے میں ذرا بھی اندازہ ہوتا تو پھر میں کوئی اور راستہ اختیار کرتا۔ دراصل میں آپ لوگوں کو یہ بتانا چاہوں کہ اس زمانے میں مجھے اور اندر صراحت دینی کی کہانیاں پڑھنے کا بہت شوق تھا۔ اسکول کے زمانے میں کئی ناول پڑھا کرتے تھے۔ شاید اسی بنا پر میرا لڑکا ان کی حد تک کام کر رہا تھا۔
 بہر حال ان سب باتوں کے باوجود میں کام کر رہا تھا۔ فرغ ہو جانا چاہیے لیکن اتفاقاً ہی تھا کہ مجھے مرانی اور دھار کے تعلقات کا علم ہو گیا تھا۔ اور حیرت انگیز بات یہ تھی کہ ان دونوں کو اس طرح اندازہ ہوا کہ میں کدو کے قریب سوچ رہا ہوں۔ کیونکہ میں کمرے میں داخل ہو کر دیکھ چکا تھا کہ بیک کدو کے وسط میں موجود تھا تو پھر کیا تھا، کدو کے کان میں بھونک رہا تھا کہ میں ان دونوں کی باتیں نہ ہوں؟

یہ باتیں میرے ذہن سے بالا تھیں میں جتنا سوچ رہا تھا اتنا ہی الجھ رہا تھا۔ چنانچہ اسے سرکھینک کر میں کمرے میں آیا اور اس کی کواٹھانے لگا۔
 جلدی وہ اٹھ کر بیٹھ گئیں اور چند لمحوں میں ہوئی آکھوں میں حیرت لے کر سونے پڑی طرف دیکھنے لگیں۔
 ”اٹھ جاؤ، اس جی۔“ یہاں سے نکلنے کی تیاری کر رہے تھے۔
 ”کیا کر رہے ہو۔۔۔؟“ انہوں نے حیران ہو کر پوچھا۔
 ”نیزان کی آنکھوں سے اجنبی تھی۔“
 ”ہاں، میں جی میں ٹھیک سمجھ رہا ہوں۔ مرانی صاحبہ نے تم سے بات کر دیا ہے کہ اپنی کال کے کہ یہاں سے رخصت ہو جاؤ۔“
 ”اگر تو کیوں۔۔۔ ایسی کیا آفت آگئی۔۔۔“
 کیا وہ ایک بیک پاگل ہو گئی ہے؟ ”وہ اب بھی حیرت میں تھیں۔“

اب میں مجبور تھا کہ انہیں ساری کہانی ناولوں میں چنانچہ میں نے سن دین ان کے سامنے سب کچھ بیان کر دیا۔ وہ دھونچکے ہوئے سن رہی تھیں میں خاموش ہوا۔
 ”تم؟“
 ”رسم ہا۔۔۔“ میں دہلی آواز میں بولا۔

تو وہ بولیں۔
 ”یہ۔۔۔ یہ تم کیا بتا رہے ہو۔۔۔؟ اارے۔۔۔ جب بے چارے کے کام کو کم ہوگا، تو اس کا کیا حال ہوگا۔ عورت اتنی بد ذات ہے۔ میرے خلیا۔۔۔“
 ”ماں جی کے لیے میں سب کچھ کر رہا تھا۔“
 ”یہ سب کچھ تو اب بعد میں دیکھا جائے گا۔“
 ”ماں جی۔۔۔ میں نے کہا۔“
 ”میں سامان سیٹ رہا ہوں۔۔۔ آپ بھی اپنی چیزیں دیکھ لو۔“
 ”قاسم۔۔۔ تم جانے کہاں ہوگا۔۔۔“ وہ مجھ پر بڑا زور دیا۔
 ”ورنہ وہ ہمارے ساتھ ایسا سلوک نہ ہونے دیتا۔ کیا یہ معلوم تھا کہ وہ ایک ماں کو اپنے گھر میں پال رہا ہے۔“

میں نے کوئی جواب نہیں دیا اور کمرے میں سوچ رہا تھا۔
 ”وہاں تک کہ ہمارا رواج کی کی تیاری مکمل ہو چکی تھی۔“
 ”اب ایک سامان بردار لڑکی میں اپنا سامان رکھوا رہا تھا۔“
 ”کیسے؟ اور اس کی بیوی کے ساتھ ساتھ رہیم با ابھی وہاں آ کر کمرے ہو گئے۔“
 ”ان سب کی آنکھوں میں حیرت کے دیئے ملے۔“
 ”اٹھئے تھے درجن میں ہمارے فراموش چماچ۔“
 ”یہ کیا ہو رہا ہے۔۔۔؟“ کہاں کی تیاری ہے؟“
 ”میں دھیرے سے سکڑا اور ان کی طرف دیکھ کر بولا۔“

”بچپن وہیں پے خاک۔“ جہاں کا خیر تھا۔
 ”میں اپنی ماں کی جی کے ساتھ بارہ عورتی جا رہا ہوں۔“
 ”عورتی۔۔۔ بھریکیں۔“ قاسم یہاں تو حقیقت خود بولیں کے لئے آئے تھے۔ یہ کہہ کر وہ مجھے سائیڈ پر لے کر گھر آ رہے تھے۔
 ”تم؟“
 ”کیوں جا رہے ہو۔۔۔ کیا بات ہو گئی۔“
 ”رسم ہا۔۔۔“ میں دہلی آواز میں بولا۔

Dar Digest **86** **March 2018**

گو باطل کا کوئی نشان یہاں موجود نہیں تھا اس کے باوجود جانے کیلئے میرے دوست جو خوف کی ایک لہر کی روٹی تھی۔

”رجیم بابا نے صبح اس وقت چمک کر مجھے دیکھا۔
”کیا ہوا؟“
”میں نے حیرت سے انہیں دیکھا۔
”کچھ نہیں!“

”کیا تمہیں ڈر لگا رہا ہے؟“
”آپ کو۔“ کیسے معلوم ہوا ہے؟“ میں نے حیرت سے پوچھا۔

”دھمکنا اور بولنے۔
”تم نے مجھ پر کئی سی سی پی لے چو رہا ہوں۔“

”ابو؟“ میرے منہ سے صرف اتنا ہی نکلا تھا۔
”دروغ نہیں۔“ انہوں نے مجھے حوصلہ دے کر دیکھ کر گزرتے ہوئے وقت گویا کر دیا۔
”جو واقعی خوف زدہ ہوا ہو گا، وہ اس لئے وقت کے ہموں پر پردہ ڈال دے گا۔“ کسی دھڑکی اور جھولنے جادوئی طرف۔ میں سمجھ لو کہ قدرت کتنی سحرانور کر کے دالی ہے۔ اس نے خود ہی اس عمارت پر پستی ڈال دی۔ گو کہ قدرت اور وقت دونوں تمہارے ساتھ ہیں۔ پھر تمہیں ڈرنے یا خوف کھانے کی کیا ضرورت ہے؟“

”نہ جانے اس افلاک میں کیا جادو تھا کہ میرا خوف خود بخود غریب نال ہو گیا۔ میں نے سمجھ جانے والے انداز میں درجہ اپنی طرف دیکھا اور سر ہلا کر بولا۔
”آپ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ میں کسی قدر ڈر گیا تھا۔“

”ست ڈر۔“ انہوں نے کہا۔
”کیونکہ انسان کا ڈر اگر عمارتی ہوا ہے تو عاصف پھر انداز ہوا جاتا ہے اور پھر جو کچلے ہوئے ہیں۔ ابھی تمہیں بہت کچھ کرنا ہے۔ ابھی تو تمہاری زندگی کا آغاز ہوا ہے اور تمہارا سفر بہت طویل

ہے۔ پس تو۔ تمہارے ہماری کال اسی کمرے میں اٹھاؤ۔“
”میں ہاں!“

”اچھا۔“ ان کے منہ سے نکلا۔ وہ پھر کسی سوچ میں ڈوب گئے تھے، کائی دیر کے وقت کے بعد انہوں نے کہا۔
”کیا وہ یہاں پر ہی اپنے تعلیمات وغیرہ کا کام کرتے تھے؟“

”جی نہیں۔“ آگے والے کمرے میں۔
”یوں! میں وہ دکرہ دیکھنا چاہتا ہوں۔“
”اچھا۔“ میں نے کہا۔

جلدی میں انہیں دوسرے کمرے میں لے کر آوا۔ لیکن یہاں اس قدر خوف تھا کہ میں نے بے ساختہ اپنی ناک پر ہاتھ رکھ لیا۔

میری نظریں خود بہ خود خبرے کی طرف اٹھ گئیں۔ میں اس المانی کے باخو جانور ہوا کرتے تھے۔ لیکن وہ بے جا حساب وہاں نہیں تھے۔ شاید بھوک اور پیاس کی بنا پر انہوں نے خرب خرابی کی جان دے دی تھی کہ اور اب وہاں چند ہڈیوں کے سوا اور کچھ نہیں تھا۔ یہ حقیقت شاید کسی خبرے سے متاثر رہا تھا۔
”ڈریمسٹ ہڈیوں کی ہڈی ہے یہاں۔“

”رجیم بابا نے کہا ہے کہ کسی پر دکھا ہوا کچرا نہ پر لیٹ لگایا۔“
”اسی بنا پر یہی کسی مراد جسم سے اٹھ دی ہو۔ بے جا رہے ہوئے کمرے میں رجیم بابا۔“ میں نے بتایا اور پھر خبرے کی طرف اشارہ کیا۔

”اس میں تو بے جا رہے۔“ لیکن کسی نے اس وقت تجھ پر ہی دی اور وہ بے جا رہے شاید بھوک پیاس سے غلغلہ ہو کر ہڈیوں کے۔
”کون سے ہمدے سے اس میں؟“

”انہوں نے پوچھا۔
”الو کے بچے تھے۔“ میں نے بتایا۔ انہوں نے الو پال گئے تھے۔“

”ابو۔“ رجیم بابا کے چہرے پر ہنسی ختم کر کے تاثرات کھینچ گئے، پھر انہوں نے جلدی جلدی اس کمرے میں دگے ہوئے سالن کی تھالی کی بھی، کئی چیزوں کو الٹ پلٹ کر دیکھتے رہے تھے۔

”یہ سب کچھ ملکہ صاحب کی چیزیں تھیں۔“ خود یہاں کھڑے تھے ان میں کئی کچھ کھانا ڈبے بھی تھے۔
”رجیم بابا خود سے جڑ کر دو کچھ دے بھتے، پھر وہ اٹھ کر کھڑے ہو گئے اور مجھ سے غائب ہو کر نکلے۔
”پلو بھئی۔“ میں نے جو کچھ دیکھا تھا وہ وہ کچھ لیا۔ بہت دیر سے یہاں آگئی۔

پھر میں دونوں باہر نکل آئے تھے۔ رجیم بابا پھر وہاں کے کتبے تھے۔ میں بھی ان کے ساتھ ساتھ چلا ہوا اس لیے باہر نکل آیا۔

میں اب تک بے چین تھا، چنانچہ باہر نکلنے ہی میں ان سے پوچھا۔
”آپ نے وہاں کیا دیکھا رجیم بابا؟“

”آرام سے بیٹھ کر تناؤ گ۔“ وہ کچھ ہنسنے لگا۔
”انڈاز میں مسکرا کر بولے۔
”بھول دی ہو اس کا کچھ نہ تھا۔“

”یہ کہہ کر وہ خاموش ہو گئے۔ میری بے تابی کا عالم کچھ اور بڑھ گیا۔ میں جلد سے جلد سب کچھ جان لیا جاتا تھا۔ لیکن رجیم بابا کسی سوچ میں تھے۔ انہیں جیسے میرے جذبات کا کوئی احساس ہی نہیں تھا۔ ابھی تک وہ اٹھا ہیے وہ اس وقت خود کو تنہا محسوس کر رہے ہوں۔

ایک بار پھر وہ میرے ساتھ اسی کمرے میں آ کر بیٹھ گئے اور میری نظریں سوائے انداز میں ان کے چہرے پر جم گئیں۔
”اس وقت میں وہ خاموش علیحدہ سے قلم بند نہ کیا۔
”رجیم بابا۔“ آپ خاموش کیوں ہیں؟“

”کچھ نہیں۔“
”آں۔“ میں نے بھی خیالات سے جھٹکے۔

”میں اس وقت چائے کی طلب محسوس کر رہا

ہوں۔“ تم جلدی سے چائے بناؤ جب تک میں اپنے ذہن میں افلاک کا ذخیرہ کرنا ہوں۔“ تاکہ تمہیں بھی کچھ سمجھا سکوں۔“

دل میں چارہ ہاتھ کر رجیم بابا کی زبان کھلنے سے پہلے کوئی کارڈ میں سب کچھ جاننے کے لیے بے چین تھا لیکن مجھ پر بھی رجیم بابا کے حکم کو کرنا بھی ممکن نہیں تھا۔

کمرے سے نکل کر میں نے ہاں ہی کو تلاش کیا۔ اس وقت معلوم ہوا کہ وہ کمرے میں موجود ہی نہیں ہیں۔ پیسے تیسے میں نے رجیم بابا کے لئے خود چائے تیار کیا اور اب افکار کمرے میں آ گیا وہ اب بھی گویا پتھر کا بت کے کیے سوچ میں تھے۔

مجھے دیکھتے ہی انہوں نے چمک کر پہلو ہلا کر بولے۔
”معاف کرنا۔“ میں نے تمہیں تکلیف دی لیکن چائے میری کمزوری ہے۔ دن میں نہ جانے کتنی بار میں تمہیں سے فریادیں کرتا ہوں۔“

”معاف تو آپ کو کرنا پڑے گا رجیم بابا۔“
”میں ذرا دقتی بنا۔
”اس میں نہ جانے کہاں گئی ہوئی ہیں اور یہ چائے میں سے نہ دھانی ہے۔ نہ جانے کسی کتنی ہو گی۔“

”اچھی ہے۔“ وہ جلدی سے ایک کھونٹ بھر کر بولے۔
”بلکہ بہت حیران ہے۔“
”حیرت ہے۔“ میں نے بڑبڑایا۔
”اب تم یہاں بیٹھو اور میری بات غور سے سنو۔“ انہوں نے تقریر کرنے والے انداز میں مجھے غائب کیا۔

”دیکھو میرے بچے۔“ دینا جب سے دوستوں آئے۔“ تو تب سے ہی ایک جگہ ہوئی چلی آ رہی ہے۔ یہ جگہ اچھے اور برے کے درمیان ہو رہی ہے، یعنی خیرے اور شر۔“ خیر کا مطلب یہ ہے کہ کرا چھائی اور سنگلی دیکھ کر میں بولی اور بدی شائلی سے بچ گئے۔“



موت سے چھٹکارا

شیراز خان - صادق آباد

بزرگ نے نوجوان سے کہا، ”طاغوتی طاغوتوں کو پہچاننے کے لئے میں تمہیں ان سے بچاؤں کیونکہ تم ہری طرح طاغوتی طاغوتوں کے شکنجے میں پھنس گئے ہو اور اگر احتیاط نہ کیا گیا تو.....“

اڑے لہادے میں پوشیدہ ذہن سے گونجنے والی اپنی قومیت کی حیرت انگیز کہانی

اس سے پہلے کہ تجزیر دہائی گلیاڑی اس کے چڑے کندھے کی پڑی کوڑی ہوئی لگتی رہ اپنے سامنے موجود چارٹ اوپننگی جلی لٹوٹوں کی دیوار پر اپنے ہاتھ جماتے ہوئے جپ کے درمیں کی جانب کوڑ چکا تھا۔ رات کے اخیر حصے میں تاحد نگاہ تک کھیت کیلے ہوئے تھے۔ شاید بچوں کو تارہ پانی کیا تھا، اس لیے کوڑے وقت اس کے دلوں پائوں کی اور کیچڑ میں ڈس گئے تھے۔ بچے کرتے ہی اس نے ناک کی سیدھ میں سر پٹ بھاگنا شروع کر دیا۔ پانی اور کیچڑ کی وجہ سے گواہے ہوئے وقت ہوئی کی لیکن جب جان پرستی ہو تو ایسی گلیف کو کون خاطر میں لاتا ہے آسمان پر چلنے والا چاند سوائے سہاروں کے مفقود تھا، چند قاصد تک ہی بغیر دیکھنے پر نظر آتا تھا۔ چاندوں طرف ہوا کا عالم طاری تھا، بجلی کی بجلی کی جھلکیاں دھڑے کی جھوکے کیڑے کے

”جی ہاں..... کچھ کچھ رکھ رہا ہوں۔“ میں نے بکری کرتے ہوئے۔ ”میں نے خود بخود کیا تھا۔“
 ”مگر ہاں یہ کہانی لے ان ہی انگوٹوں سے سب کچھ نکال دوگا۔“
 ”اس بارے میں کچھ کہنا ابھی مناسب نہیں ہے۔“ رجم ہلایا تھا۔
 ”جی ہاں اب اس دنیا میں موجود نہیں ہیں۔۔۔۔۔۔“
 ان کے بارے میں رائے زنی کرنے سے کیا فائدہ وہ جب دنیا سے رخصت ہو گئے تو ان کے اعمال کی ان ہی کے ساتھ چلے گئے۔“
 ”ہاں۔۔۔۔۔۔ اب بات بالکل ٹھیک ہے۔“ ڈنڈاں جی کی آواز کرے میں کوئی۔ میرے ساتھ ساتھ رجم ہلایا بھی چوک لگے، ماں کی درد آئے میں کھڑی ہوئی شاید ماہری بائیں رخی میں ان کے چہرے پر شہید فوج کے آثار تھے۔
 رجم ہلایا افسوس سے کہنے لگے وہ دھڑلے ہوئے۔
 ”یہ بات واقعی درست ہے کہ ان کے عمل ان کے ساتھ ہی دنیا سے رخصت ہو گئے لیکن یہ سراسر لالہ ہے کہ وہ دنیا سے چلے گئے۔“
 ”میں سمجھا رہا ہوں۔“ رجم ہلایا تھا۔
 ”یہ سن کہاں جی کے ہونٹوں پر ایک معنی خیز مکررات ابجری اور مجرورہ آہستہ سے پوچھیں۔“
 ”وہ کون جو نہیں گئے، بلکہ انہیں دنیا سے بھیجا گیا ہے۔۔۔۔۔۔ ایک ایک کون جن کر گئی کیا گیا ہے۔۔۔۔۔۔“
 ”دراستہ لگو خود سے کہاں جاتے ہیں۔“
 ”کیا آپ جانتی ہیں کہ انہیں کس نے قتل کیا تھا۔؟“ رجم ہلایا مسلسل ان کی طرف متوجہ تھے۔
 ”ہاں۔۔۔۔۔۔ جی ہاں کالج پورہ اور تھانہ۔“
 ”میں جانتی ہوں۔“
 ”کون ہے وہ۔۔۔۔۔۔؟“
 ”جان لیو۔۔۔۔۔۔ ا“ وہ سر راتے ہوئے لکچھ میں بولیں۔
 ”اس کا نام جان لیو ہے۔“
 (مہاری ہے)

”شیطان کسی کو بھی بہکا کر لالہ راستے پڑھل سکا ہے، اگرچہ اس وقت پر رب احقرت سے عدو مائل کر لی جائے تو پخت ہو جاتی ہے ورنہ جو شیطان کے بہکاوے میں آجائے پھر وہ کتاہوں کے دلدل میں پھنسا جاتا ہے، ہمارے ماننا۔ لیکن میں یہ بات کہنے پر مجبور ہوں کہ تمہارے لپائی کو بھی شیطان نے اپنے جہاں میں پھنسا رکھا تھا۔ اور انہیں نے غلیات میں لالہ راستہ اختیار کر لیا تھا۔ وہ کالا جادو اور سٹی کے ماہر تھے۔“
 میں حیرت سے ان کی شکل دیکھ رہا تھا، اگرچہ مجھے ان چیزوں کی زیادہ معلومات نہیں تھی، لیکن میں سن ہوں میں جادو اور سٹی اور فیر وکے بارے میں کافی کچھ پڑھا تھا۔
 ”یہ..... یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں رجم ہلایا.....؟“
 ”میں ٹھیک کہہ رہا ہوں میرے بچے۔“ ان کا لہجہ تھا۔
 ”مجھے اس بات کا پہلے ہی علم ہو چکا تھا لیکن میں اپنی آنکھوں سے سب کچھ دیکھنا چاہتا تھا۔ اسی لئے تمہارے لپائی کا سامان دیکھ کر میں یوں ہی ہلکا ہوا۔“
 ”اس کا مطلب یہ ہوا کہ میرے دادا پردادا کی

رونے کی آواز ماحول کو دردناک بنا دیتی تھی۔ اسے پیچھے سے سٹاپ دینے والی فرائض اور آدھریں اس کا پیچھا کر رہی تھیں۔ اُسے یہاں محسوس ہو رہا تھا جیسے بڑوں کی غیبت دھیس لگ کر پہنچ چلائی اس کے عقائد میں بھی کئی بڑی باتیں تھیں۔ محسوس کر کے صدمہ ہوتا تھا کہ یہاں جہاد ہوتا تھا۔ جسم نے میزک اور ایجنٹوں سے پاس کر کے کالج میں داخلہ لے لیا۔ کون سا کون سا والدین غریب تھے مگر اس کے والدین میں سے بھی کسی بات کا احساس نہ ہونے لگا تھا کہ اس کے سکول کے خرچ میں اسے کسی قسم کی پریشانی لاحق ہے۔ جیسے تیسہ کر کے اس نے میزک سیکھ اسے کسی چیز کی کیا احساس نہ ہونے لگا۔ جسم نے بھی اپنے والدین کی باتوں نہ کیا اور ہمیشہ ایجنٹوں سے پاس ہوتا رہا۔ اس بات کا شدت سے احساس تھا کہ اس کے والدین نے اسے شاید مشکل حالات کے باوجود بڑھاپا نہ دے دو کہ لیا گیا کہ اسے کاروبار دیکھنا تھا مگر جس سے اس کے پاس بے شمار دولت آجائے جس سے والدین کو کمیشن و آرام کی زندگی دے سکے۔ لیکن یہ سب صرف سوچا جا سکتا تھا مگر یہ اس کو بھلا کر ہوئی۔ ایسی صورت نظر نہ آتی تھی جسے اپنا کردہ اسے والدین کی تکمیل کر سکے۔ اس میں سوچ کے ساتھ اس نے کالج میں داخلہ لے لیا۔ لیکن اس کی یہ خواہش شدت اختیار کر گئی کیونکہ کالج کی آؤڈیو ڈسک کی سب سے اُسے آنکھوں کی تو اسے اپنے ہر طرف ایسے جوان نظر آئے جو اپنے پاس باپ کی دولت کو پانی کی طرح بہا رہے تھے۔

راج کے وقت کالج کاؤنٹرز اس شرمندہ لنگا۔ وہ اپنی پرانی سا نیل پروردہ کا کاج آؤٹ اس کے دوست اور کالج کے دیگر لڑکوں اس کی جانب دیکھ کر حقیقت نگاہتے کہ اور وہ کس کچھ کر رہی تھی۔ وہاں وہاں سے ہمبر کے اورانی غریب پر کڑھنے کے علاوہ کیا کر سکتا تھا۔

ایک دن چھٹی کے وقت وہاں جس مگر ہوا تھا کہ اس نے ہاتھ میں ایک شیٹ لگا کر کھانگ ایک کڑوا ہوتا تھا۔ اندر کی جانب بکھو بکھو تھے اس نے بھی جس کے ہاتھوں مجبور ہو کر نیل ایک جانب کھڑی کی اور لوگوں

کی سیر میں داخل ہو گیا اندر گیا وہاں سے ایک بڑے سے آدمی نے زمین پر ایک شیٹ پھیلا رکھی تھی اور اسے ایک سفید چادر ڈالی ہوئی تھی جس پر جگہ کو شرف کے بعد نمازیں تھے اور وہ اپنے بائیں ہاتھ میں دو عدد وردے تھا۔ وہاں تھا جس کے دو کھانا کاؤنٹرز پر ایک ہاتھ مار کے دائیں ہاتھ میں ایک مچھری کی جھون سے تر جھری دھا چھری دھا تھا۔ وہاں تھا جس کے والدین کا کھانا تھا۔

میرے ہاتھ میں اس نے اپنے بچے کو جادو کے کڈ سے پیش کر کے اس کے جسم کے اعضا آپ کے سامنے نکال لیے ہیں۔ اسی طرح میں ایک ایک کر کے اس کی دونوں آنکھیں، ہمدردوں کا ہجر پٹی، میچرو سب کی نکال نکال کر دکھانے کا کوسہ بچے جادو سے مگر سیر اکلے سے کھیں اس سفالی سے کیا کر دکھانے ہاتھوں اس کی صاحب نے بچہ کا پاس چسپاں کر کے اور کالج جادو سے متعلق ہو سکتے جاتے تو کہہ سکتا ہے۔“ مگر کن زور دل حضرت تو دگر سے کمک ہے۔ اسے جوں زیادہ مشہور دل کے تھے وہ مگر نہ رہے۔ کاب سارا کھانا یاد کر ہی جائیں گے۔

باقی رہ جانے والے اظہار کی طرف دیکھتے ہوئے وہ بڑھاپہ کی چھری لہراتا ہوا زمین پر لیٹے ہوئے۔ بچہ کا جانب ماحول سے اٹھتا ہوا ہوا ہوا ہوا ہوا ہوا ہوا۔ زور دے سے اُسے ایسا کرنے سے باز رہنے کے لیے کہا۔ بچہ دیکھ کر بڑھاپہ کا گیارہ گئے گا۔“ ٹھیک ہے حضرت لیکن میں ہی پہلی دوزخ مہر نے کے لیے ہی ایسا کر ہوں اگر آپ نہیں چاہے کاب یہ سب سحر وادہ دیکھتے تو ہر دم مگر یہی کھانا یاد کرتے ہیں چلا جائیں۔“

سین نے لوگوں نے اپنی اپنی میزوں میں چلا ہوا تھا کہ اس کی طرف بکھو بکھو پیچیدہ دیے۔ جنہیں بڑوں نے جلدی سے اٹھ کر اپنی پٹی میں باندھ لیا۔ اسے لوگ مشتعل ہونے لگے تو ہم بھی اپنی سائیکل کی طرف بڑھا مگر کچھ سوچ کر کھانا یاد کر لوگوں کے پیچھے جانے۔ انتظار کر لگے۔ جب سب لوگ پیچھے گئے تو اس بہت کرتے ہوئے بڑھاپہ کا کاب کیا۔

”ہاں! ابھی انا دم جسم سے اور میں کالج میں پڑھ

ہوں، مجھے جادو پھر دیکھا ہے“

ہاں! جادو ہے جیسے کوڑھیں سے دوبارہ اٹھا کر اسے سامان دھر کر پڑا ہوا تھا اس کی بات سن کر اس کی طرف پڑا۔ اور اسے بخور دیکھتے ہوئے پوچھنے لگا۔ ”جیسا جادو دیکھ کر کیا کر کے تھوڑے ہی پڑنے کے ہیں۔ اور اس کام میں سوائے ذلت اور برہائی کے کچھ نہیں رکھا ہے۔ گیارہ کھانا یاد کر کے والدین کا انتظار کر رہے ہیں۔“

”جیہ کہ ہائے اپنی اپنی اچھا چلا ہے جیسے کے کندھے سے پھر اور اسے لڑی بکبا کچھ یاد ہے۔“

لیکن میں دل میں ہاتھ میں پڑا ہوا کہ چکا تھا کہ آج باجے جادو دیکھنے کی بات چکا کر کے ہی کون سے گا۔

ہاں! اور بچہ شرم سے ابرہہ ہاتھ میں دلی سرک رہا ہو لیے۔ جسم سائیکل گارہ سے نکلتے ہوئے ان کے کتاب میں لگا رہا شرم سے اپنی پٹے میں کھینچ کر اسے سلسلہ شروع ہوا گیا تھا اس لیے اب اس کا چپ کر چکا تھا کہ لڑکیوں تھاں سے اسے ہائے دیکھتے ہی ذرا دھمے سے لگا۔“ تم کہیں ہمارے پیچھے نہ رہے ہو بچہ جا چلا ہاں اپنے مگر ہم غریبوں کو شک نہ کر۔“

”مگر ابھی آپ نے غلاموں کا کھانا کھا کر کوئی جادو سیکھا جا چتا ہے تو آپ تم کے حوض اسے جادو دکھائیں گے۔ جسم نے اسے یاد دلایا۔

”ہاں! کیا تھا کر میں جنوں کو جادو نہیں سکھاتا۔ میری نظر میں تو یہی ہے کہ“

”ہاں! ابھی تو یہی ہے کہ“

جواب دے ہوئے کہ مگر مجھ میں متوں پر اترا۔“

آخر کھانا یاد کر لے جانے کی پڑے اور اس کے تمام حالات سننے کے بعد ہائے نے اسے کہا کہ ”وہ پرسوں سائیکل پر جا رہے اس کے کمرے پر آجائے مگر ایک بات کا خیال رکھنے کا ہے کہ والدین کو بتاتے وقت وہاں جادو سیکھ لے گا۔“

”جسم نے اس سے وعدہ کیا کہ اور خوش خوشی سے مگر کی راولی۔

پرسوں سائیکل شام چار بجے اس کے کمرے کے قریب دیکھ کر اور سائیکل پر سوار شرم سے ابرہہ جانے والے راستے پر نکلت پڑا چلا گیا۔ شرم سے باہر پٹے ہی اسے

دور سے ہاں کی جھونپڑی نظر آئی۔ جلدی وہ جھونپڑی کے نزدیک پہنچ گیا ہاں شامیہ اس کا انتظار کر رہا تھا اس کے دھیس میں کچھ نہ تھا۔ اس نے سین کی دھیس کو تم کیم اور اسے ساتھ لے کر جھونپڑی میں داخل ہو گیا۔ ہاں! جیسا شاید کہیں کیا ہوا تھا اس لیے جھونپڑی خالی تھی۔ اسے ایک طرف پیچھے کا کھانا لے کر اپنے ایک ہاتھ سے صندوق سے ایک بڑھاپہ کاب نکالی جس کے دوران حالات کی گردش سے سیاد پڑ چکے تھے۔ اس کی جلد پر دو کمرہ بانگ چمن پچلا۔ اور اسے سوجڑے تھے کہ سامنے کب کا فائدہ ہو پھر مگر یہی اس کی کمرے سے خون کی ایک پٹی کی دھار نکل کر نیچے گری تھی۔

کاب کا عجیب سا چٹا تھا جو کچھ میں نہ آنے والا تھا۔ بہر حال اس نے سین زیادہ غور کر مناسب سمجھا اور جس سے چہرے پر ہاتھ جمائے ہاں! اس کی طرف دیکھ کر اس کے چہرے پر ایک پلٹ کرنے میں لگا ہوا تھا کہ کئی دور تک درنی گولائی کے بعد ہاں نے اپنا چہرہ اوپر اٹھایا۔ آف خدایا! کیا اس کی آنکھوں کی سیاد چلیاں عجیب تھیں اور سفیدی عجیب سا سحر جی کر رہی تھی۔

جسم نے ذکر کرنا کہ کئی کوشش کی تو ہائے نے ایک مگر نہ یاد آواز سے اسے دوبارہ پیچھے کا حکم یاد دہا کر دوبارہ پیچھے گیا مگر اس کے کمرے کے کابنے ایک بڑھاپہ۔ کچھ دور بکبا ہاں اس کی جانب نگاہی باندھ کر کچھ بڑھاپہ چلا گیا اس نے انکھیں کھینچ کر دوبارہ اس کی آنکھوں میں سیاد چلیاں اور وہ ہو گئی، ہاں! اس کی طرف دیکھ کر کس کر کہنے لگا ”ہاں! کاب ہو میں نے اپنے کمرے سے جہازتے لے لی ہے اور وہ چمن یاد چلا جاتا ہے نہ رہا ہی ہو گیا ہے۔

لب تم اس بات کا کوئی طرح ذہن کن کر لو کہ تم نے جادو سیکھنا ہے۔ اور اسے ادراسے صاحب کو مضبوط بنانا ہے۔ کیونکہ جادو جیسے کے دوران میں بہت سے عجیب و غریب مناظر اور واقعات کا سامنا کرنا پڑے گا۔

کنز در دل حضرت اپنا اپنی جان کو بچتے ہیں یہاں صبر پر چلے جادو ہے جس۔ اسے یہ نہیں پہلے سے بتا دیا ہے کہ تم ایسی کئی حرکت نہ کرنا جس کا فائدہ نہیں بکھتا

جانب لپک رہے تھے اور اس کے پیلے پیلے لیے دانت
 دوڑوں باجھوں سے جمول رہے تھے۔ اس کی غصہ پر
 ایک گڑھا سا تھا جس میں ایک پیلے رنگ کا پتھر بیٹھا
 صاف کھانا دوسے ہاتھ۔
 نیم کروں گے جیسے زمین سے اس کے پاس بیڑ
 لیے ہوں اس کی تیزی سے بھرتا چلا گیا کہ اس پر اس
 سے پہلے کہ وہ بلا اس کی گردن دیوہی ایک پلکا جسا چکا
 ہوا اور بابا اچھ میں ایک عجیب و غریب شکل کا ڈھانچے
 نمودار ہوا اور اس نے اس سے دو ڈھانچے لایے کہ سر پر
 دے۔ ہمارے بلا ڈھانچے ہی کا جیچے تھاب ہوئی۔ نیم
 کوڑھ جیسے کھانچا دیکھیں۔

بابا نے ایک ستر پر چڑھ کر اس پر چوٹا تو اسے ہوش
 آیا۔ بابا نے اسے حوصلہ دیا اور اسے اپنا کام ختم کرنے کا
 کہہ کر غائب ہو گیا۔ بابا کے بروٹ پہنچنے پر اس کی جان
 بچ گئی تھی اور اسے اپنی تقویت کی کمی کہ بابا سے بھی بھی
 اکٹلا نہیں چھوڑے گا۔ اب وہ بے فکر ہو کر بھرتا ستان میں
 گھومتے چلا جلدی اسے ایک کالی پسندہ اور بھٹی پرائی قبر
 نذر آگئی اس لیے جب میں ہاتھ ڈال کر اس کی لکڑیں اور
 ایک ہاتھ سے ڈراما کرنا کھوکھلا کر لکڑی میں دھن کر سنی
 ڈال دی۔ مجھ اس پر بیٹھ کر بابا کا بتایا ہوا چاب پر پٹنے کے
 اس سارے کل میں اسے پندرہ منٹ لگے کام ختم کر کے
 وہ بیڑھا کر بیٹھا گھر کے اطراف جوں کے توں سوئے
 ہوئے تھے۔ اس نے ہاتھ نہ دھوا اور سیدھا بستر کی
 جانب چھوڑا لیٹتے ہی اس کی آنکھ لگی تھی۔

☆ ☆ ☆

ایک انتہائی تاریک عمارت میں ہرگز ایک ہانگ پر
 کھڑا تھا اس کے سامنے ہاتھ میں شلت تھا جس میں سات
 عدد روزانہ و بچان کے سر رکھے تھے۔ سر ہر سے نکلنے
 والے خون سے شلت لمبا بھر اٹھا تھا۔ گردے کے منہ سے
 عجیب و غریب الفاظ نکل رہے تھے۔ وہ دھتے دھتے سے
 ایک ایک سر کو اپنے دانتوں سے پھوڑتا اور اس میں سے
 نکلنے والے کو اپنے کھانے کا پیسہ وہ اس کی سرخوب بندھوا۔
 اس نے چھل کی پیدائش کے فوراً بعد اپنا چاب "کے

بابا" شروع کر دیا تھا۔ آج اسے دس روز ہوا تھا اور کل اسے
 ایک ایسی لکھی حاصل ہوئے دلی جی جسے چاکر وہ اپنے
 دس روز مقدس میں کامیاب ہو سکے گا۔ عمارت بلکا لکھا عمارت
 سے اٹھنا تھا جس سے دیکھتے ہی عمارت کے اندر کا منظر نظر آتا
 تھا۔ عمارت میں قدرتی روشنی تھی کہ سوائے گردے کاٹاؤں
 الفاظ کی اجنبی صاف سے اور کچھ سنائی دے رہے ہاتھ۔ عمارت
 اندر سے کالی کشادہ تھا اور اس میں مزید عمارت لانا تھی
 سلسلہ چلا ہوا تھا۔ بابا اسے کھڑے سہجے ہوئے شلت
 میں بھرے خون سے غسل بھی کرتا تھا جس کے بعد اس کا
 چاب پڑا ہوا تھا۔

قاری خاموشی میں ایک جھماکا ہوا اور زمین سے
 ایک چٹا برآمد ہوا جس کے نیم میں نیلیاں چھبی ہوئی تھیں
 جیسے کے ہونٹ بے ہوا ایک بار کی سی آواز نکلی وہ۔
 "گردہ ہرگز اٹھا گردے نے مجھے کہ تمہارا دنیا جیلا کہاں
 تک اسے مستعد میں کامیاب ہوا ہے کیونکہ "خفا چارنی
 اور "کلاوا" مسلسل اس کے تعاقب میں ہیں اور ہر
 دن ہل کر اسے اپنے مستعد میں کامیاب نہ ہونے سے
 روکے ہوئے ہیں۔ یہ یاد رکھو کہ اگر تم نے ہمارے
 چاب ہوا چاب اور پورا چھوڑا تو ہم ہمیشہ کے لیے ختم ہوا
 گے۔" جیسے اسے سمجھ کر کرتے ہوئے کہا۔

گردہ ہرگز جو چنگے کوڑھ زمین سے نکلے دیکھ کر
 چونک گیا تھا اس کی ہر کہم کھڑا گیا کہ کھڑا "ہمارا
 گردہ کہہ کر بے چلتے کے کام شروع کر دیا ہے ہر گردہ
 دروں میں انہیں خود بخود سنائی جاتی۔" یہ سنتے ہی چا
 غاب ہو گیا۔ یہ دیکھ کر گردہ ہرگز نے وہ درہ چاب شروع
 کر دیا اور بے چلتے کے کل کا انتظار کرنے لگا۔

بہانے میں ہاتھ میں چڑی پسندہ و سیدہ و کتاب کا دروازہ
 اور اس میں سے ایک چاب کے الفاظ یاد کر کے سامنے
 جیسے نیم پر چڑھ کر چوکھک دیے۔ نیم کو اپنے سر میں
 وہ سامنے اپنا نامہ یاد پڑھتا ہوا اس کے گردوں کا اس کے
 جسم سے بیٹھہ کرنے کی ناکام کوشش کر رہی ہو۔ ایسا
 صرف چند سیکنڈوں کے لیے ہی محسوس ہوا۔ لیپل نے
 ایک صندوق میں سے لمبا جھرا لٹال کر اس کی طرف

یو سماپور لکھی گئی "آج رات تم نے اس کی مدد سے ایک
 بے کوڑھ کر کے اس کا سر لے کر گردہ ہرگز کو جاکر
 تمہارے گردہ ہرگز کے پاس جانا ہو گا۔ انہیں اندر ہی عمارت
 میں ایک شے حاصل ہوئی جسے تم بھی ناکہ اٹھاؤ گے
 یہ گردہ کہہ کر لاؤ گردہ اگر تم نے انکار کیا تو اس پھر سے
 سے تمہارا ہرگز سے علیحدہ کر دیا جائے گا۔"
 نیم کو کچھ گھنٹوں آدھا تھا کیونکہ وہ جاوہر جیسے
 کے شوق میں بابا کے پاس آیا تھا۔ اس نے تو اسے لہ
 بہت گری پر لگا دیا تھا۔ اس نے انکار کیا چاب ہمارے
 ہاں محسوس ہوا جیسے الفاظ اس کے منہ میں گھٹ کر رہ گئے
 دل۔ اس نے ہاتھ بابا کے ہاتھ سے لیا اور اسے لپٹے
 باہی میں چبا کر جو پیڑی سے بے ہل کر آیا۔ دانیس پر بابا
 نے اسے عمارت پہنچنے سے بھجوا دیا تھا۔

رات کے تقریباً دو بجے کا وقت ہو گا جب نیم
 اچھ میں ایک جھپٹا اٹھائے ہوئے تھا جیسے کارنگ سیاہ تھا
 اور اس میں سے خون میں سر ہاتھ۔ نیم نے سوچ و چکر ایک
 سات سالہ بچے کو لٹکا کر تیز و مدار چھڑے کی مدد سے ڈون
 کر دیا تھا اور اس کا سر ہرگز سے جدا کر کے سیاہ جیسے
 ہلی کر چھوڑا تھا۔ گردے کو تھرا اور اس کی ہر گریوں
 سے لایم تھے اس نے اس طرح پانچ کی بھی کہ وہ
 تو مدد کی سبب بھی جاننا تھا اور کی کو لکھی تھی نہ ہونے
 سے ہاتھ۔

آسمان پر صرف تارے چمک رہے تھے چاند
 عجب تھکی چکی تھی نفاس میں چھاتی ہوئی کی غباری
 رف جانے والا رات جھاز جھکا رہے تھے اپنا ہاتھ۔ جنگل
 سے اور جنگل میں انے اووم چکا تھا صاف دیکھ کا پہاڑ
 راس میں بنا ہوا غار سے اندر میرے میں یوں دکھائی
 سے رہا جیسے کوئی دھن سے چھاؤں سے گزرا ہوا۔ وہ تیز تر
 ہم اٹھا تا کہ طرف بڑھتا گیا تھا۔ اس کے سامنے
 ہر جھولنے والے شے میں جیسے ایک سانچ کی طرح جی
 اس نے بے خیالی میں جیسے میں کوئی دھن کی جی
 سے اندر میرے میں اس کی ضرورت پڑنے پر نفی میں
 دلی جی کہ اس نے ہارج ساتھ لاکر اپنا اجماع

کیا تھا۔ اس نے ہارج جیسے کے کلال کر روشنی کو
 سامنے عمارت میں دو رنگ دور تک پہنچائی۔
 روشنی کے ہالے میں دور اسے ایک غصص ایک
 ہانگ اٹھائے کھڑا نظر آیا جس نے اچھ میں ایک شلت
 پکڑا ہوا تھا۔ وہ درجے دیکھ کر قدم اٹھا اس کی جانب
 بڑھتا چلا گیا۔ قریب تک پہنچ کر اس کی دانیس نے اپنی
 آکھیں کھول کر اسے گھورا شروع کر دیا جس نے ہماک
 کر قبال میں دیکھا تو اسے اس میں خون بھرا نظر آیا۔
 ابھی وہ اس کا مستعد سوچ رہی تھی تھا کہ اسے ایک بیباک
 آواز سنائی دی۔ "جلدی کر عیشت میرے سر ہاٹھ ل
 دور اور اٹھنے کو دور چھوٹ دو۔" نیم نے جلدی سے ہاتھ
 میں پکڑا تھا اور جھپٹا کھڑا کہ ہر گردہ اس کے ہاتھ کو دھرا
 شلت چکر اس کے سر پر اٹھ لیا دیا۔ گاڑھا چکر ہرگز
 انسانی خون اس کے تمام جسم پر چھل گیا اور غصص زبان
 سے منہ پر پھیلا اور چانے لگا۔ جیسے جیسے خون چانے
 گیا اس کے سامنے جیسے ہوئے غاروں میں سے اس
 طرح کی آواز پر آئے دیکھیں جیسے ہزاروں بدو میں ل کر
 چلی چری ہوں۔ نیم نے ہاتھوں سے اپنے کانوں کو بند کر لیا
 اسے یوں نگہ دیا تھا جیسے یہ ہزاروں کے کانوں کے ہرگز
 چھڑا کر نکل جائے گا۔ کچھ دیر میں یکدم عمارت خاموش
 چھائی اور سامنے کھڑا شخص اپنے دونوں ہاتھوں سے اپنی
 گردوں کو پکڑ کر دے لگا۔ اسے چھل سے اس کی زبان پر
 ہاتھ پڑا لیکن وہ مسلسل اسے ہاتھ پر ہاتھ۔
 کافی دیر تک ایسے کرنے سے اس نے نیم کو
 اشارے سے قریب آ کر اپنے اندر کی ایک شے میں ل
 کی طرح اس کے نزدیک پہنچ گیا۔ اس شخص نے نیم کا منہ
 دونوں ہاتھوں اور ایک ہلی کی مدد سے کھولا اور ایک ستر
 پر چڑھ کر اس میں چھوٹ دیا۔ کم یوں محسوس ہوا جیسے کسی
 نے جتان ہو کر لکڑیاں کے منہ میں ڈال دیا اور کھوکھلا جرت
 کر کہا اس کے سجدے میں اتر گیا ہو۔ "چاب تیرے
 جیسے میں سے ایک ہر دوسرا ہے اس لیے سے استعمال کرلو
 اپنی جیسے میں کوئی خواہش کو پورا کر۔" نیم نے کہتے
 ہی یکدم چھپا کھلا اور عمارت سے ہٹا کر گیا۔ نیم کو کچھ گھنٹہ

میں حیرت اور خوف سے زینٹ پر چلے ادا ایسی جھلکیں
 دیکھ رہے تھے جس سے اپنے لیے بے باقوں میں ایک
 چھوٹے سے معصوم بچے کو اٹھایا ہوا تھا اس کا منہ چنددیکر
 طرح اور پاؤں اڈت کے پاؤں کی طرح تھے۔ چہرے
 پر خفاقت دور سے صاف دکھائی دے رہی تھی۔ وہ
 دھتے دھتے سے ہاتھ میں پکڑے ہوئے بیچے کے جسم
 میں اپنے تیز ذہانت کا ڈھڑی اور اس کے جسم کا کچھ حصہ صاف
 کر کے مطلق سے تانہ لائی جاتی کیا ہوا چھوٹے سے بچے
 والا خون راستے میں ایک لٹیر کی صورت میں گر چلا جا رہا
 تھا۔ رات کے اس خانے میں ایسا منظر دیکھ کر ایک
 بلائے جھڑپا صلی کا انسان کی باز کھٹکا تھا۔ کبھی دیر میں اس
 کی غصت چھائی ہوئی تھی اسے سامنے بھی بڑے گیٹ لگے
 ہوئے تھے مگر اب اس کے صرف نشان ہی باقی بیچے تھے
 دوڑوں سا بیڑوں پر ایک ایک چکر کے تیز ترانے رکھے
 تھے۔ کیوں کی زبانیں منہ سے باہر لگ رہی تھیں۔ اس
 عجیب و غریب جھلکی سے پیچھے ہی کھڑکرات کے اندر قدم
 لگے تھے۔ یوں محسوس ہوا جیسے کبھی آگس پاس کوئی انسان
 سامنے سر ہوا ہوں، اس نے اپنی ہتھیاری اور اٹھائی
 اور فضا میں کچھ ٹھیکنے کی اس کے ساتھ ساتھ وہ آگے
 بڑھتی گئی۔ انسانی ہوش کی عمل رہائی کر رہی تھی۔
 کھڑکرات میں کمرور کمرور کا سلسلہ پھیلا ہوا تھا
 جیسے کسی صدی میں ہی کھڑکرات ٹاشی لگ کر دوبارہ کھٹے
 ہوں گے۔ پورے کچھ تیز ہوئے جاری تھی اور کچھ دیر
 میں اسے سامنے سے ایک بڑے کمرے کے دروازے پر پہنچ
 کر رک گئی ہوا ہی کمرے سے آدھی تھی اور اس کا احساس
 ہوتے ہی وہ داخل کمرے میں داخل ہوئی۔
 رات کا وقت ہوتے آدھ نوم نے کمرے کے فرلوکے
 سوتے ہی باہر کی دہلی اور تیز قدم تیز اٹھا کر تھمے سے باہر
 نکل آیا۔ سامنے کچھ میدان تھا اور آگس پاس پر تھمے نہیں
 آدھ پاؤںوں کے ٹھکڑے تھے مگر ہر سہ پہر سے تھمے۔ تھمے
 منہ میں ایک کھنڈر پر گڑھ کھڑکرات ایک کربہ لٹکلی
 انسان مودار ہوا جسے دیکھتے ہی تھمے نے اسے ڈرنا کھڑکرات

میں پہنچا کر کاظم دیا بے منتے ہی اس کربہ لٹکلی
 اس پر ایک چھوٹک لڑی جس سے ایک چھوٹکی لٹکلی
 اس کے جسم پر پڑی تو چند گھنٹوں کے بعد تھمے نے خود کو
 تارک کھڑکرات کے سامنے پایا۔ چاروں طرف ہوا کا عالم
 طاری تھا کہ جانور تک کے بولنے کی آواز نہ دے رہی تھی۔
 یوں لگتا تھا جیسے کراؤش کو بولی پائندہ زندہ نہ تھا۔ نیم
 ایک لمحے کے گھبرلا کر یہ سوچ کر کہ تھمے ساری
 دولت حاصل کرنے کے لیے اسے ہت کر پڑے ہی اس کی
 نے اندر کی طرف دوڑا پڑا دیا کھڑکرات کے کتے
 سے تیز دوڑنے کی سائینڈوں پر پتھر کے کتے
 آؤڑیں تھیں جن کی زبانیں باہر لگ رہی تھیں۔ اس
 نے اچھر اچھر دیکھتے ہوئے اندر کی جانب قدم بڑھا
 دیے۔ سامنے کمرور کا ایک طویل سلسلہ پھیلا ہوا تھا
 لے جانے کی روشنی میں ایک تینتا بڑے سے کمرے میں
 ایک کونے میں کچھ صاف کی اور لٹکی باقی باہر کچھ لٹکی
 چاب پڑنے کے لیے اس نے اپنی کچھ کا
 انتخاب کیا تھا جہاں چاندنی روشنی با آسانی پہنچتی رہے۔
 وہ سمجھوں دینا تھا چاب "کرنے کے لیے اسے
 پندرہ منٹ تک اپنی آنکھیں بند رکھائیں۔ اس کی اسے
 چاب کرتے دس منٹ ہی ہوئے تھے کہ اسے دس محسوس
 ہوا تھا جیسے کوئی قوی اچھ جہاں جانور زینٹ کو روکتا ہوا اس
 کھڑکرات کی جانب بڑھتا چلا آ رہا ہو۔ اس نے اسے
 اپنا دم کھٹھا۔ لیکن کچھ دیر میں جب وہ بھاگ کر آوا
 اس کے کمرے سے سامنے کے دروازے آن کرکئی تو اس
 نے نہ چاہتے ہوئے بھی اپنی دوڑوں آنکھوں کو کھول دیا۔
 آنکھیں کھولتے ہی اس نے جو منظر دیکھا وہ اس کے
 ہوش اڑانے کے لیے کافی تھا۔ اس کی رگوں میں خود
 جیسے ٹھنڈ ہو کر گیا ہو۔
 آج سے پہلے اس نے کبھی بھی اس قدر ہمایاک
 چل کی تھی نہیں دیکھی تھی۔ اس پر نظر پڑے ہی n
 نے بھاگ کر سامنے موجود اینٹوں کے ڈیم کو بھڑکایا
 ایک لود کمرے میں داخل ہو گیا اس طرح بھاگتے بھاگتے
 دو کمرور کے اندر رہت دوڑک لٹکیا۔ کچھ

آئے دلی خفاک آوازیں اسے مسلسل تعاقب کرتی
 چلی دے رہی تھیں۔ بھاگتے بھاگتے اس کی سانس
 بھگی گئی۔ اس نے ک کمرور درست کی پیچھے ہی وہ
 دوبارہ آگے بڑھنے کے لیے اٹھانے لگا۔ کچھ لمحوں کے
 سامنے ایک جھوت کوئی جس نے لپکا لپکا کھنڈر لٹکایا
 اور اس کے سر پر بال نام کی کوئی چیز تھیں جو دوسرے کچھ
 تھی۔ اس کے منہ سے نکلنے والے بے رات ہاتھ اس کی
 بیرونی میں اور غافل کر رہے تھے۔ اس کے کان بلے
 اور ان میں بڑے بڑے مور مار تھے۔ اس نے ہاتھ میں
 اندر سے بھی داری چک رہی تھی۔ کون سے ہی اس
 صورت نے ہاتھ کھرا کر اس کی گردن پر کھڑکی کا دار کرنا
 چاہا مگر ہم بھائی دے کر اس کے دوا کرنا کام پکا تھا۔ یہ
 دیکھ کر اس صورت نے دو بار ذہانت چکائی تے ہوئے ہاتھ
 کھپا کر اس بار تھم خود کا بھاگ کرنے کے ساتھ ساتھ
 کمرے سے باہر چلا گیا لپکا تھا۔ باہر نکلے ہی اس
 نے سامنے موجود ایک کسی راہداری میں دوڑ لگا دی۔
 وہ صورت مسلسل ہاتھ میں موجود کھڑکی لہر لہتی ہوئی
 اس کے تعاقب میں تھی۔ تھم ان دو حامد ہوا کھا ہوا راہداری
 پار کر گیا۔ سامنے ایک لپکا دھان قاضی میں ایک کنوئیں
 لڑائی تھا۔ کنوئیں کی زیر پر پڑے ہوئے کدو کے باہر
 نکلے ہی اسے پر پڑ پڑا نے ہوئے تھم کچھ نفاش نکلیں
 ہو گئے۔ اس کے لیے کمرے کے باہر اچھر دیکھا
 دوڑ سامنے موجود ایک کھٹا سا بار پھر نظر آئے۔ اس کی
 طرف دوڑا۔ بھاگنے کی اندر کی طرف اسے چاندنی روشنی
 میں دوڑک پھلے ہوئے کیت صاف نظر آ رہے تھے جیسے
 ہی وہ بھاگنے میں پہنچا۔ اسے اپنے پیچھے بھاگتے ہوئے
 قدموں کی آوازیں سنائی دیں۔ یہ دیکھ کر اس نے بھاگ کر
 اپنے سامنے موجود چارٹ کو بھگی بھگی پر ہاتھ جماتے
 تھے باہر کھنڈوں میں چھٹا کنگ لگا دی اور ایک لمبی کی بھی
 اسے دے ہو جاتی تو تیز دھار کھڑکی اس کے زینٹ کی رگوں
 کو توڑی ہوئی لٹک جاتی۔ کھنڈوں میں لگے ہوئے تیز دھار
 کی وجہ سے اسے بھاگتے ہوئے دلی قوت دوری تھی مگر

1



پیشہ

ناصر محمود رابر - فیصل آباد

اپنی اپنی کرسیوں پر لوگ بیٹھے تھے کہ اچانک ایک خوفناک منظر رونما ہوا، ایک زہریلا کالا بچھو ایک خاتون کے ہاتھ پر گرا تو خاتون کی چیخ نہ قرب و جوار کو دھلا کر دیکھ کر یہاں اتنے میں.....

اچانک یہاں کے سٹائیٹوں کے دل گرینڈ ہو کر فریڈ زہن کی سیوت کر گئی کہانی

آج میں جس ہم کی کہانی آپ کو سنانے جا رہا ہوں اس کا آغاز اسی روز ہوا کہ ایک صاحب میں پورٹ سید پر بکری چارے سے اترا۔ جھٹکا یہاں سے بھی پہلے شروع ہو گیا تھا کہ کسوں میں بھٹکے اس کا دراکر نہ ہو کہ شرق کا عمر ہر دن پر حاوی ہے۔ اسی عمر کے دربار میں نے اپنی پہلیں سنانے کے لیے عمر چنا جہاں درس سنانے میں ترقی ہوئی تھی۔ جہاں تھا۔ میری بھگت، ”دہلی“ کی بکری چارے پر تھی۔ میری خوش قسمتی کی کھٹے مین ہرنے کے ہاں

”تو کیا یہاں کوئی نہیں رہا؟“

ہم نے بھروسہ کیا۔

”نہیں..... رات گئے جیسے دھبے پانی کی اور پھر زوردار تھپوں کی آواز گونجتی ہے۔“ اس نے کہا ہم لوگ کہانی میں اسے خود ہو گئے تھے کہ خوف سانسوں ہو نے لگا تھا۔ حالانکہ یہ محض ایک کہانی تھی۔ اور پھر یہی کی زبانی بھٹ کا موضوع بدل گیا۔

”نہیں نہیں ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ جیسے دور کہیں پائل ہی نہ ہو، دھبے، دھبے، دم دم دم.....! پھر دیکھ کر خاموش ہو گئے۔ کچھ دیر ہم نے خاموشی بٹھائی۔“

”جھوٹے ان کہانوں کو اس زمانے میں سر کر فرستے ہیں۔ ان پر غور کرے.....!“

”اس لیے تو نہیں.....“

”وہ کچھ کہنا چاہ رہا تھا کہ میں نے نوک کر کہا۔“

”ارے یہ کیا؟ آپ اتنی دیر سے آگ کے سامنے بیٹھے ہیں، لیکن شرا ہو رہے ہیں۔“

”ہوں.....“ وہ مسکرایا۔

”دور کہیں چلے جائیں گے!“

”میں نے تو کہا۔“

”نہیں..... اس کی آواز میں شہلہ ہونے لگی۔“

”میں کی شکل نہیں ہو سکتا میں برف ہوں اور برف پر آگ انڈر میں کرنی برف اور آگ کا کیا مقابلہ؟“

”نہیں..... اس نے مٹتی ہوئی نگاہوں کے کی شکل اٹھا کر اپنے کچھ پر رکھ لے۔ اور زور زور سے ہنسنے لگا۔“

”ہا.....!.....!.....!“

”نیز جو کہ ایک پائپ بھج گیا۔ اور دو لے چلے قہقہے کو ختم کیا۔“

”جس میں ہوش آیا تو راسو داسو ہائے کھڑا کہہ رہا تھا۔“

”میں نے کہا تھا کہ آپ لوگ یہاں رات بھر نہیں رہ سکتے!“

”دوسرے دن صبح۔“

”یہ کہہ کر خاموش ہو گیا۔“

سے انتہائی بے زار رہے۔ نگاہیں طور سے اس کے سر پر لپاس سے انتہائی نفرت تھی۔

آخر ایک دن اس کے سارے سر پر کپڑے جلا ڈالے، مگر کے لوگ بہت پریشان ہوئے۔ اس کے والد آزاد خیال ہوتے ہوئے بھی اب سخت ہونے لگے۔ اور ایک دن اسے ایک سر میں بند کر دیا گیا۔ اور اس مکان کو فروخت کرنے کی سوچ لی۔

لیکن دوسرے دن اس سے بھی تیر تک واقعہ ہوا۔ بند کرے سے آواز آ رہی تھی۔

”وئے! اپنی بیوی کو نکال دو۔ یہ میری دشمن ہے۔“

”تم میرے ساتھ چلو۔“ اور جب کمرہ کھول کر دیکھا گیا تو وہاں کوئی بھی نہ تھا۔ دوسرے دن چاندنی اسے

شباب پر گئی۔ رات گئے سے وہ اپنے کمرے سے عاقب تھا۔ پھر دسی مکان دی بجو دی لڑکی اپنی پائی کی آواز پر

دے کر راستہ بتائی ہوئی چل رہی تھی۔

آج وہ اداں تھی پر اس کی سسکایاں ابھری

”نہیں.....“ دے ہم اس طرح نہیں لے سکتے گے۔ نہیں

ایک ہوجا ہی چاہیے۔“

”وئے جھٹے ہوئے بھی نہ بھج سکا۔“

پھر وہ دیر تک گھر سے رہے۔ پائیں کرتے

رہے۔ راسو اپنی موجودگی میں اٹھ رہا تھا۔ دریا میں

لہریں ابھرنے لگیں۔ چنانچہ سے گھر میں جس درخت سکتے

کے عالم میں کھڑے تھے۔ قلعہ کا دروازہ سستوں خاموش

تھا۔ لڑکی اٹھ گئی وہ چلا گئی۔“

”آؤ.....!.....!.....!“

اور وہ چلا رہا.....! چلا رہا.....! اپنے سے

بے نیاز..... ماحول سے بے خبر.....! آؤ.....! اس

نے بھر کہا.....! ”زرا آگے بڑھو!“

یہاں تک کہ ایک زور دار دھماکا ہوا چپا سوں

نیچ۔ چو چھٹائی ہوئی لہروں نے اس دھماکے کو اپنی

آغوش میں سیٹ لیا۔“

یہ کہہ کر خاموش ہو گیا۔“



قریب مل گیا تھا اس شاندار عرس پر پہنچے ہوئے تھے میں
 محسوس کیا کہ سیلائی آدمی کے لیے دنیا کا کوئی کنا
 نہیں ہے اس جہاز پر کئی انگریز ادا بین باشندے بھی مسرور
 رہے تھے۔ میں جس سے بھی ملا وہ "پلیٹنگ" کی کسی
 کتاب کا نقش اٹھ رہا تھا اس لیے میں مشرق کے عرس میں
 پہری طرح رہتا تھا ہوا تھا اس لیے یہ سب میرے لیے
 بہت ہیجان انگیز تھا۔ مشرق نے مجھے کھانا تھا اور اس پاکو
 جو کوئی کہ نہ وہ اسے نظر انداز نہیں کر سکا مگر یہ پکار صرف
 ان کی سیلائی دیتی ہے جو کالوں سے نہیں بلکہ دل سے سنتے
 ہیں اور میں نے اسے سنا تھا۔

مطر سے پہلے میں نے ایک شاندار محل کا باور
 وقت مقررہ سے ایک گھنٹہ پہلے ہی مندر پہنچ گیا۔ ٹیک
 دے لوٹیں سپانل ایک کدکن جہازوں کی کھینکے کی تاخیر سے
 رات ٹو بجے روانہ ہو گیا۔ میں واپس جانے کے بعد بارہ آنے
 اور جہاز سے وہ جانے کا خضرہ مول نہیں لے سکا تھا اس
 لیے میں نے یہ وقت ایک ریستورنٹ میں صرف کرنے کو
 بہتر خیال کیا۔ میں بے مری سے جہاز کی روانگی کا انتظار
 رہا تھا اور جب آخر کار ایک غریب انتظار کے بعد میں سے
 اپنا شاندار بینڈ لے کر اس کی طرف نکل پڑا۔ یہی زمانہ
 میرے سفید روئے دل پر ایسے ستر کے نیچے چھڑکیوں
 پر سرخ چڑھا ہوا تھا میں دہلی بیرون جبر کی یادیں
 اٹھیں لگے لگے۔

اس جہاز میں ستر اور بے ستر پر لیٹا میرے لیے
 ایک مسکنی کے گھنٹوں کا تاجدار بھی جہاز مسند کے سینے
 پر تیرے ہوئے ایک شاندار روئی کی مانند تھا اور اس جہاز
 پر ستر کرتے میرے بہت سے ساتھی مسافر میرے لیے
 ایک روانہ کی کتاب کی مانند تھے جسے میں پڑھنے کا شائق
 تھا اور دوسرے دن کے اختتام سے پہلے میں اسے پیچھے پرچک
 گیا کیسکہ میں کھانسی جیڑہ دوسرے سوچے جو برس ہے۔
 آؤنگنگ ہل میں اسے کھانا کھانے کے بعد میں
 اپنے ایک ہم سفر کے ساتھ میں مصروف تھا جو کھانا کھانے
 جانے کے باغات کا ایک گدا تھا۔ ہم ایک گوند تک گفت
 موصو مات پر باتیں کرتے رہے۔ اگرچہ یہ ہماری پہلی

لڑائی تھی کہیں کو کچھ میرے برسوں پرانے دوست جیسا
 بھرم کر دین اور کمزور دیکھنا میری محسوس ہوئی۔
 "کیا تم ان چار ہندوستانوں کو دیکھ رہے ہو جو
 ہمارے ہاں نہیں جاتے میرے لئے دوست کا نام تھا۔ میں اس
 بیز کی طرف دیکھنے کا بھر پور چھا۔
 "کون ہیں لوگ؟"
 "میں نہیں جانتا مگر کچھ ہندو ملک کے نظر آ رہے
 ہیں۔" ہم ملنے نے جواب دیا۔
 "ملنگو؟"
 "میں نے حیرت بھری
 نگاہوں سے ملنگ کی طرف دیکھتے ہوئے انتظار کیا۔
 "ہاں۔۔۔۔۔ میں نے دیکھا کہ جب وہ اس
 جہاز پر اترے تو ان کا استقبال خود جہاز کے کپتان نے
 کیا اور ان میں سے دو دن کے ساتھ اس کے بہن میں
 آدھ گوند کی پلیٹنگ میں نہ جانے کیا کیا غم کرتے
 رہے۔" ہم ملنے نے پرسور پورٹ تیار کر رکھی تھی۔
 "دیکھیں یہ سب کچھ کیسے معلوم ہے۔" میں نے
 حیرت سے پوچھا۔
 "اگر میں کچھ وضاحت نہیں کر سکا لیکن ان کا
 رویہ یہاں ان کو ملک بھر ہا رہا ہے۔" کیا تم نے کوئی اندازہ نہیں
 لگایا۔" اس نے سوال کیا۔

اس خیال سے کہ وہ مجھے یہ خوف ہی دیکھے میں
 اس سے اس حد تک گھون پوچھا نہ وضاحت باقی اگر چاہے
 وقت میں اس بات کا مطلب ایک ہی نہ تھا۔۔۔۔۔
 اس کی کچھ بعد کے واقعات کی وجہ سے ان کی اس وقت میں
 کچھ نہ کچھ سا دوسری دنیا تھے کے وقت میں نے کئی
 مرتبہ ان ملکوں کو گوں پر نظر ڈالا۔ وہ ایک ملحد و بیز
 بیٹھے تھے اور ان کو جہاز کے ملازمین کی طرف سے دوسرے
 مسافروں کی نسبت زیادہ توجہ دل رہی تھی۔ ہاں میں اس کا
 میں تھا جو اس بات کو محسوس کر رہا تھا مگر یہ انگریزوں
 دوسرے کو اسے وقت نظر آ رہے تھے یہ انگریزوں
 لوگ اس سے باتیں نہیں کر رہے تھے اور نہ ہی میرے
 نظر آئے تھے شاید بہت زیادہ پہاں پند تھے۔

میرا اور ان جہاز پر حملے کے مطابق کوڑا۔ میں
 کہیں سے باجی جہاز کے سر نہ کرکے تھمنا تھا۔ وہ
 ایک سین شام کی کچھ دھم میں ڈوتا ہوا سرخ ایک سرخ
 تھا کہ ان کے ہاتھ پٹے پانی کی کد میں ڈال رہا تھا اور میں بہت
 اعلان میں اسے دیکھ رہا تھا۔ میرے پاس اسے جوڑ دیکھیں
 میں وہ دیکھیں بل جی جی گئے۔ کونے کا بہن جو دوسروں سے
 قدرے پرانا تھا ایک اس کا دور دورہ ملا اور کوئی باہر نکل کر
 عرس پر آجاس اور میری طرف تھا۔ وہ کوئی کد نہ
 لڑی گی جو اس کی لباس میں بیٹوں میں اس کے سر اور
 کندھوں پر کئی کئی چادر اور چہرے پر ایک تھا۔

یہ پہلا موقع تھا جب میں نے اس کی دیکھنا دلی
 خاتون کو اس جہاز پر دیکھا۔ وہ ایک بارب اور شاندار
 شخصیت والی خاتون تھی۔ اسے دیکھتے ہی میں نے ان کا
 لئے میرے لیے اپنی وقت کوڑی دے دیا اور قریب آئی تو
 میں اس کو بھی طرف دیکھ سکا تھا اس کی شادمانی ہوئی
 ٹاس سپاہی بڑی رہی تھی اسے کچھ اور مگر میں جاتھ
 جس سے اس نے اپنی جاسنہاں رکھی تھی اس کے
 سیدھے ہاتھ کی دوسری انگلی میں سرخ یا تو کئی کئی
 ہوئی تھی اس نے کوئی بڑی کی بڑی جوتی پہن رکھی تھی جس کی
 وجہ سے جب وہ چلتی تو عرس پر ٹک ٹک کی
 آواز بھرتی شایاں ہے۔ یہ سن ہو گیا تھا کہ میں نے بغور
 دیکھ رہا ہوں اس لیے وہ جلدی سے واپس مڑی اور اوتار
 اعلان میں چلی ہوئی اور وہ اپنے بہن میں چلی گئی۔

میں تا کہ میں اس کی ایک جھنگ کے میرے
 دل و درون پر کیا بڑا چھوڑا اسے دیکھ کر میں بہت ہی
 رہا تھا۔ وہ مشرقی حسن کا مکمل نمونہ تھی۔ اسے دیکھ کر وہ
 انگریزوں تک لگ میرے ذہن سے نکل گئے اور وہ چپکے
 گئی۔ میں نے جلدی سے لباس اور لڑائی کے کھالے
 کے لیے اٹھنگ میں چلا گیا۔ وہ لباس کی اسی کا خیال اور
 سراپا میرے ذہن پر چھایا اور میں پہلی طرح ہم ملنگ کی
 بات کی کہ اس کا جبر کی طرف جھکا مجھے یہ نہیں کیا کچھ
 بتا رہا تھا۔

میرا وہیوں کو اس نے والے کہیں کی طرف تھا۔

میں جاتا تھا کہ مسلمان عورتیں کئی جہازوں پر کھانے نہیں
 کرتیں سن ان کی مشرقی شرم دھا کا تقاضا تھا اس لیے وہ
 قیٹاس ڈانگنگ ہل میں جو عورتیں تھیں اس لیے میں اس
 کے متعلق کچھ معلوم نہ کر سکا۔

میں شاید اس کی جلدی پہنچتی ہوں اس لیے جلدی مجھے
 اور انہوں نے کئی کئی جلدی پہنچتی ہوں اس لیے جلدی مجھے
 اس کے بارے میں پوری معلوم تھی لیکن اور اس کا ذریعہ
 بھی ہم ملنگ تھا۔ ہم ملنگ کے پاس ہمیشہ خبروں کا ذخیرہ
 رہتا مگر میں اس کی کئی کئی کد سے نہیں کیا جاسکتا تھا۔ وہ
 ان میں مدد جو کچھ لیتا تھا جھنگ کی اس حسین کے بارے
 سے گفتگو میں تھے تھا کہ وہ دھن کے ایک مسافر خاندان
 سے گفتگو میں تھے اور پھر حیدر کد کر رہی ہے۔
 وہاں سے اسے دوسرے جہاز کے ذریعے یہود
 پہنچا تھا۔ ہم ملنگ پر کسی کی خبر رکھتا تھا مگر اس وقت وہ اس
 دشمنی شہری کے متعلق بھی خبر نہیں پانچا کیونکہ اس کی پوری
 قیود صرف ان جہازوں کا طریقہ لوگوں پر تھی۔ ان کے متعلق
 مجھے ہم ملنگ کی زبانی معلوم ہوا کہ وہ ایک ہندوستانی
 ریاست کے راجہ کے سفیر تھے۔ چونکہ ان کا کئی انجام
 کے لیے اس کی خبری جہاز پر موجود تھے ہم ملنگ بتانے لگا۔

"میرے دوست تم نے قیٹا اختلافات میں پڑھا
 ہو گا کہ ایک مشہور فرانسیسی گویا کہ "اولی ڈا لاس" اپنے
 زہر ات اور سہیل کی دوسری کئی اشیاء بنیلا کی کے ذریعے
 فروخت کر دی ہے تاکہ اس سے حاصل شدہ رقم سے کئی
 خیرین کو بارہ بانکے۔ اس میں اہم بات یہ ہے کہ اس کی
 بنیلا کی فروخت میں دن میں دس ہزار روپیہ کی شرح پر
 جو اسے لندن میں ایک شو کے دوران بہترین پر کارڈ مرس
 سے خوش ہو کر شای خاندان کے ایک فرد نے چن کر کیا
 تھا۔ یہ ہر اس گویا کہ وہ اب بنیلا کے لیے پیش کیا تو
 ہندوستان ریاست کے بعد نے اسے خریدا۔ اس طرح
 کئی سال اس طرح میں دینے کے بعد یہ بڑا مشرقی کاموں
 کر دیا گیا کہ اس سے یہ آیا تھا اور اب اس راجہ کے لیے سفیر
 تیرے گویا ہندوستان کے ہمارے ہیں۔"

ہم ملنگ کی بات سن کر میں نے کڑیاں ہنسا شروع

کوئی خاص چیز تھی جس کی وجہ سے وہاں سب جو رہتا۔ ایک گروہوں کا مسند پر نشی کے ایک چادر کی مانند ساپٹ بہرہ کا تصور پاکستان کے مین میں چھٹا آئس مسٹر ہمدی کی اپنی روحانی سحر کا مظاہرہ کرنے کے ساتھ ساتھ اخلاقی انتہا کے تحت ختم نہیں کے سہارا سے منتقل کر رہا تھا۔ یہ کہ ایک ہی شخص تیسرا موجود تھا جسے دیکھنے کے سبب تھک رہے تھے۔

علی خاں پر پھلے اس تیرے کو تلاش کرنے کے لیے
سبز پتھر بن کر درویش نے تقریباً بم کے ہوش بایا کوسہا
دے کر درویش کے قریب رہے جو صوفیہ سے بچتا رہا
اس کو کھانا ملا۔ اناؤں، جیڑی، کم سے کم کھانا اور دوا بچتا رہا
دیکھنے لگا مگر اس پر ہنسی نہ آ کر چیخا آفسیر نے فوراً اس کو
اسے باؤں تلے جا کر سل ڈالا۔

میں ایک دگر رہا تھا۔ پہلے ایک محافظ نے اس ہیرے کی مختصر تاریخ بیان کی اور پھر اس کے بعد ہر کسی کو بارہا بار دہرایا ہیرا چکر دوڑھینے کی اجازت دے دی۔ اپنی پہلی بار دہیرا دیکھنے کے بعد میں نے ہاتھ کی طرف بڑھاؤ اور جیسے سے ساتھ دلی اشتیاق سے پہنچی، میں مجھے سے پہلے ہی ہیرا دہری سٹر راکسن کے ہاتھ میں تھا۔ ہاتھ میں لے کر چھوٹی چھوٹی جلیلیوں میں اس ہیرے کو تمام لاپس کی ایک چھوٹی جلیلی میں چھ لگا جس میں اس ہیرے کو دیکھ کر میں نے جی کی ایک جے سے تیز دھڑکاؤ ہوا۔

[illegible]

انصاف کی روشنی کی تو وہ چھوٹا کم عمر لہجہ ادا کر دیا اور اس واقعہ کو
تیسرا کمرہ کی کھلی پر آکر ادا کیا۔ چھوٹے نے اپنی
پہرین کمرہ کی پہلی کھلی پر دیکھا تھا۔ چوتھی کمرہ کی
کھلی پر وہ خوف سے ایک دم چلی اور کھلی پر طرح
پر ٹکرائی۔ کمرہ کے اسے تو چھوٹا کمرہ تھا۔

سَمْع جَنْتَرِي
روحانی
2018

مؤلف۔ اقبال احمد مدنی

شائع ہو گئی ہے
مزید بک اشال سے طلب کریں

قیمت - 150 روپے

مسلل کامیابیوں کا تیسواں سال

[illegible]

وہاگو
اقبال احمد دنی

شعبہ انجمنی نوید اسکوائر کراچی
اردو بازار

021:32773302

کی دوسری طرف سے اس مردہ کو پورا اٹھایا اور مجھے دکھاتے ہوئے بولا۔ ”یہ خطرناک بالکل بھی نہیں ہے۔ یہ کچھ لوگوں کے ٹیک کو کسی نے کاٹ دیا ہے۔“ میں یہ کہہ کر حیران رہ گیا کہ وہ سچ کہہ رہا تھا۔ یہ مجھ کو اپنی سزا سے بچا رہا تھا۔

[illegible]

منظر میرا بہتر تھا۔ مہتمن اور دو تین دوسرے مسافروں کو چاند
 بادری کی چمکیں دھلاؤں نے روکا ہوا تھا اور ان کے سوٹ کیس
 اور دوسرا سامان گولی کرنا اسی لئے رہے تھے۔ مہتمن فیہ
 کے عالم میں پانچا سامان سمیٹ رہا تھا جو کابینہ پر اصرار
 آخر کھر پڑا تھا۔ جب اس نے میری طرف دیکھا تو کہنے لگا۔

”یہ ہے عزتی میری برداشت ہے باہر ہے میں
 نہیں جانتا یہ سب کس کے علم پر ایسا کر رہے ہیں۔ یہ اچھا
 اور بد نہیں ہے بلکہ اسے سامان سے ہیرا حاصل کرنے
 کی کوشش کہہ سکتے ہیں۔“

اس سے پہلے کہ میں اسے کوئی جواب دیتا میری
 نظر یادری مسٹر انکس پر پڑی تو کچھ عریضی کی طرف اٹھا۔ وہ
 اتنا سنی کہ غریبوں کا چشمہ درست کرتے ہوئے ملا۔

یہ سب غیر معمولی ہے پہلے تو جیہن لوگوں کو روایہ یاد ہوا۔“

ایک کر کے اسے کپڑے کے ایک چھوٹی میز پر رکھتا جا
رہا تھا اس طرح اس نے اپنی چھری چٹائی کی اوپر اس وقت
تک لیٹ کر سو جا جب تک کہ لیٹان سمیت ہر ایک شخص نے
اسی انداز میں چٹائی بند کی کہ گریز اور زلزلہ کا تانہ نہ اٹھو
لیکن میں نے خیر نہیں کی تھی اسی انداز میں چٹائی کی کئی کئی دہریں
بھی تھپو، لیکن لگاتار تین گریز اور زلزلہ۔ مجھ پر افسوس کہ وہاں
جاسے کہ اسے اجازت ملے کہ گریز اور زلزلہ کی اوپر اس کو جواب
دے کہ کوئل کی طرح وہاں گریز اور زلزلہ اس سے بڑے بڑے غمازوں
رہے جس میں اسے عافیت محسوس کر رہا تھا کہ جہاز کے پٹانوں نے
چیف آفسر کی سیٹھان میں خراب کاری کی کہ اوپر اس طرح چیف
آفسر نے مہلتوں کو سپاہیہ کے ہاتھ میں باقی جان چکا کہ کیک
میں سے کسی اس طرح فریضہ کا آئینہ بھی نہ ملے، لیکن اس کا
تھوڑے سی طرف وہ چاروں دیواروں میں افسوس کہ افسوس کہ

[illegible]

تھا۔ سوالیہ انداز میں ملحقین کی طرف سے پوچھا گیا۔

”کچھ آخر آیا کہیں سے۔۔۔“ اور نہایت عجیبہ و غریب انداز میں بولا۔ یہ سوال اس سے پہلے ہر کوئی ایک دوسرے سے شاید کئی بار بار پوچھ چکا تھا مگر کسی کے پاس اس کا کوئی جواب نہ تھا۔ میں نے بھی اپنا سر لگی میں ہلا دی اور دو خود بخود

ہٹانے لگا۔
 ”یہ کھلے مارٹ ہول سے آپا تھا اور اس کو کھڑا
 خصوصاً ماسٹی متعقد کے لیے اس جہاز پر بلایا تھا اور وہ غرض
 کہیں کے باہر مرے ہو جو رہتا جس نے یہ پھولیں سبز
 کے اندر پھونکا تھا۔“
 ”مگر آتی خوف ناک چیز۔۔۔“ میں۔
 خوف مجھ سے لے کر میں کہا۔

لوگوں کے چہرہ کوساں کے اس سے سے دروازہ جا رہا تھا
جہاں ہم کھڑے تھے تو اس نے جو مسکا تھا کہ یہ سب کے
بچے یا اشد سے ہو رہا تھا۔ ہو سکتا ہے اس کا کمر کھانے
جہاز سے واپس کے دروازے یا ہو۔ حیرت انگیز طور پر
میں نے سامان کی اس طرح سے صفائی نہ کی تھی کہ میرے
تک روکا گیا اور ایک ایک سولہ کپڑی کی بار کی گیا۔ اس
دوران میں ہم ایسا اس کا ایک کیمو میناظرہ سے روانہ
ہو چکے تھے اور وہ سب سے میں نہیں جانتا تھا ایک
نیکو انسان کی دود سے ایک ہوشیار مشہور ہے کہ
لیے ایک کروہا مل کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ مجھے تھا
کہ کشتی کی کوبو جا رہا تھا۔ اس کا سامان اور خود
پورٹ سمیر ہر ایک ایک تھا۔ اب مجھے اس جنگ دلی
دشمنی خانوں یا ایسا خوشتر میں تلاش کر تھا کہیں۔۔۔۔۔
میں نے نہیں جانتا تھا کہ کرات کو سنا ہے پہلے جو آخری
بستہ میں اس کا سرکاب ہو سکتا ہے۔

ہاتھ دین میں کیلئے یہ کتاب مجھے جلدی دے جس کا ہوا۔

☆.....☆.....☆

سطح شدہ پروگرام کے مطابق دوسرے دن دوپہر کی فرین سے مجھے کاہرہ روانہ ہوا تھا۔ صبح اٹھ کر میں نے ہوس کے ڈانگ ہل میں ناشتہ کیا اور پھر کچھ پرشہر کی میزمری میزمری گیلوں میں آدراہ پھرتا رہا کہ کہیں مجھے ایسا کیا ایک جھلک دکھائی دے جائے مگر میں اب دعا مانا۔ ہوا پر امان۔

[illegible]

عجب ہی کشش رکھتے ہیں۔ میں ان نظموں میں کھویا رہا
مگر میرا دل ابھی تک اس کے پاس ہی تھا جو کہیں غائب ہو
چکا تھی۔

اس وقت شام کا وقت گذر چھانے کے قریب تھا جب فرین کی ملازم کو ہونے لگا اور بعد ایک چھوٹے سے ریلوے اسٹیشن پر پہنچی۔ میں نے کوڑی سے باہر جھانکا تو لوگوں کے لباس اور وضع قطع سے محسوس ہوا کہ یہ کوئی قدری اور چھوٹا سا قصبہ ہے فرین دیکھنے کو روکی کہ پیٹھ قائم رہ کر سوجھ بکھڑوں کی تعداد میں ٹھیلے والوں کو رونا چہ فریڈوں سے کہیں کی طرح گویا سانس فریڈ پہلے بل ہوا۔ اتنا شوقہا کہ کان پر آئی اور سنا لی نہ تھی۔ میں کوڑی سے چپکسا اس دلچسپ مفکر کو دیکھا اور فرین کے دو بارہ منزل کی جگہ روانہ ہونے کو متھکر باہر جب ایک دروازے پر پہنچا کہ فرین نے اسے خبر نہ تھی تو مجھے ہراسہ ہونے لگا پھر اس سے پہلے کہ میں کسی کو دیکھتا ہوں میں کچھ بہ چھتا ریلوے اسٹیشن پر لگے گا اور پانچویں پر اعلان ہونے لگا کہ آگے ریلوے اسٹیشن پر کسی حادثے کی وجہ سے آج رات فرین کو کسی اسٹیشن پر رونا کر پڑے گا مزید سفر تک سب سے پہلے کہیں نہیں ہے۔ یہ اعلان سننے ہی مسافروں میں ایک آہلی کی جگہ جسے میں بالکل سب سمجھ نہ پایا اور کچھ بیٹھا

۴۔ ایک آدمی کے لئے جو بھروسہ عقائد کو سازشوں کی
انفریسی کے عالم میں تھا کہ اسے چاہئے کہ شہر میں
رات گزرنے کے لیے صرف دو گولی شہر سے جو کباب
کی غیر متوجہ ہٹانوں کی وجہ سے ہر طرح سے جمع کرتے
سازشوں کی اس عیاذ کا ذکر کاغذ پر ملتا ہے کہ وہ شہر میں
ہو گیا تھا جس کی رات گزرنے کی گارنٹی ہوئی آواز میں تو
کچھ عینا کاغذ کے رات پر چھوڑ دیا جس کی عکس اس کے لیے
کچھ عینا کاغذ کے رات پر چھوڑ دیا جس کی عکس اس کے لیے
خود کے کام کے لیے اس معاملہ میں قابل توجہ رہی کی کوئی
شہر میں کام کا ناکام تھا اور اس کی جگہ پر توجہ رکھنا اس کے لیے
جس سے خود کاغذ کے رات کے لیے ایک ایسی عکس تھی جس
جس سے وہ بھروسہ کر لے کہ اس کاغذ کے رات کے لیے

گزارہ کو ایک کرہ میں یا میں اس کا بہت شکر گزار ہوں۔
اس قسم کے میرا پہلا تجربہ تھا جو کمالی کا تجارت ہوا۔
مجھے جو کہ وہ ملکہ نہایت ہی خرد و کمال اس ہول سے تھا۔ سونے
کے لیے جو چیزیں وہ صرف کینے کی حد تک پہنچا۔ بہر حال
یہی کیفیت تھا کہ اس پر سونے کی کاپیت تھی۔ آج دنیا
رہے تھے کہ مجھ سے پہلے یہاں کوئی قاضی تھا جو شاید
یہاں سے جانا نہیں چاہتا تھا کہ میری خاطر اسے یہاں
سے چلا کر گیا۔ یادوں کو پختہ کرنے کے لیے سینٹ
سے زیادہ مٹی کے گھر سے کام لایا گیا تھا۔ یہ گھر نہ
صرف مجھوں بلکہ خوشنوں کی بھی آجاکہ تھا۔ یہی
عمرات میں سو گئی ہیں لیکن ایک عیب اس تک نہیں ہوئی
تھی کہ ایک خاص پوچھی جس سے میں بخوبی آشنا تھا اس
تک سے یہی تعارف قدیم عمری میں ہوا تھا۔ میں نے
قدیم عمری میں دریافت کیا تھا کہ یہ کس کے قریب ترین
تھا جبکہ انھوں نے قضاہ اور ہرمی تھے مجھے بڑے کچھ عجیب
سی بھی تھی جو میرے لیے نہایت نافذ ہو گئی۔

میں نے مسیحی کی دینی میں کس کے ساتھ ملا
تو یہ کچھ کہ حیرت ہوئی کہ وہاں کیڑوں کی ایک تعداد
ملانی بھی تھی یا جس کو کھٹل ملادی کہ جاسا تھا کہ وہاں
میں نے کہ وہاں چند گھنٹہ سونے کو ظم ہو کہ وہاں حیرت
کی بجائے ایک کمزوری جو ساتھ دے کرے میں کھٹلی
تھی اس کے اندر جانا تو یہ تو کچھ کہ جڑوں وہ کیا کہ وہ کرہ
شاید کہ پہل تھا تو تھا تو یہ لنگڑی پر کس کی بہت میرے
کرے کی بہت کے بہانہ کی کہ صرف ایک میزور چند
کرے کے سوال خالی تھا۔ میں نے اس کو کڑی یا
ملادی کے چند بندہ کہ وہاں سے پھرے گا کہ وہاں کھٹل
سوئے تھے۔ کچھ ہی دیر بعد کی جانب سے بڑا کچھ خوشنوں
دیکھنے کے میں فرما چکا کہ وہاں کو دور کرنے کے لگا کر وہاں
سے آ رہی ہے۔ سمجھو یہی وہی میں اندازہ ہو گیا کہ یہ
آزاد ہیں اس ملادی کی کوڑی کے پیچھے سے آ رہی ہیں۔
میں نے فوراً سمجھ لی کہ وہاں سے ہواں اٹھ کر اس ملادی
کے بہت کھول کر پیچھے جھانکنے کا۔ اب وہاں ایک حیرت
انگیر نظر ہوا سمجھتا تھا۔

میں یہ دیکھ کر حیران ہو گیا کہ وہاں مذہب یا ہوسا
لیی عمار اور جنگ میں ملیں میز پر چینی کی اور اس کے
ساتھ کرسی پر اس کا ایک چینی محافظ مصلحتی بیٹھا تھا۔ وہ
دلوں کو کھینچوں میں کی سٹلے پر گشت کر رہے تھے جس کا
ایک بھی لفظ نہ تھا۔ نہ دے رہا تھا کہ ان کی آواز کی آہنی
تھیں۔ سٹی تو چاہا کہ ڈرنا نہایتا کہ پکڑوں مگر جس چیز نے
میری زبان کو لنگہ اور پاؤں کو چاند کر دیا وہ ان دلوں کے
درمیان میز پر رکھا وہ ہندوستانی تیرا تھا جو ہر کی جہاز کے سر
کے وہاں میں چلا گیا تھا اور میں اس سے اسے لپک کی
روشنی میں جھلکا اور جھلکا جھلکا جھلکا دیکھ رہا تھا۔ میں
کچھ دیکھتا تھا۔ میں کیا تھا کہ کس کے ساتھ وہاں سے ہے
آجاکہ تھا۔ میں نے اس کو کس کے ساتھ وہاں سے ہے
چینی کو شاید اس کا اس سے ہو گیا۔ کیونکہ وہ ایک ملکہ امیر
پر رکھا وہ تیرا تھا اور کھلے ہی سے اس کی آنکھ پر پردہ لگایا
گر وہ میرا آنکھ کی ایک جگہ میں رکھا تھا۔ کچھ اور وہاں ملکہ اور
دو دلوں کے طرف دیکھنے لگا۔ اس وقت تک دو دلوں پر
کھل گیا تھا کہ ملکہ ملکہ اندر داخل ہوا۔ اسے دیکھ کر مجھے اپنی
آنکھوں پر پلٹنے نہ آیا۔ میں نے لکھ رہا تھا جسے میں کی خواب
دیکھ رہا ہوں۔ اس وقت میں ملکہ میں طرح پر دلا اور نظر آ رہا
تھا اس کے چہرے پر کڑی اور ہاتھ میں پر دلا تھا۔ جو میں
دو کرے میں داخل ہوا وہاں لائی جگہ جہاں کرکڑی ہو گئی
ملکہ نے وہی دلوں پر پر دلا اور یہی طرح اس کے ساتھ تھا
اور اس نے ایک چینی سے بڑے بڑے کچھ کہاں اس کی بات سننے
ہی ایک چینی کے چہرے پر خوف نہ گواہی اور یہ بات سننے
آجاکہ مراد ہوئے کرکہ ملکہ کے ساتھ وہ ہے اس دکھائی
دے رہا تھا۔

ایک دوسرے کی کچھ بہت کے بعد کہ چینی نے
اپنی آنکھ پر پردہ ملایا اور میرا لنگہ کرانی کیا پر رکھا اور
پھر اس چینی کو کچھ پر پہنچا اور پہنچا دیا۔ میرے یہی ملکہ
کے چہرے پر خوشی کے آجاکہ ابھرے۔ وہ آگے بڑھا اور
تقریباً مجھنے کے انداز سے میرا اٹھا لیا اس انداز میں
کے پیچھے دوڑنے کے بہرہ کہ ملکہ میں بڑھا کر وہی صورت
ہوا جیسے دیکھ کر جس حیرت کے دے تقریباً کچھ ہی اٹھا۔ یہ

لے جو تے دلا ہوا ہوا مسٹر لکسن تھا۔
کمرے میں تھیں ہی وہ بھٹن پر بیٹھنے کی مانند
جھپٹا اور اسے پر دلا کہ اس کی کٹلی پر رکھتے ہوئے
نہایت مروکھے میں بیٹا۔

"فائر لائٹ۔۔۔۔۔ میرے دوست تم اپنا وقت
ضائع کر رہے ہو۔ تم نہایت نا تجربہ کار جاؤں جاؤں
ہوئے۔ سو اب میرا لنگہ کر رہا ہے۔ میرا میرے حوالے
کر دو۔" یہ کہتے ہوئے اس نے اپنا ہاتھ آگے بڑھا
دیا۔ ایک چمکے ہوئے لکھنے اس نے اپنی نظر بھٹن پر عمارت کی
پر دلا اور کچھ بڑھتا تھا اس نے ملکہ کو کچھ دیکھنے کے عالم میں
اس کی بات مانا۔ یہی مسٹر لکسن نے میرا لنگہ کرانی
جس میں وہاں اپنا کچھ اس نے ملکہ کے ساتھ رہے اور
چھینا اور لے لکھتا ہے ہاتھ سے کھلے دوڑنے کے طرف
پہل ہاتھ اور کچھ سے وہ اپنے ہاتھ پر لکھ کر دیا۔ بھٹن نے
بے نیکی کے عالم میں اپنے کندھے پر لکھ کر دے اور دوڑنے کی
طرف قدم بڑھا دیا۔ یہ ایک لمحے کے لیے لکھن اس کی نظر
اور یہ ایک لمحہ اس کی چینی کی ہاتھ کے لیے نہایت تھا۔

وہ کھڑکی طرح اچھلا اور تقریباً اڑتا ہوا دیکھا
ملکہ پر چاروں طرف نظر پڑ کر گئے۔ اسے کچھ ہی
اسے ایک ہاتھ سے لکھن کا خوف دے دیا ہوئے اس
نے اپنی کٹلی کی آنکھ سے تباہی کی طرف دیکھا اور تیزی
سے دوڑا کھینچے سننے ہی تباہی ایک ہاتھ لکھتی اور پھر وہ
دوڑتی ہوئی کمرے سے باہر نکلی۔

میں اگلے آدھے منٹ میں بیڑی میں چھانکنا
ہوا چھانکنا گیا اور اس کے سینڈ بوس میں مسٹر لکسن کو
اسے کھول کر کھڑے ہوئے میں دوسرے تھا تو وہاں
گروں کو لے کر تھا شاید کچھ چینی کا ہاتھ ہوتے تھے پڑا تھا
اس کے علاوہ اس کو کڑی کڑی کڑی تھا اور وہ ہر طرح سے
مکھوڑ تھا۔ کچھ چینی کی غائب ہو چکا تھا۔
"میں نے اس کو کھو دیا ہے۔" مسٹر لکسن
نے لگتے خود وہ لکھتے تھے کب کہاں اس سے پہلے
کس کو کچھ بچھوڑا اور وہ لکھتا تھا۔ "ملکہ نے بہت عورت
ہاتھ سے لکھ لی اس کا کچھ مشکل ہے کیونکہ وہ نا کے

اس کے کو بہت بھی طرح جاتی ہے۔"
مسٹر لکسن کی بات سن کر میرا دماغ پوری طرح
مکھم تھا اور میں سوچنے لگا کہ کیا مجھ پر پاگل نہیں غلبہ پا
رہا ہے۔ کئی بہت اچھی کئی کی اس دن کے بعد میں نے بھر
بھی اپنا ہاتھ لکھ کر کچھ کڑی کڑی دیکھا اور تیزی بھی بھٹن
سے ملا تھا۔ وہی کا مشق کا کچھوں میں نے پوری طرح
مجھے کچھ تیرا کر دیا۔ وہ مشق کا کچھوں میں نے پوری طرح
مجھے کچھ تیرا کر دیا۔ وہ مشق کا کچھوں میں نے پوری طرح
ایک فرانسیسی خاتون کی جو اس ہندوستانی میرے کی تاک
میں ہی اس جہاز پر سوار ہوئی اس کی کھلی ہوشیاری اور چالاک
سے اس نے مجھے اپنا ہاتھ لکھ لیا۔ یہی اس کی تپس اس کے
غلاف لپکا چڑا کر اور کڑی کڑی گئی۔ یہی ساری معلوم تھی
مسٹر لکسن سے۔

وہ بہر طرح چینی کی خاص مقصد کے لیے لایا گیا
تھا اور اسے کچھ کے سینک میں بہت ہول کے ڈر لینے
اس کی کچھ ہی نے تباہی کے اثر سے بچھوڑا تھا۔ تباہی
نے ہی وہ شرت کا کچھ وہاں بچھوڑا تھا تا کہ کھٹکی کی مراد
جائے۔ جب سینک کے اندر لوگ کھٹکی کی کیفیت میں تھے
ہو اور اس حال کو دیکھتے تو وہ تباہی نے اپنا ہاتھ بھٹنے کے
بہانے بہت ہول کا کچھ دے دیا تھا۔ وہ تباہی پر بھٹنے کے
دیا تھا جس میں وہ اس کا کچھ چینی کی حفاظت کے لئے کچھ تھا
کسی کے وہم و گمان میں ہی نہیں ہو سکتا تھا کہ میرا اس کی
خالی کچھ گند ہے۔

اب سوال یہ کہ اس کی کئی میں ملکہ کہیں سے
آیا ملکہ کا اصل نام جو میرا لکھتا تھا۔ وہ امریکہ کا رہنے
والا تھا۔ فرما تھا کہ جو دنیا کے تقریباً ہر ملک کی تپس کو
مطلب تھا۔ وہ اس کی تپس کا کچھ شرم تھا کہ وہ تپس
اس سے زیادہ چالاک ثابت ہوئی۔ یہی مسٹر لکسن
کی تو وہ پوری پوری نہیں بلکہ اس کا لپٹا ہوا ایک سر ملکہ
میں اس کی کھٹکی کا کچھ وہاں کے دلوں کے پیچھے تھا۔ یہی وہاں
ہے جس کا آواز دہرائی تھا کہ میرا کچھ ہی دل لکھتا۔



اندھیزے سے اجالا

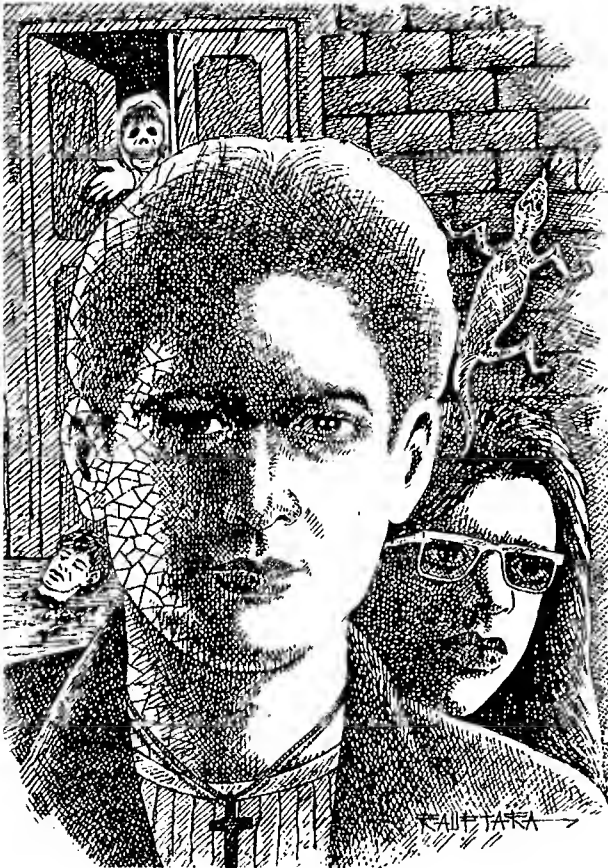
ملک خیم ارشاد- ڈیوٹ لیسل آباد

تیسری قسط

خوف کی وادی میں الشکھیلیاں کرتی گھٹنا ٹوپ اندھیزے میں جنم لینے والی، جسم و جاں کے رونگٹے کھڑے کرتی ناقابل یقین اور ناقابل فراموش ہل ہل لمحہ لمحہ اچنبھے میں ڈالتی خیر و شر کی کہانی

حقیقت سے دشمن کرکلی اپنی اہمیت کی عجیب و غریب دہلیز سے گھونسنے والی مردانہ

”کیوں..... کیا ہوا۔؟“ مہدائے نے خارج ہوئی۔
”سکراتے ہوئے پوچھا۔
”آپ نے مجھے بتایا بھی نہیں اور ذکر کی چھوڑ کر
”سنوٹوش نے بتایا۔
”پتا تمہارے پاؤں نے مجھے ذکر کی سے نکال
”پتا اور تم اسکیل میں تھے اس لئے تم سے مل نہیں سکا۔
مہدائے نے بتایا۔
”انگل ہی..... میں آپ سے آخری بار ملنے
آیا ہوں۔“ سنوٹوش نے مہدائے کی طرف دیکھتے
ہوئے کہا۔
”کیوں.....؟“ مہدائے حیران ہوا۔
”آخری بار کیوں.....؟“
”میں اب چھوڑ چکا ہوں اپنے ملا کے ہاں۔“
سنوٹوش نے بتایا۔
”نہیں کیوں.....؟“ حیرا نگی بدستور مہدائے کے
چہرے پر چھایا تھی۔
”پڈت کی کا کہنا ہے کہ اگر میں یہاں رہا تو
”میں اب چھوڑ چکا ہوں۔“ سنوٹوش طویں لہجے میں بولا۔
”اوه۔“ مہدائے کے منہ سے گہری سانس
”تجارت نامہ جنو کے باور والا جو سب کے نیلے
”کرتا ہے یعنی اللہ۔“ اب فرض کرو تین واسے ہیں ایک
”میں اندھیرا ایک میں ابالا اور تیرے میں غادرانہ
”مہدائے نے کون سا راستہ جنو کے۔“ مہدائے نے
”تجارت نامہ ہوئے پوچھا۔



میں ہلا۔

”دیکھیں۔۔۔“ میں حیران ہوا۔
”اور تمہیں اس لاکٹ کے متعلق کس نے بتایا۔“

اس بات کو چھوڑ کر مجھے کس نے بتایا بس وہ لاکٹ مجھے دے دو۔“ یہ کہتے ہی وہ میری طرف بڑھا ہوا دونوں اس سے چپٹ کی منڈیر کے پاس مکرے سے قریب پہنچے۔ یہاں نے مجھے بازوؤں کے پکڑا تو اس کے منہ سے ایک زوردار چیخ نکلی وہ پیچھے کی طرف اچھلا اور چپٹ سے نیچے جا کر۔۔۔ یہاں تک کہ کبیر سنستوٹ خاموش ہو گیا۔

”ہوں۔۔۔“ عبداللہ نے گہری سانس لی تھی۔
”رام میں ضرور کس شیطانی رد و کار کا ہوتا تھا۔“
”کیا مطلب عبداللہ اگل۔“ سنستوٹ حیران ہوا۔
”چھوڑو اس بات کو۔“ میں تمہیں ایک بات کی نصیحت کرتا ہوں جا ہے کوئی بھی ہو کوئی بھی ہو تم سے یہ لاکٹ اتارنے کے لئے کچھ نہیں اتاروں گے۔ دوسری بات دنیا کا کوئی بھی بڑا آدمی تم سے زبردستی یہ لاکٹ نہیں اتار سکتا کیوں کہ کسی کے لئے یہ لاکٹ نہیں اتاروں گے۔ سمجھ کر میری بات۔“ عبداللہ نے سخت لہجے میں تاکید کرتے ہوئے جواب مانگا۔
جواب سنستوٹ نے مضبوطی سے منہ میں لگا کر۔
”نیک ہے عبداللہ اگل اس میں چلنا ہوں میں بڑی مشکل سے اسے اجازت دے لے گا یا ہوں۔“
عبداللہ سر سر کیا اور اس نے سنستوٹ کو گھسے گا کیا۔

☆ ☆ ☆

شہر کے اسکول میں سنستوٹ آج چھٹا درجہ تھا کلاس کے تقریباً سب ہی لڑکوں سے اس کی دوستی ہو چکی تھی۔ اس کے اماور سامی نے اسے دل سے دیکھ کر کہا تھا اس کے اماور سامی کے دوست تھے ایک لڑکا جس کا نام سریش اور ایک بچی جس کا نام سامرا تھا وہ دونوں بھی اس کی کلاس میں تھے۔

”سنستوٹ ویسے گاؤں کی زرعی بڑی پرسکون ہوگی۔“ سنستوٹ کی ایک دوست زبیر نے پوچھا۔
”ہاں۔۔۔ اگل۔۔۔“ سنستوٹ نے انہیات میں سر ہلا کر ہوتے کہا۔
”تو کچھ تم یہاں کیوں آ گئے۔“ زبیر نے پوچھا۔
”میں مانگتا ہوں یہاں کچھ کیا۔“ سنستوٹ نے بتایا۔
”تو اس کا مطلب مجبوری کے کارن آئے ہو۔“ زبیر سر کیا۔
”میں جی بھلا۔۔۔“ جواب سنستوٹ بھی سر کیا۔
”ہنر تو ہمیں تو بہت خوش ہے۔“ سریش نے اور سامکھی نے ایک وقت سنا کر ہوتے کہا۔
”سنستوٹ تمہارے گاؤں کا نام کیا ہے۔۔۔“

”تھوڑی دیر بعد زبیر نے پوچھا۔
”جیلا پور۔“ سنستوٹ نے بتایا۔
”جیلا پور۔“ سنستوٹ نے سوچے ہوئے لفظ ”جیلا پور“ دو بار دہرایا۔
”تم کس رقبہ اگل کے بچے تو نہیں۔“
”ہاں۔۔۔“ زبیر نے کیسے پتہ چلا۔۔۔“ سنستوٹ قہقہہ سے ہلا۔
”بھڑکھڑکھیں تمہیں بہت اچھی طرح جانتا ہوں۔“ زبیر نے شوق سے بچہ میں ہلا۔
”وہ ویسے۔۔۔“ سنستوٹ جرات سے ہلا۔
”میں کی اسی گاؤں سے آیا ہوں۔“ زبیر نے مسکراتے ہوئے کہا۔
”ایک بات ہے کہ کسی ہماری ملاقات نہ ہوئی۔“
”اب تاہم دہم تم مجھے کیسے جانتے ہو۔“ سنستوٹ نے بچہ میں پوچھا۔
”تمہارے کارن سے جلا پور میں کافی مشہور تھے۔“ زبیر نے کہا۔
”اب آپ کہا کر کہ یہ بتا دیں کہ آپ مجھے کیسے جانتے ہیں۔“ وہ آپ کا احسان ہو گا کچھ۔“ سنستوٹ نے مضبوطی سے منہ میں لگا کر۔

”میں انہی گاؤں کا بیٹا ہوں۔“ زبیر نے بتایا۔
”کیا۔۔۔؟“ سنستوٹ خوش سے چلا۔
”ہاں میں اسی گاؤں کا بیٹا ہوں جہاں اکثر مجھے اور سام کو تمہارے کارن سے ملتا رہتا ہے۔ تمہارے کارن سے کافی دلچسپ تھے اسی کارن تمہارا نام مجھے یاد رہ گیا۔“ زبیر نے مزید بتایا۔
”تو اگل کا نام کس میں ہو گیا۔“ سنستوٹ نے چپکے ہوئے پوچھا۔
”ہاں۔۔۔“ زبیر نے مختصر سا جواب دیا۔
”تو کچھ راج میں ضرور اگل سے ملوں گا۔“ سنستوٹ نے کہا۔
”چھٹی کے بعد چلیں گے۔“ زبیر نے کہا۔
”سنستوٹ نے انہیات میں سر ہلا دیا۔
”چھٹی کے وقت وہ سب ایک جگہ اکٹھے ہو گئے لیکن انہیں زبیر کی نظر نہ آئی۔
”یہ زبیر کہاں چلا گیا۔“ سنستوٹ نے اور گرد نظر کر دوڑا کرتے ہوئے کہا۔

”پورا ہے تو وہ اب اسے ساتھ رہا اب نہ جانے وہ کہاں غائب ہو گیا ہے۔“ سامکھی نے کہا۔
”ٹھیک ہے کہ جانے کی جلدی وہاں سے بنا تا ہے ہی چلا گیا ہو۔“ سریش نے خند سے کہا۔
”یہاں سے تو تمہارا کہہ دو مجھے دیال اگل سے ملو گے گا۔“ سنستوٹ نے سوچے ہوئے کہا۔
”جیلا پور گھر پہنچنے میں کل میں گئے اس سے۔“ سامکھی نے اسے ہونے لہجے میں یوں۔
”چلو سنستوٹ گھر پہنچتے ہیں۔“ سریش نے سامکھی کا ساتھ دیتے ہوئے کہا۔
”وہ گھر پہنچے تو سنستوٹ کی مامی سرکھٹا کا سکرانا چہرہ انہیں دکھائی دیا۔
”اگل کے بچوں۔“ سرکھٹا نے مسکراتے ہوئے انہیں گھسے گا کیا۔
”جلدی سے ہاتھ دھو لو تب تک میں کھانا لاتی ہوں۔“

وڈاں دم سے فارغ ہو کر وہ بیٹوں کھانے کی نیکل پر آ بیٹھے اسی وقت دروازے کی تل بجی۔
”ہیں۔۔۔“ اس کے کون ہو سکے۔“ سرکھٹا بڑبڑاتی ہوئی دروازے کے قریب پہنچا۔
اس نے دروازہ کھولا تو سامنے بارہ۔ تیرہ سال کا ایک بچہ کھڑا تھا۔
”تمہیں آئی۔۔۔“ اس کے لڑکے نے دونوں ہاتھ جوڑے ہوئے کہا۔
”تمہیں بتانا۔“ جہاں سرکھٹا مسکرائی۔
”آئی میں سنستوٹ، سریش اور سامکھی سے ملنے آیا ہوں۔“ اس بچے نے اپنے آگے کی وجہ بتائی جو زبیر تھا۔
”امداد آ جاؤ بیٹا۔“ سرکھٹا نے اسے راستہ دیا تو زبیر مسکراتا ہوا امداد گیا۔
”اگر۔۔۔“ زبیر تم۔۔۔“ سنستوٹ دور سے چلا۔
”ہاں میں۔۔۔“ بچہ مجھے تم سے شکایت ہے۔“ زبیر نے بتاتے ہوئے ہلا۔
”شکایت۔۔۔“ شکایت تو ہمیں تم سے ہے۔“ جواب سنستوٹ جگڑتے ہوئے ہلا۔
”سنستوٹ بھلا اگل کیسے کہتے ہیں۔“ سامکھی نے سنستوٹ کا ساتھ دیا۔ ایک طرف کڑی سرکھٹا کی باتوں پر سرکھڑی تھی۔
”زبیر بیٹا بھوتوں تو کرو۔۔۔“ سرکھٹا نے کہا۔
”آئی تم جھوٹ کہتے ہو مجھے بہت کچھ ہے ہنر تو مجھ میں گھر میں ہی کارن گا۔“ زبیر نے کہا۔
”یہاں کرلو گے تو دیال اگل بھی تمہیں نہیں کہیں گے۔“ سامکھی نے بگڑتی میں تمہیں دے دیتا ہوں۔“ سنستوٹ نے کہا۔
”چلو۔۔۔“ تم خیر کی بات مان لیتے ہیں۔“ زبیر نے کہا۔ اور دیال پر کی ایک خالی کرسی پر بیٹھا تھا۔
”اچھا پہلے یہ تاؤ کرو۔۔۔“ ابھی زبیر نے اتنا

لڑکے کی طرف دیکھتے ہوئے ہوتا تھا۔

”ہاں کی تو جی“ لڑکی نے لڑکے کی طرف

دیکھا۔

”تو پھر... لڑکے کی دھڑکنوں کی رفتار تیز

ہو گئی تھی۔“

”پھر کیا...“

”ان کچھ... لڑکی نے سینڈویچ کے اوپر چڑھا

کورا تارے ہوئے کہا۔

”یا ہو... ہوئی نہ بات۔“ لڑکا چپکے ہوئے

بولی۔

”ہم اس جگہ پر ایک عالی شان ہوٹل بنائیں

جس کا نام چھاپا ہوٹل ہوگا۔“

”کا لگا رہے ہو مجھے۔“ لڑکی معنوی غصے

سے بولی۔

”سکا... میری جان میری ہر چیز تمہارے نام

عیا تو ہے۔“ لڑکے نے سکرانے ہوئے کہا۔

”جائے وہ جگہ ہمیں مفت دینے کے لئے کہا

ہے۔“ لڑکی نے کہا۔

”نہیں... شرمیں وہ جگہ مفت تو نہیں لوں گا

تمہارے چاکا اس جگہ کی قیمت دو گنی دوس کا آخر آئل وہ

میرے سرسری ہیں۔“ لڑکے نے کہا لڑکی جس کا نام

چھاپا تھا ایک دودھ اور تھوڑا کچھ شہد پڑی۔

”تمہارے ماما ابھی اسے انسان تھے جن کا آج

دیہانت ہو گیا۔“ لڑکا دکانی لہجے میں بولا۔

”اس لئے تم مجھے آج ہی واپس لے آئے

۔“ چھاپا متا ہٹے ہوئے بولی۔

”تم تو چاہتی ہو چھاپا کہ میں تمہارے بھائی

ہل بھی نہیں کروا سکا اور آج ایک ایسورنڈ میٹنگ بھی

ہے۔“ لڑکے نے سکرانے ہوئے کہا۔

اس سے پہلے کہ چھاپا کوئی جواب دیتی چھاپا کہ

کارڈ پر اسکرین پر کوئی بھاری چیز آ کر چھاپا کہ نہ

سے ایک دودھ اور تھوڑا کچھ شہد پڑی۔

سڑک کے پھول چھ کھمبے کی گاڑی کی دھڑکنیں اچھے

کھڑی کے بالے کی شکل اختیار کر چکی تھیں۔

”تک... تک... کیا ہوا شیل۔“ چھاپا

بولتا ہے ہوئے بولی۔

”شیل... شیل... لگتا ہے کوئی چیز کار سے کھڑی

ہے۔“ شیل حیرت زدگی کے ساتھ بولا۔

”مم... میں اب کر دیکھتا ہوں۔“

”جی... شیل۔“ چھاپا حیرتی سے

بولی۔

”مم... مم... میرا دل بہت گھبرا رہا

ہے۔“

”چھاپا اب دیکھتا ہے نہ... شاید کوئی کھانسی

ہو رہی ہو۔“ یہ کہتے ہوئے شیل کا کار دودھ اور تھوڑا

کچھ شہد پڑی۔

”کی کوئی بو کی چیز پڑی ہوئی تھی۔“

”ہیسیا... شیل پریشانی سے بڑبڑایا۔“

”لگتا ہے کوئی جانور ہے۔“

”شیل سن رہا ہے۔“ چھاپا گاڑی کے اندر سے

چلائی شیل دودھ اور تھوڑا کچھ شہد پڑی۔

”لگتا ہے کوئی جانور تھا۔“ شیل نے گاڑی

اشارت کر کے کینڈا کر گاڑی آگے بڑھا تے ہوئے

کہا۔

”یہ اسکرین...“ چھاپا نے ٹوٹی ہوئی دھڑ

اسکرین کی طرف اشارہ کیا۔

”اب شرمیں جا کر صبح کے سے عی تبدیل

کردانی جا چکی ہے۔“ شیل نے کہا اسی وقت لگتا

چھت پر کوئی چیز دودھ اور تھوڑا کچھ شہد پڑی۔

بولتا ہے میں حیرتی سے بریک پر پاؤں رکھ دے

اور کار ایک مرتبہ چلتی ہے۔“ شیل نے کہیں کچھ

کھمبے کی کار کے دھڑکنوں کی بو کی چیز پڑی تھوڑے سے

ہوئی سامنے چھاپا میں اس کار کی نئے دیکھ کر چھاپا کہ

دودھ اور تھوڑا کچھ شہد پڑی۔

”یہ کیا تھا۔“ شیل۔“ چھاپا

گھماتا ہے ہوئے بولی۔

”مم... میرے خیال میں تو...“ شیل کی

بات دودھ اور تھوڑا کچھ شہد پڑی۔

چھاپا میں سے لگی اور چھاپا کر گاڑی آگے خوف کے

باعث چھاپا کے منہ سے چپیں نکلے گئیں شیل کو کچھ

اور تھوڑے دیر میں اس نے گاڑی حیرتی سے واپس کی

اور سیدھی کر کے کینڈا کر گاڑی حیرتی سے آگے بڑھا

دی اس چیز کو دیکھ کر چھاپا دودھ اور تھوڑا کچھ شہد پڑی۔

پھر شیل نے دودھ اور تھوڑا کچھ شہد پڑی۔

ایک مرتبہ پھر وہ چیز سڑک پر بریک پر پاؤں مارے

وہ چیز حیرتی سے اٹھ کر سڑک کے کچھ کھڑی ہوئی شیل

نے کینڈا کر گاڑی اپنیٹے سے اس چیز کی طرف بڑھا دی

اس سے پہلے کہ کینڈا کر گاڑی اس چیز پر لگتی ہوئی آگے

بڑھتی گاڑی کے قریب آنے پر وہ چیز نقاد میں اچھلی اور

ہوا میں ہی کھم کر کار کی چھت پر آ کر ایک مرتبہ پھر

چھاپا نے چٹنا شروع کر دیا چھت پر بھی اس خوف ناک

چیز نے دودھ اور تھوڑا کچھ شہد پڑی۔

پڑے ہوا اور شیل نے بولکھام میں گاڑی کا

اسٹیرنگ چھاپا میں کی طرف گھمادی تیز رفتار گاڑی

چھاپا میں اس بات کو ایک درخت سے دودھ اور تھوڑا کچھ

چھاپا میں جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ شیل کا سر اسٹیرنگ سے

جا گھرا اور چھاپا گاڑی کی دھڑکنیں کو ٹوٹی ہوئی

گاڑی سے باہر جا کر۔

☆ ☆ ☆

”میں کالج کے ان دنوں کو بڑا اس کروں

گا۔“ مریش ایک سروراء بھر کر بولی۔

”تو اس میں اتنی چٹا کرنے کی کیا ضرورت

ہے تم اس سال مل ہو گا آگے سال تم اپنے ان کلاس

نفلے سے بھی جتنی کہہ رہے ہو گے۔“ میں کالج کے ان

دنوں کو بڑا اس کروں گا۔“ نرینر نے مریش کی ناگ

مینی تو دل ہلکے سے اس کے سامنے دوست قہقہے

لگاتے گئے۔

”اگر تم ہی پیارے تمہیں اس کالج سے

تو ہر سال مل ہو گا کرو۔“ ایک طرف کھڑے جی نے

کہا تو ایک مرتبہ چھاپا میں لگی تو چھاپا کی ہاتھ سن پڑی۔

”نہیں... نہیں... ایک ہی جی میرے بھائی کی

اسلف نہیں کرے گا۔“ سامعشی نے اپنا دایاں ہاتھ نقاد

میں بند کرتے ہوئے منہ ہٹاتے ہوئے کہا۔

”نہیں... بس ایک کئی بھی میرے بھائی کی ا

اسلف نہیں کرے گا۔“ جی نے سامعشی کی طرح اپنا

دایاں ہاتھ اسی کے انداز میں بند کرتے ہوئے منہ

بٹا کرے ہوئے کہا تو ایک مرتبہ چھاپا میں سے

بھائی کی چٹنی چھپتی ہوئی سامعشی اسلف کرتا ہے

تو بڑے دانت لٹکتی ہے۔

”ذہانت تم جیسے گھر سے نکلتے ہیں بے

دلف۔“ سامعشی نے تیرے پیچھے میں کہا۔

”تو اب جی کو گھر کا کدو میں ہوں کل تم اسے

بند کر رہی تھیں۔“ ایک طرف کھڑی کادری نے کہا

تو سب کے ساتھ کل کر سامعشی بھی قہقہے لگاتے لگی اسی

وقت ایک نوجوان خوب صورت لڑکا ان کے پاس سے

گزر گیا۔

”اسے رحم...“ جی نے اس خوبصورت

لڑکے کو دیکھ کر داری تو وہ کالج کے قریب آ گیا۔

”جی فرمائیے۔“ جی نے سکرانے ہوئے کہا

مسکان اس کے چہرے پر بڑی دلکش گھڑی تھی۔

”تم کل کادری کو کھوں گور رہے تھے۔“ جی

دانت پیچھے سے بولا۔

کادری حیرانگی سے جی کی طرف دیکھنے لگی۔

”جی میں...“ رحم حیران ہوا۔ “نہیں میں نے تو نہیں

گھرا۔“

”میں نے تمہیں خود دیکھا تھا۔“ جی کا لہجہ

منعبر تھا۔

”شاید تمہیں غلط فہمی ہوئی ہوگی۔“ رحم بدستور

سکرانے ہوئے بولا۔

”کیا بات ہے...“ جی... تم نے رحم کو کس

کار نام دیا ہوا ہے۔“ مستثنیٰ نے جی کے قریب آ کر

”چلو اونٹنی گھینے کے دوران اس کے مسلمان ہونے کی کہانی بھی سن گئیں۔“ اسٹیکر دیاں نے کہا۔ وہ دونوں عبداللہ کے گھر پہنچے تو ایک مسکراہٹ کے ساتھ عبداللہ نے ان کا استقبال کیا۔

عبداللہ کا گھر صرف دو کمرے پر مشتمل تھا۔ یہ کیا عبداللہ تمہارا مکان تو کافی بڑا تھا اور تھا بھی کہیں اور..... کیا اجاڑ ہے۔“ سنوٹو نے کے لہجے میں حیرانگی شامل کی۔

سنوٹو کی اس بات پر عبداللہ مسکرایا۔

”پہلی دولت میری کی اپنی نہیں تھی اب جو ہے میرا وہ اپنا ہے میرے ہاتھ کی کمائی سے پہلے والا مکان اور دوڑ کر فروخت کر کے میں نے کچھ فروخت کر کے تجارت کر دیا میری ماں کے ہاں کچھ خرید تھا جسے بیچ کر میں نے مکان خرید لیا اور اب دن کے وقت میں کالج جا تا ہوں اور کالج سے فارغ ہونے کے بعد جا بجا کرتا ہوں۔“ عبداللہ بتایا۔

”اتنی سادگی جائیداد تم نے غریبوں میں بانٹ دی۔“ اسٹیکر دیاں کے لہجے میں سب سے بڑا حیرانگی۔

سنوٹو کی تم حیران تھا۔

”وہ سادگی برابر کی میرے باپ نے حرام کے پیسوں سے بنائی تھی جب میں اپنی اصل منزل پر پہنچا تو مجھے معلوم ہوا کہ پہلے میں اندر میرے میں ہاتھ پاؤں مار رہا تھا لیکن پھر مجھے عبداللہ تعالیٰ کا کرم ہوا اور میں اس اندر میرے سے باہر نکلنے کی نگرانی میں نے ایک لمحے کی بھی غفلت نہیں کی اور اس مادہ پر چل پڑا اور میرے اور دماغ ہی اچھلا ہو گیا اندر میرے سے تمام سامان بدل چسے گئے۔“ عبداللہ بتایا۔

”کیا تم میں ہاتھ سے وہ عبداللہ کے تم نے اپنا ہزارہا کیوں چھوڑا؟“ اسٹیکر دیاں نے مجھے لہجے میں پوچھا۔

”میں نے دھرم چھوڑا نہیں اسٹیکر صاحب بلکہ اصل مذہب میں داخل ہوا ہوں یہ ایک ایسا مذہب ہے جس میں ہمیں زندگی کے سب سے کمزور تکیہ کا سامنا کرنا معلوم پڑتا ہے یہ بھی پتہ چلے گا کہ انٹوں والا سرگھر

ہے اور پھولوں والا راستہ کدھر ہے یہ ایک مکمل مذہب ہے اسٹیکر صاحب جو میں بتاتا جا رہے کہ دنیا بھر کے مال ایک سے انسانوں کو بھاننے والا ایک ہے ہر چیز کو بھاننے والا صرف ایک اللہ ہے۔“ عبداللہ نے بتایا۔

”تمہاری اس بات کو تو میں بھی مانا ہوں۔“ سنوٹو نے اثبات میں ہلکا سے ہونے کہا۔

”ابھا تم نے یہ نہیں بتایا کہ تم مسلمان کیے ہوئے۔“ اسٹیکر دیاں نے عبداللہ کو دوبارہ موضوع کی طرف ہٹایا۔

”ہاں اسٹیکر صاحب میں بتاتا ہوں اس دن میری ماں کی طبیعت بہت زیادہ خراب تھی ڈاکٹر کو بلا دیا تو اس نے کہا کہ میں بہت خراب ہے ہسپتال میں ایڈمٹ کرنا پڑے گا ہسپتال کے کمرے تو دن ماں کے لئے خون کی اشد ضرورت پڑ گئی ڈاکٹر نے خون کا گروپ بتایا تو مجھے یاد آیا کہ مجی کے خون کا گروپ بھی وہی ہے جو میری ماں کے خون کا ہے میں نے بھی سے کہا تو اس نے صاف انکار کر دیا میرا جان رہ گیا مجھے بھی سے یہ امید نہ تھی اور میں کہ حالت کافی خراب تھی میں پریٹان سا کالج میں بیٹا ہر دوست سے پوچھا کہ مجی کے خون کا گروپ ماں کے خون کے گروپ سے نہیں ملتا تھا میں بھی کالج میں موجود تھا نہ میں اس سے کہی بات کی اور نہ ہی ماں نے مجھے کوئی بات کی۔

میں بیٹا ہوا تھا اور مجی کے بارے میں سوچ رہا تھا۔

”کیا بات ہے منوج کچھ پریٹان لگ رہا ہو۔“ ایک نرم آواز میرے کانوں سے گزری۔

”ہاں..... پریٹان تو میں ہوں۔“ میں نے آہستہ سے کہا۔

”میری ماں کی حالت کافی خراب ہے انٹوں کی ضرورت ہے اور مجی کا خون ان کے خون کے

گروپ سے مل کر کھاتا ہے۔“ میں نے بتایا۔

”جو پھر تم جی سے بات کرو کہ..... مجھے سے کہا گیا۔“

”کیا تم جی پوچھو..... میں دیکھ کے عالم میں رہا۔“

”کیا سن گئے..... مجھے سے پوچھا گیا۔“

”میں نے صاف انکار کر دیا۔“ میں نے کہا۔

”کیا سن گئے..... تمہارا بیٹا فریڈ ہے۔“ آواز میں حیرانگی شامل تھی۔

”ہوں..... فریڈ سے میں بھی سمجھا تھا۔“ میرے لہجے میں دھکا غصہ شامل تھا۔

”تمہاری ماں کے خون کا گروپ کیا ہے..... پوچھا گیا تو میں نے بتا دیا۔“

”میرا دل بے پروا ہو گیا وہ دوسرا بھی کہہ کر کہہ گیا۔“

”کیا سن گئے..... آج کل مجھے ہونے میں نے اپنی آنکھیں کھولیں تو وہاں کوئی نہیں تھا میں حیرانگی سے اور گردو گرد پھینکے۔

”خدا میرا دہم تھا..... میں بیڑیاں کالج سے فارغ ہونے کے بعد میں ہسپتال پہنچا تو ڈاکٹر مجھ پر بڑک پڑا۔

”کیا میں چلے گئے تھے تم..... پتہ ہے تمہاری ماں کی حالت تھی خراب ہو گئی تھی۔“

”ڈاکٹر صاحب میری ماں..... انکا کہتے ہوئے میں مرد پڑا۔

”ارے..... ارے چھتے کیوں ہو رہے ہو..... وہ تو مجھ سے ہے تمہارا دوست آگیا اس کے خون کا گروپ تمہاری ماں کے خون کے گروپ سے ملتا تھا۔ اس کا خون مجھے سے تمہاری ماں کی حالت اب کافی بہتر ہے۔“ ڈاکٹر نے پہلے گھبراتے ہوئے اور پھر سکراتے ہوئے کہا۔

”وہ..... وہ بھی سے نہ“ خوشی کے باعث میرے من سے نکلا۔

”ہاں تو مجھے اس کا معلوم نہیں کیونکہ اس سے بہت اگھر جیسی تھی اس لئے میں نے نام نہیں پوچھا۔“ ڈاکٹر نے کہا۔

”جو دیکھی ہوگا۔“

”گگ..... کہاں سے وہ..... میں نے پرتیشین لہجے میں ڈاکٹر سے پوچھا۔

”ڈاکٹر نے کہا تو میں حیرتی سے اپنی ماں کے کمرے کی طرف بڑھا میں اندر دھوا ہوا تو صدمہ کرک کرک کیا اندر بیٹھے تھے کوئی کمر میں حیران وہ گیارہ دہائی تھی جس سے میں بے جا ناچنا کرتا تھا۔

”کیوں رنج..... رنج..... صحت..... تم.....“

”میں نے بھلائے ہوئے کہ ایک تو رنج پہلے چلا اور پھر اس نے میری طرف دیکھا اور سکراتے ہوئے لولا۔

”آؤ منوج..... اب تمہاری ماں خطرے سے بالکل خالی ہے۔“

میں بھول بھول قدموں کے ساتھ اس کی طرف بڑھا۔

”صحت..... صحت..... تم نے میری ماما کی کوخون دیا۔“ میں نے بھلائے ہوئے پوچھا۔

”ہاں..... میں نے ہی تمہاری ماں کوخون دیا ہے تم بھول گئے تھے جب تم کنکین میں بیٹھے ہوئے تھے میں نے تمہیں پریٹان دیکھا تو تم سے پریٹان کی وجہ ہی میرے خون کا گروپ تمہاری ماں کے خون کے گروپ سے ملتا تھا اس لئے میں نے تمہاری ماں کوخون دیا میرے خون کے چند قطرے تو میں تمہاری ماں کی زندگی بچ گئی مجھے اور کیا چاہئے۔“ رنج نے سکراتے ہوئے کہا۔

”..... پوچھو تو اور دھرم..... ابھی میری بات چاہی کی کہ تم نے مجھے بھی بھول گئے۔

”اس میں دھرم مذہب والی تو بات ہی نہیں اور اگر دھرم کی بات کرتے ہو تو ہمارا مذہب اسلام ہی اعجازت دقتا ہے کہ ہر ایک کی مدد کر دیا ہے وہ کسی دھرم یا مذہب سے تعلق رکھتا ہو اسلام یا نہیں اس بات کی تعلیم دیتا ہے کہ ہر ایک کی مدد کرے کیونکہ انسان ایک اللہ ہی کے بنائے ہوئے ہیں اللہ ہی ہے جو مشکل وقت

اے بندے کی مدد کرتا ہے جب اللہ تعالیٰ اپنے
سے کسی مددگار یا مددگار دیکھ کر نہیں کر سکتا تو ہی اللہ ہم
ابنی برہمگی خاص کر اس کے نبی حضرت محمد کی امت
جس کی بات نیک کرتا ہے کہ وہ کسی مددگار چاہے وہ فقیر
چاہے بادشاہ گورہ ہو یا کالا مذہب والا ہو یا فقیر
ہم۔ ”رحیم نے مجھے آگاہ کیا ایک حیران کن سچائی
تھی۔ ”م۔ م۔ م۔ مجھے معاف کر دو یہ تم میں تم
نے نفرت کرنا ہوا اور تم۔ ”اتنا کہہ کر میں ریم کے
سوں میں گر پڑا۔
”ارے۔۔۔ ارے۔۔۔“ اس کے آگے
بکھڑے نہ تھا ہری مدھی سے میری کیا اوقات ہے
”رحیم نے جلدی سے مجھے اٹھانے ہوئے کہا۔
”بس! انکھڑ صاحب بھگیا وہ دیکھی جس کی وجہ
سے میں اللہ کے مسلمان ہو گیا۔“ یہاں تک کہ ہر ممبر اللہ
خاموش ہو گیا۔
”ہوں۔“ یہ رحیم نے واقعی بہت اچھا کام
کیا اس کی بات بالکل سچ ہے کسی کی مدد دیکھ کر نہیں
کر لی چاہئے۔“ انکھڑ دیاں متاثر ہوئے ہوئے بولا۔
خون دینے کے بعد رحیم نے مجھے تر آئی آنچوں
کو سکھا دیا جس سے میری ناں جلد ہی چلنے پھرنے کے
قابل ہو گئی۔
میرا اللہ نے مزید بتایا۔ ”جی ہاں! اسی کارن تم سے
نفرت کرتا ہے۔“ سنو سنو نہ پوچھا۔
”ہاں۔۔۔“ میرا اللہ نے اثبات میں سر ہلاتے
ہوئے کہا۔
”غایہ بری طرح اللہ جی پر کسی کو مدد دے۔“
میرا اللہ ہم دیا کے کس کے کارن تم سے ملنے
آئے ہیں کیا اس مسئلے میں تم ہماری کچھ مدد کر سکتے ہو
کیونکہ تم ہمارا گلوں فریضہ تھا۔“ انکھڑ دیاں اصل
موضوع کی طرف آ گیا۔
”ہاں۔۔۔“ میرا اللہ کے منہ سے نکلا۔
”انکھڑ صاحب! مجھ سے بہتر آپ کون کس کے
بارے میں کاوری کا متعلق ہے۔“ میرا اللہ نے عجیب

”اس میں کہنے کا خون کیا جاؤں گا۔“ وہ اٹھنے
کا تو کاوری نے کہہ کر اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔
”کوئی کتا نہ کہیں بھئی اس نے انکھڑ دیاں
کو تھامے بارے میں بھی کچھ نہ بتا ہوا وہ اگر تم نے
کچھ میرا اللہ کہا تو پوس کا سارا حق تم پر جائے
گا۔“ کاوری نے اسے تھامے ہوئے کہا۔
”پوس میرا کچھ نہیں دے سکتی۔“ یہی کا غضب
ابھی بھی عروج پر تھا۔
”سے کے چکر کو کچھ کر میری جان ایسے
مردوں پر عقل سے کام لیا جاتا ہے۔“ کاوری نے
بیارے اسے سمجھاتے ہوئے کہا تو وہ گورا ہوا انکھڑ
”تمہارا یہ پریم ہی تو ہے جس کے کارن میں
چپ رہتا ہوں۔“ یہی نے سکر مارتے ہوئے کہا تو
کاوری بھی سکرادی۔
”دوہے ایک بات پوچھوں جی۔“ کاوری نے
خوش سے یہی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔
”پوچھو۔۔۔“ یہی نے عجیبہ دیکھے میں کہا۔
”کہیں دیا کی انتہا میں تمہارا ہاتھ تو نہیں۔“
کاوری نے عجیب سوال پوچھا۔
”ک۔۔۔ سن۔۔۔ سن۔۔۔“ یہی تو۔۔۔ جی یکدم
گھبرا گیا۔
”تو پھر تم اتنا گھبرا کیوں رہے ہو۔“ کاوری نے
شے کے سے غرور سے یہی کی طرف دیکھا۔
”م۔ م۔ م۔“ میں کہا کہ گھبرا ہوا ہوں۔“ جی
دروہی سکر مارتے ہوئے بولا۔
”مجھے کا شاید تم گھبرا گئے ہو۔“ کاوری نے
بستروہی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔
”نہیں تو۔۔۔ م۔ م۔ میں بھلا کیوں گھبرائے
گا۔“ یہی تو مجھے سچے میں بھلا گیا۔
”دوہے سوچنے والی بات ہے یہ کہ دیا کی انتہا
آخر کی کس نے۔“ کاوری نے یہی کی طرف دیکھتے
ہوئے کہا۔
”ہاں۔۔۔ سوال تو کافی الجھا ہوا ہے۔“ جی

”وہرم والی بات اس میں کہاں سے آگئی۔۔۔“
 ”سنو ش کوٹھنا گیا۔“
 ”تو اور کیا کارن ہو سکتا ہے بھلا۔“ جی نے
 بظاہر سنو ش سے جواب مانگا۔
 ”مجھے خیال ہے تو عبد اللہ نے یہ خون ہی
 نہیں کیا۔“ سنو ش نے کہا۔
 ”میری جان سنو ش۔۔۔ جس خبر سے یہ خون
 ہوا ہے اس پر عبد اللہ کی انگلیوں کے نشان ہیں۔ جی
 نے منہ بنا تے ہوئے کہا۔
 ”اے عبد اللہ کا تو حرم ہی نہیں ہے۔“ رام
 رام کا باری نے کانوں کا ہاتھ لگا کر کہہ دیا۔
 ”دیکھا سنو ش بھیاہ سونو ج تھا تو ٹھیک تھا
 عبد اللہ پتہ ہی تھا میری۔“ ساشی نے کہا۔
 ”یہ دو فائنات ہمیں مت کرو ساشی میرے
 خیال میں اس ہتھیار میں حرم یا ذہب کا کوئی ٹکڑ
 نہیں۔“ سنو ش سخت لہجے میں بولا۔
 ”اور کس چیز کا تعلق ہو سکتا ہے بھلا اس نے اس
 کی ہتھیار کی ہے جس نے اسے حرم سے مجھ راقھا تھی
 رجم کا۔“ سریش نے کہا۔
 ”کچھ سریش جب تک انڈی میچیں نہیں
 ہو جاتی جب تک ہم کوئی فیصلہ نہیں کر سکتے۔“ سنو ش
 نے ٹٹنی میں سر ہلایا۔
 ”انڈی میچیں تو ہو سکتی ہے سنو ش۔۔۔ چائی
 تیار ہے تجھے خبر پر عبد اللہ کی انگلیوں کے نشان ہیں کھرکا
 پچھلا دواڑہ جو ہر جا پر کھینکھا ہے اس کے پینڈل
 پر عبد اللہ کی انگلیوں کے نشان ہیں جس سے چائی نے
 عبد اللہ کو گرفتار کیا وہ اس سے رجم کی ہتھیار کرا تھا۔“
 اس دلدہر میرے نے کہا۔
 ”ہاں۔۔۔ سنو ش نے ایک گوی سانس لی تھی
 ”ٹھیک ہے کالج سے فارغ ہونے کے
 بعد میں دیال انکل سے ملتا ہوں۔“
 کالج سے فارغ ہونے کے بعد سنو ش پولیس
 انٹیشن پہنچا اس نے سب سے پہلے مرشد سے ملاقات کی۔

”یہ کیا عبد اللہ تم نے اپنے محسن کی ہتھیار
 کر دی۔“ سنو ش نے عبد اللہ سے پوچھا۔ جولا خولنا
 کے پیچھے کھڑا تھا۔
 ”اسی کارن لوگ طرح طرح کی باتیں کر رہے
 ہیں۔“
 عبد اللہ سرکرایا اور بولا۔ ”لوگوں کا تو کام ہی
 ہے سنو ش ہائی تھیں اے اللہ پر پورا ہمار دسہ بد و مکرور
 مجھ پر رحم نہ کرے گا۔“
 ”کیا مطلب۔۔۔؟“ سنو ش جران ہوا۔
 ”میں جس بات کی ہتھیار نہیں سمجھتا۔“
 ”یہ تم کا کٹن میں نے نہیں کیا۔“ عبد اللہ نے
 عجیب بات بتائی۔
 ”کیا۔“ سنو ش کا انداز چلانے والا تھا۔
 ”نہ تو کتا نہ جوت تمہارے خلاف ہیں۔“
 ”مجھے کبھی جو بھڑا آتا ہے سنو ش دنیا ہوتا نہیں
 لیکن جب نگاہوں کے سامنے سے دھند چلتی ہے
 تو ہر طرح موم صاف ہو جاتا ہے اور ساری باتیں دواڑ
 ہو جاتی ہیں۔“ عبد اللہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔
 ”یہ کیا عبد اللہ تم سلاخوں کے پیچھے کھڑے
 ہو اور بات بات پر سرکرا رہے ہو۔“ سنو ش کے لہجے میں
 جرات کی مثال تھی۔ ”میں تپ ڈروں جب میں نے کوئی چیز
 کیا ہو۔“ کھنکھ رجم کے لیے موت پر ہے ہائی رقی مکر
 بات تو تھانہ اللہ جلد میرا اللہ مجھے پر رحم کرے گا اور س
 سلاخوں کے باہر ہوں گا۔“ عبد اللہ پر تھیں لہجے میں بولا۔
 ”مجھے بھی دشوار تھا عبد اللہ کرم فردوز
 ہو اور اب تم سے ملنے کے بعد وہ دشوار کیا ہو گیا۔“
 ”اے سنو ش سنو ش جی مسکرایا۔
 ”ہو اگیا تھا عبد اللہ۔“
 ”میں اپنے گھر پر تھا کہ رجم کا کون کا آیا اس۔
 مجھے گھر پر بلا یا میں جب اس کے گھر پر پہنچا تو دواڑہ کھ
 ہوا تھا اندروں میں ہوا تو میں جران ہوا مگر کھینکے سائے
 فرش پر رجم تڑپ رہا تھا اسی وقت مجھے ہاتھ تھکے تو دوا
 کی آواز سنانی دی میں سمجھ گیا تھا کہ پہلے دواڑہ نہ۔

باہر بھاگ رہا ہے میں تیزی سے پہلے دو دواڑے کی
 طرف بھاگ کر مجھے گاڑی اسٹارٹ ہونے کی آواز سنانی
 دی میں پہلے دو دواڑے کے قریب پہنچا تو ایک گاڑی
 تیزی سے آگے بڑھتی تھی اسے پینڈل پکڑ کر دواڑہ بند
 کیا اور رجم کے قریب آ گیا۔“
 ”محب۔۔۔ عبد۔۔۔ عبد۔۔۔ اللہ۔۔۔ ج۔۔۔“
 ”رجم آتا ہی کہہ گا پھر اس کی سانسوں نے اس کا
 ساتھ چھوڑ دیا میں نے انہماں میں رجم کے پیچ میں
 کھنکھ رجم کیا پھر نکال دیا اسی وقت وہاں پولیس آ گئی۔“
 یہاں تک کہ رجم عبد اللہ کاٹن میں ہو گیا۔
 ”ہاں۔۔۔ تو اس کا مطلب ہتھیار کوئی اور
 ہے۔“ سنو ش سوچے ہوئے بولا۔
 ”ٹھیک ہے عبد اللہ میں دیال انکل سے بات
 کرتا ہوں۔“ سنو ش نے کہا تو عبد اللہ نے انہما
 میں سر ہلایا۔
 ☆۔۔۔☆۔۔۔☆
 ”ہائے جی۔۔۔ کیسے ہو تم۔۔۔؟“ کاوری جی
 کے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے بولی جوبینہ پر لیٹا جی
 کی کے کچن میں بدل رہا تھا وہ کھ کھینک رہا تھا۔
 ”میں ٹھیک ہوں۔۔۔ تم سناؤ۔۔۔“ وہ خوش
 دہے ہوئے بولا۔ کیونکہ کاوری کے آنے سے اسے
 خوشی تھی جی کاوری کی کمرے میں موجود کرسیوں میں
 سے ایک پر بیٹھ گیا۔
 ”ٹھیک ہاں۔۔۔ جی نے کاوری سے پوچھا۔
 ”میں بھی ٹھیک ہے۔“ میرا دل نہیں چاہ
 با۔“ وہ ڈراما جھٹلا ہٹ سے بولی۔
 ”اچھا ٹھیک ہے جیسے تمہاری مرضی۔۔۔ جس
 بولی۔۔۔ جی نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔
 ”ہاں کھانا۔“ کاوری نے انہماں میں سر ہلایا
 جی علامہ کوڈہ ڈانڈیں دینے لگا تو جی دیر بعد ملازم
 لگاں بیڑوں کے کدھ کا باہر نکلا گیا۔
 ”دو پے جی جی دواڑہ پر بولی جی جی ہوتی ہے کہ کیا
 کسی کی ہتھیار بھی کر سکتا ہے۔“ کاوری نے جوں کا

مکھنٹ پیچے ہوئے کہا۔
 ”تھیں تو وہ دی نہیں کر سکتا۔“ جی عجیب سے
 انداز میں بولا سادھی وہ ہنسا بھی۔
 ”کیا مطلب۔۔۔؟“ کاوری عار مان ہوئی۔
 ”رجم کی ہتھیار عبد اللہ نے کہاں کی ہے وہ
 تو بالکل فردوز ہے۔۔۔ جی نے عجیب بات کی۔
 ”تو پھر کس نے کی ہے رجم کی ہتھیار۔“ کاوری
 نے پوچھا۔
 ”میں نے۔۔۔ جی نے کہا۔
 ”تت۔۔۔ تم۔۔۔“ کاوری جی راجے سے
 ہٹا لی۔
 ”ہاں۔۔۔ میں نے عبد اللہ کو اس ہتھیار میں
 پھنسا یا ہے اور وہ بھی صرف تمہارے کارن۔“ جی کہتے
 ہوئے رک۔
 ”مجھے رے کارن۔۔۔“ کاوری کی حیرت
 میں مزید اضافہ ہو گیا۔
 ”ہاں تمہارے کارن۔۔۔ یاد ہے اس دن جب
 تم نے مجھے بتایا کہ دبا کی ہتھیار کے سلسلے میں پولیس
 کو عبد اللہ نے تمہارا نام بتایا ہے تو میرا خون کھول اٹھا
 اور میں نے اسے سبق سکھانے کا سوچا جو رجم سے مجھے
 پہلے ہی سخت نفرت کی اور اب عبد اللہ سے بھی ہو گئی تھی
 میں نے رجم کی ہتھیار کرنے کی سوچی، میں اس کے
 گھر پر پہنچا اب کلنگ دیکھو وہ عبد اللہ کو کون پرانے
 گھر پر بلار راقھا اب میں نے خانے کے بغیر رجم کے
 سامنے آ گیا۔۔۔ کیسے ہو رجم۔۔۔ میں نے سخت لہجے میں
 وہ جرات سے کھولا۔۔۔ جی۔۔۔ تم۔۔۔“
 ”ہاں۔۔۔ میں۔۔۔“ میں نے مزید ہی مسکرایا۔
 ”میںاں کیا کر رہے ہو تم۔۔۔“ اس نے بھی
 مسکراتے ہوئے پوچھا۔
 ”میں یہاں تمہاری ہتھیار کرنے آیا ہوں۔“
 میں نے جب سے چاقو نکالے تو کہہ دیا۔
 ”تھیں۔۔۔“ وہ دستور مسکراتے ہوئے بولا۔
 ”ہاں۔۔۔“ تاکہ کمرش نے آنے کے بعد کر

”کل ہا ہا ہا.....“ جی نے دوبارہ اسے باہر کی طرف بھیجا۔

”ب..... ہب..... ہب.....“ بھاد..... ”Help“ کا دہرائی جیتے ہوئے بولی یہ دیکھ کر وہ چادر مل جھٹکے گا لگے ڈراما تیر سٹ پڑھا اور لاگھی باہر آ گیا تھا۔ ”کوئی فائدہ نہیں کا دہرائی یہاں دروازہ کس کا کھ نہیں ہے..... چلو اب.....“ ان کا تھک کر جی نے کا دہرائی کو باہر بھیجا اور سڑک سے اتر کر ایک طرف بنی کیڑی بڑی گلی کے گاہ بھی کے تینوں دوستوں کے ہاتھوں میں پھول نظر آ رہے تھے کا دہرائی پار پار اچھا پیہ نظروں سے آ جان کی طرف دیکھ رہی تھی دروازہ پانچوں کے علاوہ کوئی تھا چلتے چلتے وہ ایک کچے مکان کے سامنے رکے۔

”دروازہ کھلو.....“ جی نے اپنے تینوں دوستوں میں سے ایک کو حکم دیتے ہوئے کہا دروازہ کھولتی سے آگے بڑھا اور مکان کے دروازے پر جھک گیا کا دہرائی سمجھ گئی جی کمری نے اپنے فیض دوستوں کے ساتھ چند منٹوں میں ہی پانچ لکھ کر لی وہ اس وقت کوڑوں دھڑکی جی جس نے جی کے ساتھ جانے کی حالی بھری گئی تھوڑے وقت وہ چوکھا تھا۔

خوف کے باعث کا دہرائی کا ہار دم کاندہ ہاتھا تھوڑی دور بعد اس لڑکے نے مکان کا تالا کھول کر دروازہ کھول دیا۔

”چل اندر.....“ جی کا دہرائی کو کھینچتا ہوا مکان کے اندر لے گیا جی اس نے بانی دوست جی اندر داخل ہوئے۔

”تم تینوں بعد میں.....“ پہلے میں.....“ جی ہونٹوں پر نہاں پھیرتے ہوئے بولا اور پھر کا دہرائی کو کھینچتا ہوا دوسرے کمرے میں لے جانے لگا۔ بے چاری کا دہرائی اپنے آپ کو چھڑانے کی ناکام کوشش کرتی رہی۔ دوسرے کمرے میں جا کر جی نے دروازہ بند کر لیا۔

”یہ تو کیا.....“ دینے پار ایک بات ہے..... ان

میں سے ایک بولا۔

”کیا دوسرے نے پوچھا یہ جی ہے بڑا کہینہ

.....“ پہلے نے کہا۔

”ہاں بات تو میری ٹھیک ہے اپنی پریم کا ٹک ٹوئیں چھوڑا.....“ اس پار تیسرے نے کہا دوسرے کمرے سے کا دہرائی کے چپنے کی آوازیں آ رہی تھیں..... شاید اپنا چہ کر رہی تھی۔

پہلا بولا..... ”پر تو کوئی فائدہ نہیں وہ جی چھوڑے گا بھی نہیں.....“ تیسرے نے کہا۔

”دینے پار چوڑے کال ہے“

”ہاں یہ تو ہے.....“ بانی دونوں خوش ہوئے

ہوئے ہاں سے تھے۔

”ارے..... وہ دیکھو..... وہ کیا ہے.....“ اچانک پہلے نے چپکے ہوئے سامنے کی دیواری طرف اشارہ کیا۔ بانی دونوں نے تیزی سے دیواری طرف دیکھا وہ تینوں حیران رہ گئے دیواری پر ایک ماہی تھا جو درختوں پر بٹھا جا رہا تھا تینوں حیرانگی سے دیواری کی

اچانک ایک فراہٹ کی آواز گونجی تینوں نے تیزی سے گردنیں گھما لیں ڈر کے مارے ان کے ارمان خطا ہو گئے ان تینوں کا جسم خوف کے باعث بری طرح کانپنے لگا، سامنے کالے ہاتھوں والا ایک بہت بڑا جانور کھڑا تھا وہ ایک بھیڑیے سے مشابہت رکھتا تھا لیکن اتنا بڑا، بھیڑیسا نہیں تھا۔ یہ زندگی میں نہیں دیکھا تھا اس بھیڑیے کی گرائشیں تیز ہوتی جاری تھیں وہ اپنی سرخ اور خوراک آٹھوں سے تینوں کو گھور رہا تھا۔

اچانک وہ بھیڑیا اپنی جگہ سے اچھلا اور ان میں سے ایک کو لینا ہوا زمین پر جا کر بانی دونوں جیتے ہوئے اٹھ کمرے ہوئے اور پھر تھوڑی کارن بھیڑیے کی طرف گردن اٹھا کر ان کے بعد دیکھنے کی ناکڑے کیلئے دوسرا حوالہ کرنا چاہتا تھا کہ کوئی کنا بھیڑیے پر گولی اثر نہ ہو بھیڑیے نے اپنے نوکیلے دانت زمین پر پڑے جیتے ہوئے لڑکے کی گردن میں گاڑ دیے دونوں لڑکوں کے

پتھوڑوں کی گردنیں ختم ہو چکی تھیں ان کا پہلا سانس ہی تڑپے ہوئے غصہ ہوا چکا تھا بھیڑیا پھر اچھلا اور حیران کمرے میں دونوں لڑکوں کو زخمی کر لیا اور پھر پچھنے ان دونوں کے پیٹ میں گاڑ دیے پتھوڑوں کی آوازیں بلند ہوئیں اور وہ دونوں بھی تڑپے لگے بھیڑیے نے گردن کھٹکا کر دوسرے کمرے کی طرف دیکھا جس کے دروازے پر بھی بیت جا کھڑا تھا اور دینے پار چھڑا کر اس خوف ناک بھیڑیے کو کھیرا تھا جی کے بدن پر شرت ہو چکی تھی۔

بھیڑیا غرایا اور وہیں سے اچھل کر جی کے سامنے جا کھڑا ہوا جی اپنے سامنے اس نذر خوف ناک بھیڑیے کو دیکھ کر کانپنے لگا بھیڑیے نے چھانک لگا کر اسے زمین پر گر لیا۔ کا دہرائی ایک طرف کھڑی کا پتے ہوئے بے خطر دیکھ رہی تھی وہ دونوں تھوڑے اپنے برہنہ جسم کو چھپا رہی تھی بھیڑیے نے اپنے نوکیلے دانت بھی کی گردن میں گاڑ دیے جی نے ایک ڈر دراز چنگاری اور تڑپے لگا بھیڑیے نے جی کی تڑپتی ہوئی ہاڑی کو کھجھڑا اور کا دہرائی کی طرف دیکھا کا دہرائی زمین پر بے ہوش پڑی ہوئی تھی۔

وہ گاڑی یکدم اسپتال کے سامنے رکی اور اس میں سے سائنسی سرٹیں ہنسٹن اور نیرنگ لکے اور اسپتال میں داخل ہوئے وہ کا دہرائی کے کمرے کے باہر پہنچے وہاں انسپٹر ایس ایچ کی کیا حال ہے کا دہرائی کا.....“ ڈسٹریبنے پر چھا۔

”اب ٹھیک ہے بیٹا پر تو وہ ہوش ہے۔“ انسپٹر دیال نے کہا۔

”کل ہی کیا ہوا.....“ سنٹوش نے تعجب بھرے لہجے میں کہا۔

”مجھے خود نہیں معلوم..... یہ تو کا دہرائی کے ہوش میں آنے کے بعد ہی پتہ چلا گا پراس سے حیرانگی والی بات ہے بے رحمی اور تین لڑکوں کی لاشیں بڑی بری حالت میں ہیں موشی وار دانت پر ایسا لگتا ہے جیسے ان

کا ایسا حال کسی خوف ناک جانور نے کیا ہو گا دہرائی بھی بہرہ برہت میں تھی جی ایسا لگتا ہے جیسے کسی نے اس کا پر کرنے کی کوشش کی ہے بانی لاشوں کا پوسٹ رٹم پور ہا ہے بانی ات کا دہرائی ہوش میں آنے کے بعد بتائے گی.....“ انسپٹر دیال نے کہا تو سنٹوش نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ وہ سب کرسیوں پر بیٹھ گئے۔

سنٹوش اب اس لاکٹ کی ذخیر میں ابھی گھبراہٹا تھا وہ جب بھی بیٹھتا ہوتا تھا اسی لاکٹ کی ذخیر میں ابھی گھبراہٹا تھا اور جی ابھی اس لاکٹ نے اسے باپس نہیں آئی تھا سنٹوش نے آٹھیں کھولیں اور پاس بیٹھے دیکھنے کی طرف دیکھا۔

”کیا ہوا.....“ ڈسٹریبنے حیرانگی سے اس کی طرف دیکھا۔

”مجھے دھواں ہے عہد اللہ فروش ہے.....“ سنٹوش نے کہا۔

”ہیں..... اس بات کی اس سے ضرورت کیوں پڑی.....“ ڈسٹریبنے حیران ہوئے۔

”پتہ نہیں میری ماں نے بے ہوشی میں کی اور جھپٹیں بنادی.....“ سنٹوش نے سوچتے ہوئے کہا۔ اس سے پہلے

کمرے کی بات ہوئی ایک نرس باہر آئی اور اس نے کہا..... ”کس کا دہرائی کی موت آ گیا ہے۔“

سب تیزی سے کا دہرائی کے کمرے میں داخل ہو گئے وہاں کا دہرائی کا باپ پہلے سے موجود تھا انسپٹر دیال کا دہرائی کے بڑے قریب آیا۔

”کس کا دہرائی کی موت آ گیا ہے.....“ کا دہرائی لا شعوری طور پر بولی۔

”کا دہرائی تم اس سے اسپتال میں ہو.....“ انسپٹر دیال نے بتایا۔

”دیال اٹکل..... وہ..... وہ بھیڑیا کہاں ہے..... وہ مجھے بھی مار دے گا.....“ کا دہرائی ڈرتے ہوئے بولی۔

سب لفظ ”بھیڑیہ“ پر حیران ہوئے..... ”کا دہرائی چھاتم کر تم اس سے اسپتال میں ہو یہ

جیسے ایسی کوئی درست بات کہ گاڑی پر گر جائے گا۔
 "پارہم تو بہت زیادہ ڈانڈا دیا ہے اور نہ جانے یہ
 گاڑی بھی جھلک کے راستے پر ڈالی ہے۔" خدا کا شرف کی
 طرف پریشانی کی حالت میں دیکھنے کوئی ہوتی ہوگی۔
 کاشف خدا کو جلد سے کہے ہوئے۔ "تم کہیں کر دو
 میری جان میں ہوں انہماک ساتھ۔" اور پھر تیرا حق
 کے پاس آ کر ایک جھلک کے ساتھ ان کی گاڑی ٹک گئی۔
 کیا ہوا کاشف گاڑی کیوں نہ رک دی وہ بھی اس
 جگہ۔ "خدا تیرا حق کی طرف دیکھتے ہوئے ہوگی۔
 "گاڑی میں بیڈل ٹیم ہو گیا ہے۔" کاشف
 اس پر کچھ پر ہاتھ لگاتے ہوئے ہوا۔
 "اب کیا کریں۔" "خدا نے پریشان ہو کر پرچہ۔
 "چلو گاڑی سے باہر نکل کر کسی کی (Help) لیتے
 ہیں۔" کاشف نے یہ نہ جانتے ہوئے کہ
 "تم کچھ ہو؟ اس جگہ پر میں کون کئے گا ہادی
 (Help) کرنے کے لئے۔" خدا نے اپنے ہاتھ کو کھپ
 سے لگا کر ہاتھ لگائی ہوگی۔ "کاشف نے کہا۔
 "ہاں ہوگا انسان میں موت۔" خدا نے اپنا سر
 دونوں باتوں سے تھمتا ہے ہوئے کہ۔
 "کوئی نہیں تو بیٹوں سے دعا مانگ لیں گے۔"
 کاشف نے خدا کو چراتے ہوئے کہا۔ "اور میں وہاں میں
 Signal بھی نہیں آ رہے۔" کاشف خدا کو گاڑی سے
 باہر نکلے ہوئے ہوا۔ "پلوں میں تم کو پیدل چھوڑ آنا ہوں
 دیکھ لیں گے چھوڑا ساری راستہ دیکھا ہے۔"
 "میں نہیں جاؤں گی آدھی رات ہو گئی ہے اور تم
 مجھے تیرا حق میں لے جانے کا بل رہا ہے۔" خدا نے
 منبر سے اہل میں ہاتھ پیر سے ہوتے ہوئے۔
 کاشف خدا کو گاڑی سے باہر نکلتے ہوئے ہوا۔
 "ناروڑ خدے نہ کر دیا اس کی طرح میرے ساتھ چلو۔"
 کاشف نے سسکار کر کہا خدا سے یہ چاہی۔
 اب وہ دونوں قبرستان کے قلعہ سے گزر رہے
 تھے کہ ایک خدا نے اپنے ہی کوئی گرفت محسوس کی جو
 اسے آگے بڑھنے سے روک رہی تھی خدا نے جب وہاں
 لے کر دیکھا تو اس کی طرف مڑی تو اس کے منہ سے ایک
 بے ساختہ کھینچنے لگا اور پھر سرسبزستان ماحول میں اس کی چیخ سے
 ایک خوف کی گہرائی پیدا ہوئی۔
 تیرے ایک لاش کا ہاتھ ہر طرف جس نے خدا کا حق
 اپنی گرفت میں لے رکھا تھا۔
 کاشف نے خدا کا یہ لاش کی گرفت سے چڑھنے
 کی بہت کوشش کی۔ لیکن وہ ناکام رہا مسلسل پیچھے
 ہاتھ نہ تھی۔
 کاشف نے دھیر دھیر چلائے ہوئے خدا کے لئے
 نکلا لیکن وہاں کوئی تھا۔ کاشف نے پاس بڑے ہوئے
 ایک بڑا سا پتھر سے پر اٹھایا اور لاش کے ہاتھ پر بڑی
 قوت سے دھککا دیا اور وہاں سے خدا کے پیروں سے اس کی
 گرفت بھی کم ہو گئی کاشف اور وہاں سے ہاتھ لگے۔
 اچانک سامنے ایک لہری لاش کی منہ میں لپٹا ہوا
 سامنے کھڑا تھا چہرے سے تمام زخموں کا نمونہ تھا اور جبکہ
 سے نکل کر اس کے ہاتھ منہ کی خون کی جگہ سے سر پر تھک
 میں خون دہری ہو چکا تھا اور اس کی ایک بازو جسم کے ساتھ ٹک
 رہا تھا اور یہ تھا کہ وہ بازو نہ کر بھی کر جائے گا۔ "بس
 کو نہ کوں۔" خدا نے کچھ ہوتی آواز میں پوچھا تو اس کی
 نے ایک تھپتھپانہ ہاتھ پر اس کی زخموں کی آواز سنائی دی۔
 "تمہاری موت۔"
 "م۔ م۔ موت۔" کاشف پہ مشکل اپنا الفاظ پھا
 کرتے ہوئے ہوا۔ "پہلے تمہاری موت۔" کاشف نے کہا۔
 خدا نے منہ میں سے اٹھائی اور لاش کی آنکھوں کی
 طرف اچھال دی اس نے اس میں وہ دونوں وہاں سے ہمارا
 لٹکے ہوئے ایک بڑے سے درخت کے پیچھے چھپ گئے۔
 خدا نے ہوتے کاشف سے بولی۔ "پہلے لاش کیا
 کہہ رہی ہے؟ وہاں میں نہیں رہنا چاہتی ہے۔"
 کاشف بولا۔ "کیا تمہیں ہوا کا تم کہیں کہیں کہیں
 ہوں انہماک ساتھ۔"
 اور پھر کاشف خدا کو اپنی ہاتھوں میں لے کر اس
 کے وہوٹوں پر اپنی اٹھ کر کھڑا ہے۔ یہاں تک کہ اس
 لے کر وہ پریشان نہ ہوئے ہوں ہاں۔

"کاشف ہمیں یہاں سے باہر لے جانا۔" خدا نے
 اور پھر کاشف نے دھککا دیا ہوتے کہا۔ اس کے بعد کاشف
 اور خدا دونوں کی آؤٹ میں چھپے ہوئے قبرستان سے باہر نکل
 آئے ہاں کے بعد وہ بہت بھاگتے بھاگتے بہت دور نکل
 آئے ہاں کی کاشف اب بھاگتے بھاگتے ہاں کا ساتھ نہیں دے
 دی تھیں۔ سانس بھولا ہوا تھا اور وہ دونوں ٹھک کر چہر
 دیکھ کر گرے۔ "کاشف تم ٹھیک ہو۔" "نہاں ہو۔"
 "میں ٹھیک ہوں خدا، اور یہاں چھپا ہوا کہ میں دونوں فری
 گئے ہاں ہاں کے ہاتھوں سے۔"
 خدا کاشف کو فٹ سے دیکھتے ہوئے۔ "تم کو ابھی
 بھی غافل سو جو رہا ہے۔ ساری باتیں چھوڑ دو اور تیر
 گزرنے کے لئے کوئی کھانا کھا کر۔"
 پھر کاشف نے ایک لمبا سانس لیتے ہوئے کہا۔
 "اب بھی کیا کر رہا ہے گا۔"
 "بڑے بہت سنا سن علاقہ ہے۔ یہ نہیں کہیں کہیں
 ہوتا ہوگا نہیں۔"
 "مجھے بھی ایسا ہی رہا ہے پر کیا یہ کوئی دل جائے،
 کاشف تمہارا ہاں کہیں کہیں۔" خدا نے کاشف کی طرف
 دیکھتے ہوئے پوچھا۔
 "دو قبرستان میں ہی کس گریگا ہے۔"
 "چلو چلو دوں اور ٹھک جیتے، تھے، خدا ایک پتھر
 پھینکے ہوئے ہوئی، اور اب کاشف میں کئی میں۔" کاشف
 بھی اس کے ساتھ ہی بیٹھا۔ اور خدا نے پوچھا۔ "ختم
 نہیں ہوئے ہیں۔"
 "کھلی ہوں اور ہر جگہ کی بہت گہری ہے۔"
 "بھوک تو مجھے کی گہری ہے۔" کاشف اپنے
 پیٹ پر ہاتھ پیر سے ہوتے ہوا کہ اس سے میں نہیں دور ہے
 وہاں کاشف نے آواز میں کی طرف دیکھتے ہوئے کاشف
 بولا۔ "میں شاید وہاں پر کوئی کر رہا ہو کہ انسان بھی ہوں جو
 ہادی کر سکتے ہیں۔"
 "کاشف وہاں موت بھی تو ہو سکتے ہیں۔"
 "ختم کو گرفت موت ہی یاد آتے رہتے ہیں۔"
 "نہیں کی بہت ٹھک چکی ہوں۔" "نہاں ہو۔"

کاشف بولا۔
 "کیا کوئی خاص رشتہ ہے ان سے تمہارا۔" اور پھر
 باتوں باتوں میں وہ دونوں اس جگہ پہنچ گئے۔ جہاں سے
 وہیں نکلے ہوا۔
 یہ گھر تو نہیں بلکہ پرانی کھڑنرا خرابی ہے اس
 میں کس طرح رات گزری کہ اس کی حالت میں تو موت
 بھی رہنے سے پہلے اس بار سوچتے ہوں گے۔" خدا نے
 سبے غافل میں ہوا۔
 "خدا، کیا تم کو حکومت بہت یاد آتے ہیں۔ بس
 آج رات کی تو بات سے کچھ ہوتے ہی ہم اپنے کمرے
 جا نہیں گے۔"
 اور پھر کاشف اور خدا دونوں گھر میں داخل ہو گئے۔
 دیکھا کہ پرے کمرے میں ہر طرف جا لے جانے گئے
 ہوئے ہیں کچھ کچھ کچھ ہوں سے پہلے پر ہوتا تھا کہ وہ
 اچانک ابھرتا تھا کھڑی ہوا کا چھوڑا آیا اور ساتھ باہر کا
 دردناک چہرہ اس کی آواز کے ساتھ بند ہو گیا۔
 اس کے بعد دونوں پر پیچھے کچھ ملا رہی ہوگی، پھر
 دونوں نے اپنے حواس قابو میں کرنے کے بعد دوسرے کمرے
 سے اٹھ کر آئے کچھ فیصلوں میں سوچ رہے تھے اور ہاتھ میں ایک
 راتوں کی بیچ سے ہر بار کچھ فیصلوں میں سوچ رہے تھے
 کاشف بڑھ کر کچھ فیصلے حاصل کرنے کے لئے
 کھانسنے لگا تو پھر کاشف کا کھانسی کی آواز پر ایک لمبی
 آہ نکلیں کھول دی اور پھر پھر کاشف اور خدا کو دیکھا اور
 گویا ہوا۔ "آج رات میں کاشف وہاں سے کمرے میں
 برسرِ کرتے ہو۔"
 کاشف بڑھ کر آئے ہوئے۔ "نہن تو آپ کو نہیں
 بتایا کہ میں یہاں رہتا ہے۔"
 پھر خدا کی آنکھیں کھل گئیں۔ "میں سب جانتا
 ہوں، گاڑ کرے میں۔" وہ ایک کمرے کی طرف اشارہ
 کرتے ہوئے بولا تو کاشف کا ہاتھ باز پڑے ہوئے
 بولا۔ "خدا چلو چلو۔"
 "نہیں کی بہت ٹھک چکی ہوں۔" "نہاں ہو۔"



کامین شامین

محدث شاکر - نکانہ صاحب

عجائب کے عمل پڑھتے ہی اچانک کہوے کی کونہ سے دھواں اٹھنے لگا اور دیکھتے ہی دیکھتے اس دھواں نے ایک انسانی ہیولے کا روپ دھار لیا اور پھر ہیولے کی آنکھوں میں شعلے نکلنے لگے لیکن پھر.....

حقیقت ہے چشم پوش انسان کو پلکان پر بیٹھان کر دیتی ہے خوفناک لہر ڈالنی انہیں کہانی

پہلے ان لوگوں کی بات ہے جب میسوری حدی کے سال 1987ء کا کاروبار تھا میں ان لوگوں اپنے گھر سے سڑ 70 کلومیٹر دور اپنے آبپارہ بھائی کے گھر رہا یہ رادی کے جنوبی کنارے شعلے کو لڑو کے گاؤں شعلہ بھولوں میں بخار میں جتا چلا پانی کا مہمان بنا ہوا تھا یہ گھر سے نکلے ہوئے تھے تقریباً چھ ماہ ہو گئے تھے بخار کوئے آج چھ ماہ روز قضا میں ہم

کڑوری سردی میں لیکن پھر جب آپ کہتا ہوں بچے کا وقت ہوگا کہ میرے ماسوں کا بیٹا آ نکلا سلام دعا اور خاطر قرضہ کرنے کے بعد پرچا۔

”بھائی! شرف آج تو میرے آج ہوا تو وہ بھلا۔“

”مجھے لینے آج یا ہوں کینچہ تمہاری ہائی

عظاں بہت تیار ہے ڈاکٹر نے جواب دیا ہے سب گھروالے اور سڑ دو دہاں پہنچے ہوئے اور سب مد

دلوں نے کمرے کا دروازہ کھولا تو ان دلوں کی آنکھیں ملکی کی ملکی رہ گئیں۔

کمرے کے آگوش دہان میں آگ لگ رہی تھی جس کی وجہ سے کمرہ خاصا گرم اور پر سکون تھا۔ پورا کمرہ جدید طرز کے فرنیچر سے آراستہ تھا فرش پر پیش قیمت ٹائین چھایا ہوا تھا۔ کمرے کی چھت پر ایک فانوس لٹکا رہا تھا۔ دروازہ پر خوب صورت مچھلی کی تصویر لی گئی تھی۔

دو دہان میں ایک میز اور اس کے ارد گرد صوفے خوب صورت رنگ کے پڑے ہوئے تھے۔ ایک طرف ایک پیش قیمت بڑا بڑا دروازوں کمرے کی حالت دیکھ کر کاشف پریشان ہو گئے تھے کہ اس کھنڈر کا حوالی میں اس قدر ہے جائے کمرے جس سے آگھیں چند صوبہ رہی ہیں۔

”میری محبوبہ کو بھی ظالم لوگوں نے مجھ سے دور کیا تھا اور مجھے سڑ سے سوت دی گئی۔ اس لئے میں اس دنیا میں اب بیکار رہ کر رہنے دوں گا۔“ لاش نے یہ کہتے ہوئے پھر قبضہ باندھ لیا اور اس کے بڑے ہاتھ سے کاشف کو گردن سے پکڑ کر دوسرے ہاتھ سے خاک تو ان دلوں کی جینٹوں سے قبرستان کو رخ اٹھا کاشف نے شہر ب کی آبادی کی سب سے اونچا گھر میں لڑی۔ ”مٹھا کر..... مٹھا کر۔“

لوگوں کی آواز سننے ہی لاش کی ہولناکت دیدنی تھی۔ ”کیا ہو گیا.....“ لاش کے منہ سے نکلا اور لاش اپنی جگہ سے ثابت ہو گئی۔

جھٹ کاشف نے غما کا ہاتھ پکڑا اور سر پر ہاتھ باندھ لگا قبرستان میں نکل کر وہ سیدھا اپنی گاڑی کے پاس پہنچا اور دروازہ کھول کر بیٹھ گیا۔ اتنی دیر میں غما بھی گاڑی میں بیٹھ گیا۔

کاشف نے گاڑی اسٹارٹ کی۔ ”ہم سے یہ کیا.....“ گاڑی فوراً اسٹارٹ ہو گئی تھی۔ کاشف نے کسی لیسٹر پر پائس کا ٹھل پڑا ڈھٹا گاڑی کینچے سے آگے بڑھی اور ڈرائیو نمبر نے کسی غما کی حالت دیکھ کر کینچہ کمری نیند سے دو چار ہو گئی۔

دلوں نے کمرے کا دروازہ کھولا تو ان دلوں کی آنکھیں ملکی کی ملکی رہ گئیں۔

کمرے کے آگوش دہان میں آگ لگ رہی تھی جس کی وجہ سے کمرہ خاصا گرم اور پر سکون تھا۔ پورا کمرہ جدید طرز کے فرنیچر سے آراستہ تھا فرش پر پیش قیمت ٹائین چھایا ہوا تھا۔ کمرے کی چھت پر ایک فانوس لٹکا رہا تھا۔ دروازہ پر خوب صورت مچھلی کی تصویر لی گئی تھی۔

دو دہان میں ایک میز اور اس کے ارد گرد صوفے خوب صورت رنگ کے پڑے ہوئے تھے۔ ایک طرف ایک پیش قیمت بڑا بڑا دروازوں کمرے کی حالت دیکھ کر کاشف پریشان ہو گئے تھے کہ اس کھنڈر کا حوالی میں اس قدر ہے جائے کمرے جس سے آگھیں چند صوبہ رہی ہیں۔

”میری محبوبہ کو بھی ظالم لوگوں نے مجھ سے دور کیا تھا اور مجھے سڑ سے سوت دی گئی۔ اس لئے میں اس دنیا میں اب بیکار رہ کر رہنے دوں گا۔“ لاش نے یہ کہتے ہوئے پھر قبضہ باندھ لیا اور اس کے بڑے ہاتھ سے کاشف کو گردن سے پکڑ کر دوسرے ہاتھ سے خاک تو ان دلوں کی جینٹوں سے قبرستان کو رخ اٹھا کاشف نے شہر ب کی آبادی کی سب سے اونچا گھر میں لڑی۔ ”مٹھا کر..... مٹھا کر۔“

لوگوں کی آواز سننے ہی لاش کی ہولناکت دیدنی تھی۔ ”کیا ہو گیا.....“ لاش کے منہ سے نکلا اور لاش اپنی جگہ سے ثابت ہو گئی۔

جھٹ کاشف نے غما کا ہاتھ پکڑا اور سر پر ہاتھ باندھ لگا قبرستان میں نکل کر وہ سیدھا اپنی گاڑی کے پاس پہنچا اور دروازہ کھول کر بیٹھ گیا۔ اتنی دیر میں غما بھی گاڑی میں بیٹھ گیا۔

کاشف نے گاڑی اسٹارٹ کی۔ ”ہم سے یہ کیا.....“ گاڑی فوراً اسٹارٹ ہو گئی تھی۔ کاشف نے کسی لیسٹر پر پائس کا ٹھل پڑا ڈھٹا گاڑی کینچے سے آگے بڑھی اور ڈرائیو نمبر نے کسی غما کی حالت دیکھ کر کینچہ کمری نیند سے دو چار ہو گئی۔

دلوں نے کمرے کا دروازہ کھولا تو ان دلوں کی آنکھیں ملکی کی ملکی رہ گئیں۔

کمرے کے آگوش دہان میں آگ لگ رہی تھی جس کی وجہ سے کمرہ خاصا گرم اور پر سکون تھا۔ پورا کمرہ جدید طرز کے فرنیچر سے آراستہ تھا فرش پر پیش قیمت ٹائین چھایا ہوا تھا۔ کمرے کی چھت پر ایک فانوس لٹکا رہا تھا۔ دروازہ پر خوب صورت مچھلی کی تصویر لی گئی تھی۔

دو دہان میں ایک میز اور اس کے ارد گرد صوفے خوب صورت رنگ کے پڑے ہوئے تھے۔ ایک طرف ایک پیش قیمت بڑا بڑا دروازوں کمرے کی حالت دیکھ کر کاشف پریشان ہو گئے تھے کہ اس کھنڈر کا حوالی میں اس قدر ہے جائے کمرے جس سے آگھیں چند صوبہ رہی ہیں۔

”میری محبوبہ کو بھی ظالم لوگوں نے مجھ سے دور کیا تھا اور مجھے سڑ سے سوت دی گئی۔ اس لئے میں اس دنیا میں اب بیکار رہ کر رہنے دوں گا۔“ لاش نے یہ کہتے ہوئے پھر قبضہ باندھ لیا اور اس کے بڑے ہاتھ سے کاشف کو گردن سے پکڑ کر دوسرے ہاتھ سے خاک تو ان دلوں کی جینٹوں سے قبرستان کو رخ اٹھا کاشف نے شہر ب کی آبادی کی سب سے اونچا گھر میں لڑی۔ ”مٹھا کر..... مٹھا کر۔“

لوگوں کی آواز سننے ہی لاش کی ہولناکت دیدنی تھی۔ ”کیا ہو گیا.....“ لاش کے منہ سے نکلا اور لاش اپنی جگہ سے ثابت ہو گئی۔

جھٹ کاشف نے غما کا ہاتھ پکڑا اور سر پر ہاتھ باندھ لگا قبرستان میں نکل کر وہ سیدھا اپنی گاڑی کے پاس پہنچا اور دروازہ کھول کر بیٹھ گیا۔ اتنی دیر میں غما بھی گاڑی میں بیٹھ گیا۔



[illegible]

پڑھا حضرت اکی، چوکی تین پرکچ کر میں نے پھر چوک
ہاری پھر راہدار سے تین شریف پڑھنے لگا تو میں تین
پھر چوک ہاری۔ اور راہدار ہی پڑھے ہوئے پانی کے
چھینے ہارے لوں نے کہا کہ "اے میں بھی جتنے پھوڑ
و دھجے پھوڑے مجھے تکلیف ہو رہی ہے..... میں وعدہ کرتی
ہوں دوبارہ تمہاری حاجی کے پاس نہیں آؤں گی خدا کے
واسطے چھوڑ دوں۔"

"پہلے اس سے تو بہت بلا چڑھ کر باتیں
کر رہی تھی اب نہ صرف دم چکیں دے رہی تھی بلکہ پیچ
بھی کر رہی تھی اس کے یہی بچوں کو تھکانے پہنچانے بھی
کئی تھیں اب تجھے کیا ہو گیا ہے اب تمہاری طاقت کہاں
اور کمر کھٹی اس وقت تو ہم کمر کھٹی کیا کہیں نہیں بھاگ
سکتی۔"

"اس معاملہ کی بات اور تم میں اسے پہلے سے
اچھی طرح جانتی تھی میرا اس سے پہلے بھی ایک وفد
واسطہ پڑ چکا تھا مجھے معلوم تھا کہ میرا بچو بھی نہیں
بچاؤ سکا میں نے اسے بچپان لپٹا کر کھنود دھجے میں
بچپان نکال اس لئے میں نے اسے پیچ کیا تھا اور بھاگ
اس کے یہی بچوں کے پاس نہیں گئی کی نگہ میں اسے
ڈرانے کے لئے کمر کھڑی۔"

"میں کوئی خاص تو نہیں پھر کیوں نہیں بھاگ
سکتی۔"

"ابنیں اس کی بھی کوئی وجہ ہے تو نہیں جانتی
ہذا تم مجھے اسے خدا اور رسول کے صدمے چھوڑ دو میری
چھوٹی چھوٹی بیٹیاں میری جہلی میں ہو رہی ہوں گی۔"

"تو تم کس مذہب سے تعلق رکھتی ہو جو بار بار مجھے
خدا اور رسول کے واسطے مدعی ہو۔"

"کہتے تگی۔ "میرا مذہب ہندو ہے میں ہندوئی
ہوں۔"

"تمہاری سستی بیٹیاں ہیں اور ان کی سرکشی ہے
اور ان کے ناکام ہیں۔"

"میری بیٹیاں ہیں بڑی کی عمر 19 سال
اور چھوٹی کی 17 سال ہے۔"

”بڑی کا نام کانسی اور چھوٹی کا نام شامشی ہے ہمارا گھانا نہ گاؤں کے چٹائل کی جانب رائے حیات خان کھر ل کی زمین میں درخت کے نیچے ہے اور اس درخت کے نیچے چھوٹی کا نام بھی ہے چناب کا گھانا۔“

میں نے کہا تم نے نہیں سمجھیں من سے میری باقی کاوازیت میں جھٹکا رکھا ہے۔ چھبیں نے عمل نہیں کر جس کو میں تکلیف پہنچا رہی ہوں اس کے بھی دوٹوئے سے چھوئے چھوئے نے چھوئے چھوئے بڑی پٹی جاسر سال کی اور چھوئے پٹڑہ سال کا جس کا بھی میں نے دودھ بری گزارا ہے ان بچوں کی تکلیف چھبیں معلوم نہیں لیکن چھبیں اپنی چھوٹی چھوٹی پچاس 17 سال کی شامشی اور 19 سال کی کانسی ایک۔ من میں ہی آباد ہے کہ میں کہہ دھیں اس کیلئے گویا ذکر کے درمیں ہیں جبکہ چھبیں ان کے پاس آئے ادا خاندان میں ہوں اس میں ان معصوم بچوں کو نہیں۔“

”میں نہیں سمجھتا چھوڑو گا کہ نہیں۔“ میں نے پھر شروع سے ٹھیک تر شریف پر دھنا ضرور کی۔ میں نے پھر میری تیس کو ضرور کی جیسے جیسے میں پر دھنا جا رہا تھا ویسے ویسے دھبی زور زور سے بلند آواز سے چیخ نکال کر دیکھ کر بھی ساتھ ہی ساتھ صحت نہایت بھی جاری رکھے ہوئے کی زور بھی تھی۔

”میں مل گئی ہائی میں سرگئی چھبیں تیرے بی کا واسطہ، خانا کا واسطہ بھی چھوڑ دو میرے دھہ کہ ہوں کہ میں دوبارہ ادا کرنا کرنا بھی نہیں کروں گی۔“

”اس کی کیا کاروائی ہے کہ پھر نہیں آؤ گی۔“

”میں اپنے بھوکوں کی قسم کھا کر یقین دلاتی ہوں کہ پھر بھی نہیں آؤں گی۔“

”ٹھیک ہے میں اپنے خدا اور رسول کے مطلق تم کو چھوڑتا ہوں لیکن جانے سے پہلے تم کو اپنی نشان دہی کر جاؤ تا کہ میں تم کو یقین ہو جائے کہ تم جلی ہو۔“

یوں۔ ”ٹھیک ہے میں تم کی دیوار کی چھتا نہیں کرنا جاتی ہوں۔“

میں نے کہا۔ ”چھبیں ایسا نہ کرنا بلکہ ہم اس

ایک نوجوان کریماء فرد کو کسی نیک دل
ان کا رشید درکار ہے جس کا دل آنے کی
کی طرح محبت سے بھرا ہوا ہو، اور جس
چاہت میں ہے وہاں کے برادرے کی
ٹہ نہ ہو۔

خاتون عام گلیہ و رتوں کی طرح بات کو
مرج لگا کر کرنے کی عادی نہ ہو تو یہ ایک
نقابیت تصور کی جائے گی۔ تاہم
کے سینے پر مونک دینے کی پوری
لڑائی کو ہوگی۔ بشرطیکہ وہ تیل دیکھے
لی دھار نہ دیکھے۔ کلاچ انتہائی سادگی مگر
مطریقے سے ہوگا۔ کو یا چنگ لگائی جائے
پھنگری۔ صرف رنگ چمکا لانے کی
کی جائے گی۔

تھیرے میں کتیل اور مسور کی دال
روری ہے۔ شادی سے پہلے لڑکی کو
اٹھانا ہوگا کہ وہ جوتوں میں دال نہیں
گی۔

(عبدمنان - منٹو، بہا الدین)



کالہ

نیرا خان - کراچی

مودی کٹی لوگوں کی دل کی لعن کن نہ گیا تھا اگر وہ ایک ہل کے لئے آنکھوں سے اوجھل ہو جاتا تو گھر والے بے چین ہو جاتے تھے لیکن اس مودی نے ایک وقت ہر لوگوں کو حیران کر کے رکھ دیا اور پھر.....

ایک ایسی حقیقت تھی کہ دو ماہ کی صورت قبول نہیں کرتا مگر یہ حقیقی واقعہ ہے

آج جو میں کہہ رہا ہوں کہ کونسا نے ہمارے ہاں دو ماہ تک حقیقت ہے، جسے پڑھ کر ہو سکتا ہے کہ آپ سب اس حقیقت کو قبول کریں کہ ہمیں ایک سن کو ملتے تھے۔ ہمیں کیا پھر ایک ذی ہذا کی بات ہمیں، لیکن یہ کہانی سولہویں صدی کی حقیقت ہے۔

میں نے انسانی کے ساتھ کچھ اس طرح کے واقعات پیش آئے ہیں جنہیں فراموش کرنا اس لئے ناممکن ہوتا ہے کہ جو حقیقت ہونے کے باوجود حقیقت سے بہت دور معلوم ہوتے ہیں۔ دل چاہتا ہے کہ ان واقعات پر یقین کر لیں اور جب کہ دو ماہ کہتا ہے کہ کیا ہے کہ میں نے اس دور میں کی جگہ میں بھی جیت رہی ہوں ہے اور اس کی۔ اور جس بات کی گواہی کر رہا ہوں ہے اسے وہاں لایا جاتا ہے۔

اپنے بچپن سے یہ واقعہ میری آنٹی ہوں تو سوچا کہ میں اس واقعہ کو سن لے کر سن سے شہر کر رہا ہوں واقعہ کے پھر پھر کو ذہن میں آج کر کے لئے میں اپنی اپنی کے گھر کی اورانی سے اس واقعہ کی تفصیل پر بھی۔

میری آنٹی کیسے کہیں کہ بہت دیر تک کی ہے۔ ہجرت کے

معموم بچوں کو ماسکوں کے حوالے کر کے سرکاری خدمت میں حاضر ہوا ہوں۔

سرکار نے کہا۔ ”ابھی پریشان نہ ہو مجھ حریف شاکر میرا مرید ہے مجھ سے اس نے ایک وفد ایک چل 40 روز گزرنے کی اجازت لی کی میں نے نہ صرف اس کو اجازت دی بلکہ اس کے پیچھے روحانیت کے ذریعے خیال بھی رکھا اور مکمل طور پر محفوظ بھی دیا اس نے چل کر حریف نے قاپ کر لیا۔

”ہاں ہمارے مرید سے ایک غلطی ہوئی اگر وہ غلطی نہ کرے تو چل کر کیا پال کر دو بار وہاں آئی۔“

بہنوی ابھی نے عرض کی۔ ”سرکار مجھ حریف سے کیا غلطی ہوئی؟“

”سرکار نے فرمایا۔“ حریف سے یہ غلطی ہوئی کہ چل کر قاپ کر لیا تو دیکھن تو یہ لکھ کر دینا بھول گیا۔ چلو رہے درست آئے اب ہم یہ کام کئے دیتے ہیں۔“

سرکار نے تو یہ لکھ کر دیتے ہوئے فرمایا۔ ”ابھی غلطی یہ تو میرا اپنی ہی ہے کہ مجھے میں ڈال دینا، چل کر اب میں اس کے نقصان نہ پہنچا سکے کی اور نہ ہی اندرونی ہونے کی اگر میرا کرنا چاہے کہ جو مکمل کرنا کہ ہوجائے کی ہاں البتہ ایک بات یہ ہے کہ اب اس کا ذہن کو پھر باک دہو کر فوری طور پر نہ دیکھن لیکن جس وقت ہمارے پاس ہجرت کر کے دوسری جگہ پر چل کر نکلاش اور صحت ہوا اس وقت ضرور اس پر عمل کرنا۔“

ابھی نے سرکار سے اجازت لئے کر گھر واپس آئے اور اس نے سرکار کے دیکھے ہوئے تو یہ لکھ کر دینا کے مجھے میں ڈال دینا وہ دن اور آج کا دن وہ چل کر پھر بھی نہیں آئی۔

لیکن میرے بہنوی نے مرشد کے کہنے پر عمل کر کے کھانا کھا کر گزرتے ہوئے ہجرت کر کے جڑاؤ لے کر میں رہاں اختیار کر لی اور کسی خوش زندگی بسر کر رہے ہیں۔



باہر والی دیوار پر ہانڈی رکھ دیتے ہیں تم اسے گرا کر پلٹی جتا اور پھر بھی ادھر کا رخ بھی نہ کرنا۔“

”مجھے منظور ہے میں یہاں ہی کر رہی گی۔“

میرے اشارے پر پھر والوں نے دیوار پر ہانڈی رکھ دی میں نے جیسے ہی ہانڈی کی انگلی کو چھوڑا آیت لکھن اور چاروں کل شریف پڑھ کر چھری کو ذہن سے نکالا تو ہانڈی ہڑام سے نیچے زمین پر گر کر اس کے ٹوٹنے سے زوردار اور آواز آئی ہاں کے بعد ہانڈی اٹھ کر بیٹھ گئی اور میری اس کا سبیل پر سب گھر والے بہت خوش تھے سب ہی مجھے مبارکباد دے رہے تھے۔

اگلی صبح سب گھر والے اور تمام آئے ہوئے رشتہ دار اپنے اپنے گھروں کو روانہ ہو گئے میں تقریباً پندرہ میں دن وہاں پر رہاں اور ان میرا بھائی میرا گھر اور اسے اس دن چل کر اس کی بھول کر رہی اور کا درج نہ کیا کیسویں روز میں بھی اپنے گھر نہ گئے صاحب واپس آ گیا۔

جیسے میں گھر پہنچا تو اس وقت وہ چل کر پھر ہانڈی کے اندر آ گئی ہانڈی کی پھر وہی پہلے جیسی ہے ہوش کی کیفیت بہنوی ابھی بڑے پریشان کر رہا تھا کہ میں تنہا ہوں بچوں کو سنبھالوں یا یہی کہ کو میو خزانہ کا نام لے کر بچوں اور یہی کہ کو سنبھالوں کے حوالے کر کے مجھے بلانے کے بجائے سانبھل کو نکالا اور پندرہ سولہ کل میو کا خاملہ درمیان میں دریائے رادی کو کراس کر کے شیش شریف اپنے مرشد سید شاکر حسین شاہ صاحب کے پاس پہنچے اور کرنا سادہ واقعہ دن دن سنا کہ ہانڈی کا پتہ تیار ہوئی کہ اس طرح اپنا ہاں میں نہیں دن پھر لے بھرائے ہاں سے جواب ملا کہ یہ پڑھ کر کاظم ہوا اور پھر جس طرح حال کو لائے لیکن وہ کھلت کھا کر چلا بنا حریف شاکر نے اس کو اس طرح قاپ کر کے نکالا جتنے دن حریف ہمارے ہاں موجود رہا تو چل کر بھول کر رہی اور کا پتہ نہیں کی جیسے یہ وہ چاکر اس کو اس کا بہت چل کر بھرا شروع کر دیا ہے اب بھی ہے ہوش کی حالت میں یہی اور اپنے دونوں

نقطہ نقطہ لفظ لفظ سطر سطر خوف و ہراس کے لہانے میں لہتی لہتی نوعیت کی ناقابل یقین اور ناقابل فراموش جسم و جان کو انگشت بندھان کرتی اور دلوں کو نہلاتی ہوشی خونچکن ہونچکن اور لہولہا ہان کھاتی جو کہ پھڑپھڑاہٹوں پر سکتے طاری کر دے گی۔

مردوں پر محیط سوچ کے ان پر چٹھا ڈٹی گھٹا نوپ اندر میرے جنم لینے والی کالی

پھو شاہان نے علامہ کو لے کر اس جگہ پہنچ گیا جہاں اس نے ڈاکٹر چوری کی ہونٹوں کی کچھل چھلکا تھا اس نے سستی کو دوبارہ سمندر میں ڈالا علامہ کا ہاتھ کرکشی میں چٹاپا پی تھا کہ چنگل میں لاوے کا کھوکڑا ہوا گرم آگ کے شعلے بلند کرتا ہوا دیا پڑی تیزی سے بہہ کر اس کی طرف آئے گا۔ علامہ خوف سے بے ہوش ہو گئی تھی شاہان نے چٹھہ کھل کرکشی کو ہری طاقت سے ہانا شروع کر دیا لاوے کا دریا آگ کا دریا سمندر میں آ کر تڑپا کھڑو دریا ہوا کہ ہول اور سمندر کی آگیں گہریں جلاوات اڑتی ہوتی پیچھے کودوڑیں۔

شاہان اس دوران میں کرکشی کو سمندر میں کافی دور لے گیا تھا کرکشی چھوٹی اور تھکی تھی دور جانی ایک بڑی گہر کے سمندر میں سال سے کافی دور چل گئی۔ شاہان تیر تیر چٹھہ چٹھہ کرکشی کو کھٹکے سمندر میں لے آیا اس نے جزیرے کی طرف دیکھا وہاں سوائے آگ کے شعلوں کے اور کچھ بھی نظر نہ آیا۔ دور سمندر میں کافی فاصلے پر بڑی ڈاکوؤں کا جہاز دایس جا رہا تھا پاکستان سمندر میں تیرے پاس جہاز میں پہنچ گیا تھا علامہ کی منی میں بے ہوش پڑی تھی اس میں لپٹا ہوا جزیرہ اب دور سے ایک دیکھا ہوا لگا رہا تھا۔

کرکشی سمندر میں کسی مظلوم ممال کی طرف بڑی



میں تھی۔ جیسے سمندر لگیں کیا تھا شاہن نے سارا جہاز
 چھان رہا تھا علمدار کا کچھ نہ چلا۔
 شاہن کی پریشانی اور بڑھتی ہوئی گم ہونے کی
 اگر کسی نے اسے اٹھایا ہے تو وہ اسے اٹھا کر دیا ہے
 تو آخر اسے اسی جہاز پر ہونا چاہیے تاہم جہاز میں تو علمدار
 کبھی بھی نہ تھی۔
 سارے سامراج خانی پڑھار اور ہوا میں چومے
 ہوئے بادبان اسے سمندر کی لہروں پر کسی ماحولم منزل کی
 طرف لئے جا رہے تھے۔
 شاہن نے عمرے پر پٹل کر دیا ایک
 پارہ چلا کر کے کے خیال سے لوہر جانا لے بیڑی کی
 طرف بڑھایا تھا کہ اس کے کانوں میں بھری زور زور
 سے سانس لینے اور فخر خانی آواز آئی۔
 کوئی بھی نہ تھا اور وہی سنسان پڑی تھی یہ آواز کہاں سے
 آ رہی تھی۔
 علمدار کہاں تھا ہوئی یہ دونوں سوال شاہن کے
 دماغ میں عجزت بن کر رنج رہے تھے اور اس کے پاس ان
 سوالوں کا کوئی جواب نہیں تھا اور اس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ
 وہ ان سوالوں کا جواب مل کر سکے گا۔
 وہ علمدار کے سامنے کھڑا ہو گیا جہاز کا دروازہ کھل کر کے
 چھوڑے گا۔ میں اس وقت شاہن کو لیکر آواز سنائی دیتی تھی
 کوئی بڑے سداک کی سی گونج تھی کہ آواز دے ہواں آواز
 بھائی کی اور کسی مرد کی گونج تھی جیسے کوئی بڑی تلیف میں ہو
 اور مد کے لئے پکارا ہو جو چاہتا تھا اسے یقین تھا کہ کوئی
 زندگی راستہ چھوڑنا تھا تو کچھ کیسے اس قسم کے جہازوں
 میں چلنے کے لئے علمدار اس وقت چھوٹا تھا ہیں جب
 سمندر میں وہاں نہ ہونے سے بڑا نہ ہو جاتا ہے۔
 اور وہ جہاز کو ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھاتا تھے۔ علمدار کے
 کہنے میں شاہن کا ایک گول سورل نہ لیا جس کے نیچے
 رک رک رہی تھی شاہن نے کان کرنا وہ سداک آواز
 اس کو سورل میں سے آ رہی تھی۔

شاہن نے سورل کے اندر جھانک کر دیکھا جیسے
 لپکا لپکا اندر تیرا تھا اس نے خود سے آواز کی آواز کی بات
 تھی جس کی سن شاہن اسے سمجھ رہا تھا آواز پار پار بڑے وہ
 مجھے انداز میں مد کے لئے کسی کو لاری میں چل گیا تھا
 کہ جسے کوئی سخت تکلیف میں ہے۔
 شاہن نے سورل کے پاس سداک کے پاس سداک کے پاس
 کون ہو۔ شاہن کے اس سوال پر توجہ خانے میں اس کا ایک
 خاموشی چھا گئی۔
 شاہن نے تین جا رہا آواز میں دس کر گئے
 کوئی جواب نہ آیا سداک آواز آئی پھر نہ ہوئی شاہن کو
 کی مدد سے نیچا تر کیا۔ ایک ایک سرگرمی میں کسی توجہ
 شاہن کے سر کو چھوڑی اس دونوں طرف جہاز کے چنڈے
 میں چومے چومے گول سورل تھے جن میں لیے لیے
 آدھے چہرے پر سمندر کی طرف لپکے ہوئے تھے لڑکی کے
 تختوں پر کھڑی چلانے والے غلام کی جگہ میں ہوتی کو
 کر رہی تھی غلام کا ملاز نہ تھا۔ درمیان میں ایک جو
 جہت تھی شاہن تیرا ہی نہیں دیکھا کہ یہاں کے لباس کو
 کہاں غائب ہو گئے وہ فخر خانی کی آواز اور پھر وہاں
 آواز کی آواز کی گونج کسی کی کسی کی سب گونج تھی۔
 شاہن سمندر کی لہروں پر ڈھلکا ہوا سمندر میں بہہ
 جا رہا تھا علمدار کہاں گم ہو گئی تھی جہاز کے لہروں میں۔
 لڑکی تھی جس جہاز کا چھان چھان لڑکا تھا تھے شاہن کی
 سمجھ میں ہو گئی وہاں تھا شاہن راہیں جانے کے لئے
 مزاد وہی کی مدد سے لوہر چھوٹے تھے وہاں کا ایک گول دماغ
 دماغ دماغ کی پائندہ ہوتی اور پھر ایک ذرا کھنکھناتی
 ایک تھی کہ کچھ نہ ہوئے تھے کچھ کچھ کچھ کچھ
 سر پر کر دیتی تھی اس نے شاہن کی کوہڑی کو اپنے غونج
 میں بکڑا لیا اور اسے اپنے غونج میں چھوڑنے کے
 کشش کرنے لگی اس کی شاہن کی جگہ گولی دھرا آواز
 توں خود بخود ہی اس کی کوہڑی میں سے گول دھرا
 تھی۔ شاہن چنکے عام انسان نہیں تھا وہاں کی کوہڑی
 تو کوہڑی چنکے کے پھر وہی تھی کوہڑی گول دھرا آواز
 اس کو سورل میں سے آ رہی تھی۔

ہوئی ہوگی کہ یہ قسم کی کوہڑی ہے کہ اس پر کوئی اثر ہی
 نہیں ہوتا۔
 شاہن نے ہاتھ ہڈی کی کچھ کر دیا کالی بلی لائٹ
 کو لڑکی کے کڑی پر گری اور وہیں گم ہوئی شاہن اس حد تک
 غار سے نکل کر درمی منزل پر آ گیا وہ ایک پرانے کے
 لئے بیڑیوں کی طرف بڑھا تو اسے پھر ایک سایہ چھان
 کے کہیں سے نکل کر گول دھرا کی طرف جا تا کالی دیا۔
 شاہن نے علمدار کو آواز دی علمدار کیا ہے ہو۔
 جواب میں وہی گہری خاموشی کی شاہن کو دماغ میں گم
 گیا۔ یہاں اس نے ایک ایسا سداک دیا کہ اس کے گرد گئے
 کھڑے ہو گئے اس کی آنکھوں کے سامنے گول دھرا کڑی
 پر ایک آواز کی آواز دھرا ہوئی تھی شاہن اس حد تک
 سے گیا تھا خیال اسے یہ کہیں سے آواز نہ تھی تو اس
 نہیں ہے۔ گول دھرا کی دھرا گول دھرا میں سے دن کی
 دھرا کی دھرا کی۔
 شاہن نے اس دھرا میں چنک کر دیکھا کہ لاش
 ایک مضبوط دن والے پڑے کئے آواز کی آواز گونجے میں
 اس کے سامنے کی نہ تھی۔
 شاہن اس نیچے میں بیڑی کے گرد گئے کہ یہ جہاز
 کے پتھان کی لاش ہے لاش کا ایک بازو دھرا کی ہوتی
 تاج کھلی ہوئی کی گردن پر گول سورل تھا چھان غونج
 ہوا صاف لگا تھا کہ یہاں سے پتھان کا خون پکایا ہے
 شاہن مدد دھرا میں لاش کو کھڑے دیکھ رہا تھا گول دھرا
 توئی چنک آواز تھی جہاز شاہن کو سورل کی طرف سے
 پریشانی کی کہ وہ کہاں گم ہو گئی ہے۔
 گھبراہٹ ہوئی تو کوئی مضبوط ٹھنڈ پڑی ہے۔
 جس آسپ کا جہاز پر سداک تھیں وہ اسے بھی بڑ پڑ
 کر گیا جو کہ پھر علمدار کی لاش تھی شاہن ہمتا چھان
 الٹا جاتا وہ پریشان ہو گیا تھا سورل وہ جلد سے جلد
 اس جہاز کے گرد ہر سے یہاں جاتا تھا جہاز اس وقت
 اٹھنا گول دھرا میں اس کے ساتھ ہوتے تو شاید یہ رات
 بہت جلد چھان سکے ہوتے۔
 شاہن لاش کو کھینٹ کر پار رہا یہی میں سے آیا

وہیں جہاز تھا کہ انسان کی لاش کی اور یہ جہاز سے
 سمندر میں چھان جہاز تھا وہ کھلی لاش اور
 عمرے میں ایک پرانے کئے لاش کو سمندر میں چھان
 وہاں تھا کہ جہاز کی سب سے کچھ منزل سے لے کر دھرا
 کھڑے کر دینے والی جگہ کی آواز سنائی دی۔
 شاہن میں ایک پارہ کا پارہ اٹھا کر وہ بڑے ہی
 مضبوط کالاس تھا اور پارہ پارہ ہوا اس نے لاش کو
 سمندر میں چنک دی اس وقت سمندر میں وہ چنک
 رہی تھی لاش کے سمندر میں گرتی آہاں پر پھیلتے آہی
 میں لاش اور پھیلتے دیکھنے سا آہاں سا یہاں سے
 ڈھک گیا اور تیز ہوا میں جہاز کے بادبان غباروں کی
 طرح چھوٹ کر گیا اور جہازوں پر بڑی تیزی سے پہنچا۔
 وہاں غباروں کی شکل اختیار کر گئی سمندر میں بڑی بڑی
 موجیں اٹھ رہی تھیں جہاز کے چنڈے سے ٹکرائے اور اسے
 اٹھا کر درمی طرف لے جا رہی اہل زور زور سے گر گئے
 گئے سمندر میں چھان طرف دن کے وقت ہی اندر اچھا
 کیا تھا پھر شروع ہو گئی بادبان کے کھلنے ہونے کی وجہ
 سے جہاز زیادہ شدت سے ڈول رہا تھا کچھ کچھ گول دھرا
 ہوا میں اس میں جبر جاتے سے جہاز موجوں پر گولی کے
 کھلنے کی طرح چھان رہا تھا۔
 شاہن کو یقین تھا کہ علمدار کی اس غالی اور
 پارہ جہاز میں ہے اس لئے وہ اس جہاز کو فوراً گونے
 سے ہر حالت میں چھان جہاز تھا کہ علمدار زندہ ہے۔ وہ
 جہاز کے اس مسئلہ پر چڑھا جہاں لاش لٹی ہوئی تھی وہ
 بادبان کی سداک کاٹ کر اسے گول دھرا جہاز تھا کہ جہاں
 کی رات میں جبر جاتے تیزی آگے جا رہے تھے۔
 اور جہاز سمندر میں گونجے ہوئے تھے۔
 مسئلہ یقین لڑکی کے سامنے کھینے پر سب سے
 لوہر چڑھ کر تھانے نے کھنکھائی کہ یہاں لاش کی
 بائیں سامنے گیا ہے بادبان کی گونج کھنکھائی کے
 اندر سے میں لاش کی کوہڑی اور جسم کی پٹیاں سڑے
 گوشت میں سے جگہ جگہ جھانک رہی تھی کوہڑی میں
 آگھوں کے دونوں سوالوں میں بھڑکی سرخ چمکی

محسوس ہوئی اس نے کوئی ٹیلا نہ دیکھا اور پتھر سے بادلوں کے
رے کاٹنے میں مصروف ہو گیا۔

جب رے کٹ گئے اور پھولے ہوئے بادبان
ایک زبردست جھاکے کے ساتھ نیچے جہاز کے سرے
پر چڑھ اُس کے گرد تہہ جہاز کا مستور لکھی زور سے مل گیا
لاش کو ایک دھچکنے کے اواس کی کھڑکی میں سے ٹوٹ
شوں کی آؤدیں نکلنے لگیں شاہان ابھی تک اواس کی جگہ پر تھا
جہاز کڑے سے ٹکرا کر اور سمندر میں آنے والے جہاز یا
سمندری چٹانوں میں نہ کھڑکے گاؤز بلند کر کے جہاز کے
مسافروں اور کپتان کو گھر دھرا کر کسے میں شوں میں کی
آؤد پر شاہان نے چرک کر لاش کی کو پڑی کی طرف دیکھا
بارش شاہان کے چہرے پر پڑی لاش سے بھی بارشوں
کا پانی ٹپک رہا تھا شاہان کی گلاں کے سواںوں میں
دور دور آؤدیں اُٹار کے دانوں کی طرح چمک رہی تھی
شاہان نے سوچا کہ اس کو پڑی میں یہ آؤدیں کس کی ہے
واپس اترتے ہوئے شاہان کو لاش کے بالکل مغرب سے
ہو کر جاتا تھا جب وہ گڑھی کے سمتوں کی ہستہ ہستہ جھلسا
ہوا لاش کے قریب سے گزرنے لگا تو ایک دم سے کو پڑی
کے سوراخ میں سے پھول کر باہر دے رہا تھا پھر نیچے
اور شاہان کی گردن کے گرد لکڑی لکڑی کی آؤدیں بار بار
ڑٹنے لگے گھر گھر دھڑوں یا پھول سے ان کو پکڑ لیتا تو وہ نیچے
گرجا جاتا چرکے سے گرجے سے گرجے میں وہ گرجا جہاز
بھی نہیں چاہتا تھا کہ خود بخود اسی بات پر ہاتھ چھوڑ کر
سائپن کے لئے چلا گیا کہ وہ۔

اس نے سائپن کوڑے دیار اور خود جھلسا ہوا نیچے
اتر آیا زہر سے اس کی آنکھیں ابھی تک اس کی گردن کے گرد پکڑے
رہے۔ لاش کی آنکھیں کوڑا کر رہے تھے۔

ڈنٹے سے سائپن کے زانہ ڈنکی ہو گئے کیونکہ
شاہان کی آنکھیں پتھر سے کی زیادہ سخت تھیں۔ شاہان نے
دلوں سانپ کو پکڑا جاتا تھا کہ اس سمندر میں جھپکے گیا۔
بادبان کے گردنے سے جہاز کے ڈولنے
میں کافی فرق آیا تھا تاہم بارش اور سمندری طوفان میں
کوئی فرق نہ تھا تاہم بارش کی کہ نہ کھٹکا نہ ہوا بھی نہیں

رہی تھی۔

دون چمپ رہا تھا سورج سمندر میں ڈوبا۔
سمندر میں اندھیرا چھا گیا شاہان نے پہاڑ کی طرف
دیکھا جو کہ اب سمندر میں قابض رہیں تھا غل میں سب
سے اوپر کی جگہ روشنی بھری تھی گیسے وہاں کوئی روشنی
ہو سکتی ہے یہ شام ہوتے ہی جیسے اپنے آپ روشنی ہو گئی
ہوں شاہان کو ایک بات کی بہت ہی گہری دھڑکنے والوں سے
صحراؤں میں میدانوں میں پہاڑوں میں اور سمندروں
میں سزکرتا رہا تھا اسے معلوم تھا کہ جہاز اتنی رفتار سے
بڑھ رہا ہے کہ اگر اسے روکا نہ گیا تو وہ اُتار سے چڑھ
جائے گا یا ساحل پر موجود کسی چٹان سے ٹکرا کر ٹکڑے
ٹکڑے ہو جائے گا سوال یہ تھا کہ جہاز کو روکا کیسے جائے
شاہان کے پاس نہ تو گھر تھا اور نہ ہی علاج جو جہاز کو روکے
بڑھنے سے روک سکے۔ گھر جہاز کا تھا جس کی طرف اس علاج
لاح خدا جانے کس مغرب کا کوالہ میں تھے گئے۔

شاہان نے محسوس کیا کہ پہاڑ کی چوٹی والے ٹل
میں جتنی روشنی بھی جھگھالی اور روشنی ہو جاتی گویا
وہاں سے سمندری جہاز کو کھل دینے جا رہے تھے۔ یہ
کون لوگ تھے۔ جوکل سے مشکل دے رہے تھے۔
شاہان کو اب یہی معلوم تھا کہ جس اُتار سے اب اسے
بڑھنے سے روکا نہ گیا تھا کہ جس رفتار سے جہاز
ساحل کی طرف بڑھ رہا تھا یہ ضرور بارش یا اس ہو جائے گا
مگر اب ایسا بھی ہوا کہ جو کئی ساحل قریب آیا جہاز کی
رفتار سے آپ کہ کوئی جوں جوں جہاز کے بڑھ رہا تھا
وہ بہت آہستہ اور ہاتھ جابجا ساحل قریب آ گیا تو جہاز
دلی کی رفتار سے چلنے لگا اور پھر ایک جگہ سمندر میں ہی
نہ گیا یہاں سے ساحل کی چٹان سے ساتھ ساتھ زبردستوں پر
فی شاہان کو جب وہاں اس جہاز کو کس طاقت نے پاس
کر دیا کہ باہر۔

گھراڑ کے اوپر ایک اور راڑ کا پردہ گھرا ہوا تھا
سے آتی ضرورت تھی نہیں تھی کہ جہاز کے اپنے آپ
لہ جانے کے راز پر غور کرتا۔ کیونکہ اس کے سامنے
ہاڑ اور تھا سورج چوٹی پر ایک پراسرار رغل تھا اس کی سب
سے اوپر دانی چمکتی تھی لکڑی میں ایک کول چٹائی دانی

بل رہی تھی شاہان ایک چھوٹی سی ڈونگا لکڑی پر بیٹھ کر
ساحل کی طرف چل دیا۔ سمندر کی جھلسی لہروں نے
بہت جلد اسے ساحل پر پہنچایا۔ یہ پتھر یا ساحل تھا
شاہان نے کئی کئی پتھروں میں کچھ کر ایک چٹان سے
باندھ دیا۔ ابھی اٹھا تھا کہ اس زہر سے برساتے ایک
بلند پہاڑ کے اوپر کچھ کچی ٹپسی ہے اس پہاڑ کے اوپر کچھ
تھا جس کی دھاریں پتھر کی جھل اور جھل میں اندھیرا
اچھا یا ہوا تھا۔

محل میں صرف اوپر والی چمکتی تھی لکڑی میں
روشنی بھری تھی پانی کی سارے محل میں نہیں بھی روشنی نہیں
تھی۔ رات کا اندھیرا اس پہاڑ کی زہر سے پر گہرا
ہو رہا تھا یہاں سمندر کی موجوں کا بہت شور تھا کیونکہ وہ
سمندر سے اٹھ کر ساحلی چٹانوں سے ٹکراتی تھی
آہستہ آہستہ اڑتی پانی میں جاتی تھیں گہرائی لہروں کے
چھیننے شاہان کی پٹھڑ سے تھے۔

آہستہ جہاز سمندر میں اٹکا کر اڑا رہا تھا۔
تجربہ کی بات یہ بھی کہ گھر نہ ہونے کے باوجود
وہ اپنی جگہ پر ماکٹ کر اٹھا۔ لہروں کا تھا جگہ جگہ رہا تھا
ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اسے کس قسم کو بڑھایا اس سبب سے
بکڑا رہا تھا۔

شاہان نے محل کی طرف دیکھا۔ محل پہاڑ کی
چوٹی پر لائی اوپر کا ہوا تھا خدا جانے اس کے سامنے
ہا تھا یا خدا جانے والے اب وہاں سے بھی نہیں لکھیں۔ لیکن
وہاں کوئی روشنی نہ تھا ضرور تھا۔ اس لئے کہ گھر سے
آہستہ جہاز کو کا قاعدہ کھل دینے گئے تھے۔ پہاڑ کی ایک
طرف پتھروں کا ہوا ایک ٹکڑے پر اوپر چار تھا۔
شاہان نے زہر نہ تھا ضرور کیا۔ یہ زہر پہاڑ
کے اوپر دوڑا ہوا تھا پہاڑ کی دوسری طرف بھی سمندر
ہی تھا۔ جہاز کے اخیر سے میں سیاسی ہائل رکھا
دے رہا تھا اور اس کی موٹیں پہاڑ کے ساتھ جھلک ہوئی
چٹانوں سے گھرا کر وہاں جا رہی تھیں۔ شاہان زہر
چڑھا جاتا تھا کہ یہ جھل سے پتھروں پھٹ گئے تھے ان
کا زانوں کے درمیان گھاس اکی ہو گئی تھی۔ زہر نے کی

Dar Digest **168** March 2018

چھانک لگا کر ان نقاب پوش کے پاس پہنچ جائے اور عمارہ کو ان سے چھڑانے کیلئے شاہان کو خیالی آبا کر اس طرح عمارہ کی زندگی کو خطرے میں پھنسنی تھی اسے تو یہ لوگ نقصان تو نہیں پہنچا سکتے تھے مگر ہو سکتا ہے کہ عمارہ کو وہ ہلاک کر دے۔ وہ اسی سوراج کے ساتھ کالان نقاب پوشوں کو نکلتا رہا۔

سردار نے ہاتھ کا اشارہ کیا ایک نقاب پوش ایک کرایہ کی طرف گیا اور دوسرے کے ساتھ دوسرے صندوق میں سے ایک انسان کا ہوا سارے کے گرد اس اپنی جگہ پر آ گیا۔ یہ کتا ہوا سر کی سمندری جہاز کے ملاح کا گفتگو تھا اس کے کانوں میں تانے کی مندریاں تھیں اور اصل بحری لیڑوں جیسی تھیں ہو سکتا ہے کہ انہی جہاز کے سارے ملاحوں کو انہی کوئی نئے ہلاک کیا ہو۔ شاہان یہ سوچنا ہی رہا تھا کہ سردار نے بحری لیڑے کا کتا ہوا سارے میں سے کراتے آگے پر کھدیا۔ انسانی بال اور کھال ہاتھ پر بونگی جیسے انسانی چال کر ہاتھ لگے ہو گیا تو سردار نے اسے ایک سلاخ کی مدد سے ہولیا کھڑا کر دیا اور عمارہ کے ہوش جسم کے اوپر کراؤ منتظر بننے لگا۔

جادو کی شہر سوئی کی آواز کے ساتھ عمارہ کے جسم نے حرکت کرنا شروع کر دیا۔ جیسے وہ دھن سرودی میں کا پ رہا ہو سردار بھٹا ہوا انسانی سراسی طرح سلاخ میں لٹکائے کھڑا رہا۔ سارے جہاز پر عمارہ کے جسم نے کانپنا بند کر دیا تو سردار نے انسانی سرچالے کی ایک ہی منڈی کو دیا۔ جس کی آواز سے وہ حرکت کر پڑا اور کھڑکوں میں پڑی تانے پہلے کے غلطی کی وجہ سے وہ دونوں ہاتھ اور ہاتھ کر عمارہ کے جسم کی طرف اپنی لمبی انگلیوں کا اشارہ کیا تو عمارہ کا بے ہوش جسم نکلا جس جسم آہستہ آہستہ پہنچے آنا شروع ہوا۔ بھڑو اپنے آپ ہاتھ میں چٹایا۔

سردار نے تباہیت کا منتہی بند کر دیا اور اپنی بھاری سوئی کوئی آواز میں بولا۔ ”تباہیت کو تھ خاتمہ میں سے جادو جس درجہ بعد پورے جادو آدھی رات کو سمند ر میں سے نکلے گا۔ اس کی روز اس حرکت کی گردن کا آگے آگے جس ذال دی جائے گی۔ اور پھر جسک

ایک گہرا اندھا اور خشک کنواں تھا جس میں اوپر کواٹھے ہوئے تیزے اور دھواں گئی تھی۔

شہان سے بیوں اور کنواں کے اوپر جا کر اور اگر وہ شہان نہ ہوتا تو اس کے سر کو ان کنواں اور تیزوں سے چٹائی کر دیا ہوتا۔ کواں پر کوئی اثر نہ ہوا انا اس کے کرنے سے تیز کنواں ٹوٹ گئی جیسے ان پر کوئی بجادی چٹکریا ہو شہان نے اندھیرے میں ٹولا وہ ایک شہان سے بڑے سے کنویر سے کنویر میں قید ہو چکا تھا۔

کنویر کی گول دیوار تھی جس کی وجہ سے وہ ہر شخص پر دھسکتا تھا شہان کو دغا کا کوئی جھوٹا ملک نہیں کر سکتا تھا لیکن اگر وہ گمبے کنویر میں گر پڑے تو سی کے بغیر پورے کنویر میں جاسکتا تھا اور ہر گھانا انوں کی طرح بے بس ہو جاتا تھا اس وقت بھی شہان سے بس قہار کی کواڈمی نہیں دے سکتا تھا۔

شہان سے اسی وقت ناگنی اور شرم کو یاد کیا کہ اگر کسی طرح ان میں سے کوئی بھاگ جاتا تو اسے کنویر کی مصیبت سے نہات دلا سکتا تھا نہ کوئی خبر نہ تھی کہ شہان کو تک سب کی کنویر میں نہ رہنا پڑتا۔

دوسری طرف زمانا ناگنی اور شرم کو بھی دیکھتے ہیں کہ وہ کس حالات میں ہیں۔ ناگنی اور شرم بھروسے کے ایک ہوئی ہیں آئے سانسے والے کرے میں رہتے تھے اور شرم میں دن بھر شہان کی تلاش میں بھرتے رہتے تھے کہ شاید انھیں شہان کی جگہ مل جائے پھر دونوں ناہان بک کواں کرنے کے لیے تھکے تھے اور انہیں یقین نہ تھا کہ شہان بھروسے میں نہیں ہے تو انہوں نے پھر چھوڑنے کا فیصلہ کر لیا۔ "اب ہمیں کس طرف جانا ہے۔" شرم نے کہا۔ ناگنی کچھ سوچ کر کہنے لگی۔ "میرا خیال ہے کہ ہمیں ملک اندھس کی طرف جانا چاہیے کیونکہ شہان کی زانی ایک بار سنا تھا کہ لودہ اتین کی سیر کرنا چاہتا ہے۔"

شرم نے کہا۔ "یہ کنویر تو ہوسکتا ہے کہ وہ کسی سمیت میں چھس گیا ہو اور اندھس کی سیر کا اسے خیال ہی نہ ہو۔"

پھر ہم نے شرم کہا۔ "آج ہم نے ایک

مالا دیں تھیں۔ سوہا کے لئے۔"

”میں رو اعلیٰ اپنے بھائیوں کی تلاش میں آپ کے پاس آئی ہوں۔“

”تمہارے بھائیوں کا میرے ساتھ کیا واسطہ ہوئی۔“ مولے نے کہانے کو رشتہ دار میں پھمکا۔

”جانی نے اس کو اب سے کہا۔“ جناب آپ نے میرے بھائیوں کو ابھی اسکی کیا ہے۔“

”کیا مطلب؟“ مولہ جڑن اپنی کرسی پر سے اٹھ کر اوارہ جانی کو کوئی دھڑکی بھٹکے لگا تھا جو بھولوں والوں کی نظر پر کراہندہ آئی تھی اس نے جانی کے کندھے پر ہاتھ کر رکھا۔

”میں جانتا ہوں کہ تم سب سے پہلے جڑن کے کسی پاگل نانا سے اپار آئی ہو لیکن یقین کر دین میں کوئیں بتاؤں گا اس لئے تم پر بھی کہہ دے کہ میرے کمرے سے نکل کر چپ چاپ داخل پاگل خانے میں جاؤ۔“

جانی نے کہا۔ ”جناب آپ کی ہمدردی کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔“

”میں نے ابھی اسکی کہاں سے کہا تھا؟“

مولہ جڑن اب جانی کی باتوں سے خوش ہوئے ہوئے مسکرا کر کرسی پر بیٹھ گیا اور دانوں میں غلام کرتے ہوئے بولا۔

”میں نے تو ابھی ابھی جانا کہتا تھا کہ جو خاص طور پر میرے لئے اگلے گئے تھے۔“

جانی نے کہا۔ ”جناب وہی جانا میرے بھائی تھے۔ آپ نے انہیں کہا میں آپ سے اپنے بھائیوں کا بدلہ لینے آئی ہوں۔“ مولہ جڑن اب پوری طرح کھجکھاتا تھا یہ کوئی پاگل لڑکی ہے اس نے قہقہہ لگا کر کہا۔

”چھو اتھو نہایت تمہارے بھائی تھے۔“

جانی نے کہا۔ ”ہاں۔“

”قواب تم کیا چاہتی ہو؟“ مولے جڑن نے پوچھا۔

جانی نے کہا۔ ”میں چاہتی ہو جناب کہ آپ مجھے بھی اہل کر لھائیں۔“

”کیا تم بھی ساہب ہو۔“ مولے جڑن نے

سکراتے ہوئے سوال کیا جانی نے بڑے سکون سے جواب دیا۔

”ہاں جناب میں جانی ہوں۔“ اس پر جڑن نے زور دیا تو جہانگیر کا ہاؤس کی تو قدری پر لینے لگا دیا۔

”اچھا تو پھر تم ساہب بن جاؤ۔ میں تمہیں بھی اہل کر لھائے گا۔“

”جانی بن جاتی ہو جناب۔“ جانی نے اتنا کہا تو انہیں بند کر کے ایک گھر میں لایا اور سیاہ رنگ کا بڑے پتھر والی گاڑی میں جڑن اپنی کرسی پر سونہرے گھاس کے پاؤں سے تھے زمین پر گلی کی جڑن کے دیکھا تھا اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا اس کے سامنے ہزاروں سیاہ گھاس گھاس لٹائی مارے بیٹھی تھی اس کی گردن پر سے ٹھٹھ پٹھ پٹھ اور وہ پتھر اور وہ گھاس جھیر جھیر کر رہی تھی اور اپنی لال لال آنکھوں سے زبان نکال کر تے گھور رہی تھی۔

جڑن کا زہرا خون خشک ہو گیا تھا ایک تو اس کے سامنے ایک زندہ لڑکی نامک بن گئی تھی۔ اور دوسرا ایک زہریلی گھاس اس کی طرف بھٹک اٹھانے پھٹکائی ہوئی آگے بڑھ رہی تھی۔ جڑن اٹھ کر بھاگنے لگا وہاں تھا کہ جانی اس کی گردن سے لپٹ گئی تھی جانی کا بھین جڑن کی آنکھوں کے بالکل سامنے تھا۔ اسے کالی نامک کی سیاہ موچھوں کے خوف ناک سیاہ بال صاف نظر آ رہا تھا۔ وہ قہقہہ مچانے لگا نامک اسے اور ساہب کھانے کے لئے چھوڑ جائے گا جانی جانی نے اپنا بڑے آرام سے کانپتے ہوئے جڑن کے ماتھے پر لے جا کر اس دیا جڑن کے کندھے سے ایک سیاہی نکال نکال گئی۔ نامک اس کی گردن سے گزر کر جڑن آئی اور بھگم گئی۔

”کمرے میں لوگ جمع ہو گئے جڑن کی زبان بند ہو چکی تھی زہرے خفہ خفہ تھا اس کا سفید رنگ بیلا پڑ چکا تھا اور نہ تاگ اور کانوں سے خون جاری ہو گیا تھا۔ وہ ہاتھ سے ایک طرف اشارہ کر رہا تھا۔ کراؤں بکھو جی نہ تھا۔ جانی ایک بار پھر نامک کی شکل میں آ کر وہاں سے اپنے کمرے میں جا چکی تھی۔

شریم نے جانی کو کمرے میں داخل ہوتے ہوئے دیکھ کر کہا۔ ”میرا خیال ہے کہ اب جڑن بھی ساہب نہیں لھائے گا۔“

جانی نے کہا۔ ”میں نے اسے اس قابل نہیں سمجھا کہ وہ اتنے کڑے اور شرمیلے ہو گئے چھوڑ دو اب اس کی ایک کارواں میرے لئے وہ ہندو شرمیلے سوار ہو کر اور ساری رات سفر کرنے کے بعد دوسرے روز وہ پلٹر کر رہے تھے۔ یہاں ایک بہت بڑی بندرگاہ تھی۔

جہاں سے ایک سمندری بادشاہ اپنی جہاز درم سمر اورا تین کے لئے روانہ ہوتے تھے یہاں بھی نامک نے ایک پائے قسم کے ہو گئے کمرے کو کرانے پر لے لیا شریم کھانے کمرے میں ٹھہرے گیا اور شرمیلے چکر کرنے بندرگاہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ شرم فرانس کے چارنے شرموں کی طرح تھا۔ زیادہ آبادی نہیں تھی مگر بندرگاہ ہونے کی وجہ سے بازاروں میں بڑی رونمائی تھی۔ بندرگاہ پر بڑی چھل بھل کی گئی جہاز بندرگاہ پر کھڑے تھے۔

جانی نے فرانس میں زبان میں ایک آدمی سے پوچھا کہ اتنے ایک کی طرف جہاز بک روانہ ہو علم ہوا کہ تین روز بعد ایک مسافر جہاز جائے والا ہے اس کی تک پہنچ ہی ایک کر رہے تھے۔ جانی نے فرسٹ کلاس میں ایک کین اپنے نام سے بک کر والیا اور شریم کو کرا کر گردی وہ تین دن انہوں نے یہ وقت بیک میں گزار دیا۔

چوتھے روز نامک اور شریم بندرگاہ پر آ گئے۔ ایک بڑا جہاز اتنے جانے کو تیار تھا۔ اس کے سفید دوسرے ڈان میں ستلوں کے ساتھ لیٹے ہوئے تھے مسافر بڑے صاف چڑھ کر مارا ہو رہے تھے۔ دوسری طرف سے حوروان کا ساہب جہاز پر لا رہے تھے۔ نامک اور شریم کے پاس کوئی سامان نہیں تھا۔ ایک چھوٹا سا لٹیکھی نہیں تھا۔ جس میں ضرورت کی چند ایک چیزیں تھیں جہاز کے ڈیک میں گرے سے اوپر والی منزل پر فرسٹ کلاس کے صرف چار کین تھے ان میں سے ایک

سستے کا انجام

بیوی کے لڑے ہوئے شوہر نے وکیل سے مشورہ کیا۔ ”اگر میں اپنی بیوی کو طلاق دوں تو کم سے کم ترقی ختم ہو چکی؟“

وکیل: ”ہزاروں فیس پیر۔ تقریباً اتنے ہی روپے کا خرچ اور بیوی کا حق میرا اس کے علاوہ ہوگا۔“

شوہر: ”اتنا خرچ تو شادی میں بھی نہیں آیا تھا۔ سو روپے کا خرچ خواہ لے لے تھے۔ اور تین سو روپے کی مصلحتی آئی تھی۔“

وکیل: ”نہ بتا کر“ سستے کام کا اہمیا انجام ہوتا ہے۔“

(ڈاکٹر نیکس مارک۔ کنڈو خلیج ساگر سندھ سے)

نہیں نامک کے نام کیا تھا۔

جانی کین میں آگئی شریم بھی اس کے ساتھ تھا اس کی لپٹ کی ضرورت ہی نہ تھی۔ کیونکہ وہ کسی کو کھانے نہیں دیتا تھا نامک نے کہا۔

”تم چمک پوسٹا کرنا میں تائیں پر سو جایا کروں گی۔“

”نامک میرے کمرے سے تم کیوں تکلیف کروں گی تو اب میرے پڑی ہاں کر سکتا ہوں۔“

”نہیں شریم بھائی میں نہیں پسند کرتی کہ میرا بھائی اب میرے نام آرام سے چمک پر سوتا میرا کیا ہے میں تو جانی کو جہاز کے کسی بھی کمرے کے نام سے سونکتی ہوں۔“

جہاز کے ڈان میں کھول دیئے گئے تھے لنگر اٹھا دیا گیا کینان کے کمرے سے بیڑی پہلے کی لاہر چھلی گئی تھی جہاز نے دتین بار کھولنے سے اٹل بھائی اور دوسرے روزانہ ہو گیا سارا دن ساری رات جہاز

سمندر میں بڑے سکون کے ساتھ روند رہا تھا اسی طرح تین دن سمندر میں گزرے شرم چنگ رہ سوجا اور ناگہی کبھی قالمین پر اور کبھی سینکے سے باہر نکلیں کر کہیں بھی سوجا ہی تھی۔ اس وقت وہ ایک چھوٹے سے سانپ کی شکل میں ہوئی۔

ہائی تھوڑی سی آہستہ کے ساتھ یہ کمانی درہیک ڈھوڑو
سکتی ہے مگر اب ایک خطرہ تھا کہ ذیل بجلی کے حصے
میں سے جو تیز رفتاری سے اوپر اٹھ رہی تھی وہاں تھوڑے سی کہ
ہائی کا سارا جھلجھلکا تھا اس کی دہر سے بھی ایسی بجلی
رہطوت رہنے لگی تھی۔ ہائی نے حصے کے آگے کی
طرف دیکھنا شروع کر دیا۔ وہ ذیل بجلی کے پولوں کے
جس پر بڑی بڑی پولوں کی جھٹ پڑی تھی یہاں زیادہ
الٹھیرا تھا۔

ہائی نے ذیل بجلی کی چر دی والی کماندہ
حصہ دیکھا جسے ایک میدان کی طرح چملا ہوا دکائی
زیادہ جلدی وہاں سے نکل جانا جتنی سی شاید ذیل بجلی
کو بھی احساس ہو گیا تھا کہ اس کے اندر کئی سے مسلسل
کڑھ رہی ہے۔ وہ کڑھ کڑھ کر اس میں پھر کمانی کے
ساتھ ہوا کا ایک ہولناک سانچہ کڑھ کر اگاہ کر پھینکنے کی کوشش
کر رہا لیکن ہائی پولوں کے درمیان ایک جگہ چمکی ہوئی
تھمی کیونکہ وہ ذیل بجلی کے منہ سے پھر نکلتا جاتی تھی
وہاں جان کا خطرہ تھا ہائی ذیل کے پھوڑے والے
سوراخ سے پھر نکلتا جاتی تھی اسے کبھی معلوم نہ تھا
کہ جہاں سے ذیل نے سانس لیا تھا وہ سوراخ اس جگہ
پر ہے اس نے اندازہ کر دیا تھا کہ بجلی کی کمر کی طرف
دیکھنا شروع کر دیا کیونکہ وہ کڑھ کڑھ کر بڑی بڑی کمانی
پڑھوں کے درمیان اسے روشنی سی لگتی تھی لگائی ہی نہ تھی
تیزی سے روشنی کی وہاں پہنچنے کے دیکھا کہ وہاں
بجلی کے پھل کے گردن کے اوپر ایک ایسا پھل چمکی ہوئی ہے
جس میں سے روشنی نکل رہی ہے اسے سانس دینے لگا جیڑا تھا
جس کے اندر پھول سے پھولے ہر ایک نوکے دایوں کا
دلوں کا چمکنا تھا پھر ساجھا تھا یہاں جانے کا مطلب
تھا کہ وہاں کمرہ مٹا جائے۔

ہائی تیزی سے واپس مڑی کیونکہ ذیل بجلی
زور سے کمانے لگی تھی نیچے سے ہوا کا وہ بڑی تیزی
سے اوپر کی طرف آنا تھا کہ لگے کہ باس ایک جگہ چٹ
گی کہ جب ذیل کی کمانی ختم ہوئی نہ تھی نہ دیکھا کہ

اس کے اوپر روشنی آ رہی ہے وہ جلدی ہے اور ہنگامی ہے جگہ
دھنکی کی آواز گونج رہی ہے اس کی آنکھ کے پڑے میں سے
ہوکر اس کے دوپٹے پر جسم کے اندر آ رہی تھی۔

ناگنی نے اس سے اعزاء کو لگایا کر دھنکی سمندر
کے اوپر یہ تیر رہی ہے اس نے سوچا کہ دھنکی کی
آنکھوں کو ہونکر بارکست ہے جگہ آواز کے اطراف پہنچی
یہی کسی کراہی کی حرکت ہے دھنکی جھار ہوئی وہ تڑپ
کراہی میں اٹھی ہوئی اور پھر حلاقت سے غوط
لگا کر سمندر کے اندر چلی گئی دھنکی کے جسم کے اندر
طوفان آ گیا اس کے معدے میں کھائی ہوئی پھلیاں
اوجھ سے اوجھ رہی تھیں۔ بڑی بڑی درجائی دیواریں
آگے پیچھے ہوتے لگیں۔

ناگنی عجیب معینیت میں پھنس گئی تھی اسے شرم
کا خیال آ کر کہتا کہ جب وہ سین میں اسے شب بھر
کہنے نہ گئی تو وہ پریشان ہو کر ناگنی کی نگاہ میں پھر
بھی نہ آ رہا تھا کہ کیا طریقہ اختیار کرے کہ اسے دھنکی
کے زعمان سے اس کی جان چھوٹ جائے۔ ناگنی نے
فیصلہ کر لیا کہ جاوے جگہ کیوں نہ ہو جائے وہ دھنکی کے
پیٹ سے نکل کر کہے گی اس نے دھنکی کی گردن سے زرا
نیچے اور بالی پکلیوں سے ہو کر دھنکی کی درجائی سے بھری
ہوئی دیوار کو کندہ سے کہتا شروع کر دیا پاپیلے کو تو دھنکی کو
دھنکی اور احساس نہ ہوا۔ گین جب ناگنی نے زیادہ سے
زیادہ سوراخ کر لیا تو دھنکی نے جب نہ سمجھی بھری سی
اور سمندر میں اچھلتا شروع کر دیا اور ناگنی اپنے کام میں
لگی رہی۔ اس نے دھنکی کے جسم کی دیوار میں گولی
سوراخ تیار کر کے لگایا اور پھر اپنا سر ہٹا کر بالکل دھوپ
اور تازہ ہوا میں آ کر اس کی جان میں جان آئی وہ دھنکی
کے جسم کے سوراخ سے باہر نکل آئی وہ دھنکی کی کر
نے ہوئی تھی اور دھنکی ایک طوفانی جہاز کی طرح بڑی
تیز رفتاری سے سمندری موجوں کو کھینچ رہی ہوئی آگے
بھاگے جا رہی تھی وہ کبھی پانی میں ڈوب جاتی اور کبھی
سے باہر آ جاتی۔

۔ ناگنی نے یہ موقع غصہ سے جانا اور اس بار جب

دیکل پانی سے باہر نکل آئی اور سفید صفت بن کر اڑنے لگی۔ اوپر ہوا میں آتے ہی اس نے سب سے پہلے جوتے دیکھی اور ایک چھوٹا سا پارٹی جہاز تھا جو پھوڑی دور دہریوں پر بھاگا جا رہا تھا اس کے عرشے پر جہازی کلرے تھے اور شوبا بے تھے۔ اسے معلوم ہوا کہ یہ دیکل پکڑنے والے جہاز ہے اور انہوں نے دیکل کی گردن میں نیزہ اور کراسے لگا رکھا تھا اور نئے کی دھڑ سے سمندر میں بھیجے تھے۔ بارے تھے: ہانگی اڑتے اڑتے مرکز دیکل کو یکساں کے جسم پر پکڑی ایک نیزہ سے کیے ہوئے تھے۔ اور دھڑ سے سمندر لال ہو رہا تھا اب اسے معلوم ہوا کہ دیکل جو بار بار تپ رہی تھی۔ جو دیکل کا کھلا کرنے والے جہازی جہاز کے عرشے سے اس پر چبک رہے تھے۔

ہانگی نے اس جہاز کو پھوڑا اور سمندر میں شرمیلے والے جہاز کو تلاش کرنے لگی۔ شرمیلہ کا جہاز دور در دور دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ اب اسے لگتا تھا کہ گویا اسے سمندر لٹل کیا ہے خدا جانے دیکل اسے سمندر کے نیچے ہی پھینچے کہاں سے کہاں لے آئی تھی ہانگی نے شرمیلہ کے جہاز کی تلاش براہ بار بار دہری دہری سمندر میں آئے تک نکل مٹی لگیں شرمیلہ کا جہاز نہیں دکھائی دے رہا۔ اصل میں ہانگی شال مغرب کے بجائے سمندر میں شرمیلہ کے جہاز کو جنوب مشرق کی طرف تلاش کر رہی تھی۔

ہانگی یہ پتا نہ ہو سکا کہ دیکل پکڑیں چلی پکڑنے والے جہاز کو جو اسے مرکز میں لگا ہوا تھا کب کب سے سمندر میں چلے آئے۔ ہوا کے سمندر میں ہے۔ ہوا کے کہ وہ شرمیلہ کے مسافر اور جہازی دست تھاکے۔

سوال یہ تھا کہ ہانگی کی شکل میں ان سے معلوما حاصل کرے۔ پڑھ نہ کر وہ ان سے کچھ معلوم نہیں کر سکتی تھی اگر انسان کی شکل میں جائے گی تو کیا کیے گی۔ کہہ دوں گے اور جہاز میں کیسے آئے تھے اور صورت سے دیکل کا قاتل جڑوے مارے گئے۔ اور ہوا کے کہ ان کا قاتل جڑوے سامنے سے ہو۔ کیونکہ اس جڑوے کے لوگ دیکل کا قاتل کر کے ان کی جڑی

اور تیل کی تجارت کیا کرتے تھے اچھی کے لئے بحر حال
دیکھ لے دکھاری جہاز پر جان ضروری تھا۔ وہ غوطہ کھا کر
داہیں چلی جہاز کائی فاسٹ پر تھا ناکی جہاز کے اوپر
آگئی۔ جہازی دیکھ لے جہاز پر لڑائی کی تھی تھے اور اب
چھرے سے اس کا جسم کاٹ کر چرئی الگ کر رہے تھے
وہ اپنے کان میں اس قدر مصروف تھے کہ کسی کا خیال اس
سفید عقاب کی طرف نہ کیا جان کے جہاز کے
اوپر ملارہا تھا اور ناکی سوچ رہی تھی کہ کیا اترے۔
آخر ناکی کو خیال آیا کہ وہ ایک نری پرک بچی یعنی اناٹی
رہی تھی۔ بھر وہ جہاز کے مستول پر جا چکی یہاں اس
نے ایک زورورنگ کی چڑیا کی شکل بدل کر اور بھر سے اڑی
مار کر جہاز سے ڈیک پر گرے تیل کے بڑے بڑے خالی
ڈراموں کے درمیان آکر بیٹھ گئی سب وہ سوچنے لگی کہ
کس شکل میں ظاہر ہو کر شرم کے جہاز کے بارے میں
ان لوگوں سے معلومات حاصل کرے۔ ناکی کی بھہ میں
بکھری تھی آقا تھا۔

وقت بھی گزرتا جا رہا تھا اور شرم کا جہاز بھی دور
ہوتا جا رہا تھا ناکی کا خیال تھا کہ شرم کے جہاز سے
جدا ہوئے صرف سات آٹھ گھنٹے ہی گزرے تھے لیکن
وہ دن کے وقت سمندر میں دیکھ کے ہیبت میں گر رہا تھا
اور شام ہوتی تھی اور سورج سمندر کے اوپر منہری
کر رہی تھی مغرب کی طرف غروب ہو رہا تھا۔ ناکی
برصاوت میں داہیں شرم کے جہاز میں جا چا تھا تھی
اسے اور دیکھ نہ سکی جس ایک خیال ذہن
میں آیا۔ وہ اس نے ایک انسانی شکل بدل لی۔
جہاز کے سرے پر بڑے دانے سورج کی لال
چلی روٹی پھلی ہوئی تھی اور اور جہازی دیکھ لے کے گھرے
کر رہے تھے اس کی چرئی کلال کلال کر بڑے بڑے
ڈراموں میں ڈال جا رہی تھی وہ آدھی خالی ڈرامے لیے اس
کی طرف آئے جہاں ناکی بھی بیٹھی تھی جہازی حیرت
سے ڈھک کر کہتے تھے سنا سناے وہاں آکر ڈراموں
کو پھینکے گئے ایک جہازی نے خالی ڈرام پر سے کھسکا
تو جہاز اس پر بھج کر ناکی کو پھینکے گا۔

اور پکٹان کو ترخپد وہ تھا کہ اسے سمندر میں پھینک
دیا جائے۔
ناکی بالکل پریشان نہ تھی اسے فخر ضرور
آ رہا تھا اور وہ اس جہاز سے اپنی ضروری معلومات کے
غیر داہیں جا رہی تھیں جانتی تھیں لیکن پکٹان بائیں
آ رہا تھا اس نے تجربا جینی میں سے کلال کر بڑے
جہازی کی طرف پھسکا اس کی سمت ابھی کسی کتڑاں
کے سر پر ہوتا ہوا سمندر میں جا رہا۔ پکٹان اور زیادہ
لطفے میں آ گیا اس نے حکم دیا بیٹے اس بڑے کوسند
دش دھکا دے اور پھر اس چوڑائی کی کلال تاروں۔
جہازی پکٹان کے اس حکم پر خوش ہو کر کلالوں
بجائے گئے۔ دیکھ لے پکٹان پر غر سے چلا جا کر اور ان
کے جسموں کے ٹکڑے کر کے بے لوگ سنگدل ہو چکے
تھے۔ انہوں نے لپک کر بڑے سے جہازی
کو بڑوں سے پکڑا لیا اور سمندری طرف لے چلے۔
اور ناکی کے دونوں ہاتھ وہی سے بندھے ہوئے تھے
اسے بڑے سے جہاز کے احسان اخلاق کی وجہ سے اس
کے ساتھ ناکی کو گھبراہٹ ہو گئی تھی۔ وہ ان خالوں کے
ہاتھوں اس کی موت بھی گوارا نہیں کر سکتی تھی۔ خواہ کچھ
بھی کیوں نہ کر نہ پائے۔ اسے بڑے سے جہازی کو ان سے
بچانا چاہی تھی۔

ناکی نے فیصلہ کر کے اپنے دونوں ہاتھوں
کو پکڑا سہا جھکا دے کرسی تو ڈال دی جہاز کے پکٹان نے
کھاں اس لڑکی کو پکڑو اس نے ہی تو ڈال دی ہے تب اس
چار جہازی ناکی کی طرف بھاگے مگر ناکی بھلا اب ان
کے ساتھ کب آئی۔ اس بدوان کو ان کو اپنی جان کی
خیر مانی جا چکی تھی۔ ناکی کوب سے زیادہ گھاس
بڑے سے جہازی کی جس کے بارے میں اسے یقین تھا
کہ وہ سمندر میں گرتے ہی مر جائے گا جہازی اسے لے
کر کھٹکے کے پاس کمرے سے پکٹان کے حکم کا انتظار کر رہی
تھے انہوں نے ناکی کو کرسی توڑ دے دیکھا ناکی نے ایک
گھبراہٹ میں لیا اور سفید عقاب میں کن جہاز کے سرے
سے تیری کی طرح سیدھا اوپر کھڑکی۔

جہازی اور پکٹان حیران رہ گئے پہلے تو جو کچھ
انہوں نے دیکھا اس پر یقین ہی نہ آیا اور بار بار انھیں
جھپک کر ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگے۔
”یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک اچھی بھلی لڑکی ایک
دم سے پردہ میں گمراہ بن جائے نہیں نہیں ایسا نہیں ہو سکتا
ان کی نظروں کو دھوکا ہوا ہے۔“
لیکن ناکی ان کے درمیان نہ تھی صرف اس کی
رسی ان کے بدن میں پڑی تھی پکٹان کے چہرے
پر حیرت کے آثار تھے وہ منہ افٹھے سفید عقاب
ڈالے سورج کی سنہری روشنی میں آسمان پر پکڑ گئے
دیکھ رہے تھے اس نے کہا یہ جہاز کرسی تھی اور لافیت کے
چلو اور گھبرا گیا کچھ کر سکتے ہیں لیکن اس کے جہاز میں
ایسا جادو نہیں کسی نہیں دیکھا تھا پکٹان نے حکم دیا اس
بڑے کو کرسی کی کارواں چھوڑا اور اسے سمندر میں گرا دیا
جہاز درمیان ہو چکا تھا اور اس کا نقشہ ہی بدل چکا تھا
مگر عرش خالی تھا باہان کھلے ہوئے تھے جہاز ایک
طرف اپنے آپ سے ہی چلا رہا تھا اور جہازی
بھاگ گئے پھر بڑھو آدھی ناکی کو لے گیا ایک
آخری سے کہیں میں آ گیا یہاں ناکی پرانی چڑیا پڑی
تھی بڑے سے موم جی روشن کر کے چٹائی پر رکھ دی
اور کہا۔ ”مگر عرش کے سمندر میں ہیں اور دور در پہلے
ایک مسافر براہ جہاز ہم سے کوئی دوسرے کے قاصد ہے
تو کرا رہا تھا یہ وہ لوگوں کی طرف ہی جا رہا تھا کیونکہ
اس کا رخ بھی اسی طرف تھی ناکی کو کسی بھی معلوم کرنا تھا
اس نے بڑے سے جہاز کا۔“
”تم بتائے کہ جہاز یہاں سے کتنی دور ہوگا۔“
بڑے سے جہازی نے کہا۔ ”وہ جہاز میرے
اعلانہ کے اوپر چرے کے مطابق اگلے جہاز سے شمال
شرقی کی طرف کوئی ایک سو سٹھ میل کے فاصلے پر ہو گا
تم وہاں جاؤ گی یا میں میری ایک بہن اس جہاز پر
سفر کر رہی ہے میں اس کے پاس جا چا تھا تو ہوتا مہارت
بہت کٹر ہے اٹھل آکر گھس ہوا تو مجھے بھی زندگی کسی
بھی موڑ پر ایک دوسرے سے ملاقات ضرور ہو گی اب

میں جاری ہو کر اہمات کے دائرے میں جاؤ گی۔
 باقی نے اس کہا: ”آپ فوجا جانتے ہیں کہ
 میں اڑی سکتی ہوں میں اڑ جاؤ گی کی۔“ باقی نے
 بڑے جہاز کو سلام کیا اور کہیں سے کل کر جہاز کے
 مرے پر آئی سرحد میں سے ایک جہاز ملا وہ مٹی
 کو کچر کچر بارکھا گا: ”صوت صوت موت آ گیا۔“
 ”باقی ہنسی سحرانی مرے پر آئی وہ جہاز بیڑی کے
 کراہی کی طرف لپکے باقی اب اپنی بجھکی نہیں کہتا
 چاہتی گی کیونکہ وہ اس جتنے باقی نے سفید عقاب کا
 روپ بدل اور اڑان بھری اور وہیں اڑ کر شیل مشرق کی
 طرف اڑ کر دھل مشرق کی طرف پرواز شروع کر دی۔
 آؤں تک وہ پرواز کر رہی رہی اس کا پھیلا
 پتھر در با تھا۔ اس نے دور سمندر میں روشنی کا ایک نقطہ
 ٹھنرا دیکھا تاہم اس کی طرف اڑنے کی کافی دیر اڑتے
 رہنے کے بعد اس نے دیکھا کہ روشنی کی نقطہ اصل میں
 ایک چراغ ہے جھانک بھری جہاز کے مرے کے آگے
 موٹے ٹھنڈے کے اندر روش ہے باقی نے شرم سے جہاز
 چالیا مسافر مرے پہل اڑتے سورہ مرے جتنے باقی نے
 جہاز پر تار کرنا ہی نہیں تھا اور کی وہ سیدی کہیں میں
 چلی اس سے شرم تو نظر نہ آتا کہیں شرم نے اسے دیکھا
 وہ جا کر رہا تھا۔
 ”باقی بہن تم کہاں چلی تھی؟“
 ”باقی نے جیسے سے آواز دی تھی اور وہ دیکھ
 کر کہا: ”شرم بھائی صرف اور صرف قسمت کی ہو گی۔“
 اس کے بعد باقی نے شرم کو اپنی زندگی کی کہانی سنائی
 تو وہ بہت ہی حیران ہوا۔
 ”خدا کا شکر ہے کہ تم تو وہاں آ گئی نہیں
 تو شاہان کے ساتھ بار بار میں تھاری بھی تلاش میں مانا
 مارا کرتا۔“
 باقی تنک کی تھے وہ بہتر پر کی اور گرتے
 ہی خرا لے لگے تھی شرم نے ہنسنے ہوئے باقی پر پہل
 ڈال دیا۔
 جہاز اندر کی طرف سڑ کر با تھا۔ سمندر

میں جہاز کو سڑ کر کے سات روز گزر چکے تھے تاہم ایک
 رات کہیں کی چھت پر سوری کی مٹ آسمان پر چاہے
 چمک رہے تھے سمندر اندر جیسے میں ڈوبا تھا۔ باقی
 کی ایک آہ تھی اسے نہ کھل سکی اس نے اپنی گردن
 اٹھا کر غصے مرے پر دیکھا دور دھنگے کے پاس پر چلتی
 لائین کی روشنی میں باقی کو دوسرے نظر آئے جھانک لیا
 سامندوق اٹھانے کہیں کی طرف آ رہے تھے باقی
 حیران ہوئی کہ مسافر تو اپنا سامان بچے گواہ
 میں رکھوا تھے پھر یہ صندوق کس نے اپنے کہیں
 میں لے جا رہے ہیں۔
 باقی کو دل میں کچھ کلا دکھائی دیا جیسے اس کی
 طبیعت اسرار پر پنہی اور وہ غیہ راؤں کو کل کرنے
 میں براہ رو لیا کہی تھی وہ چھت پر سے ٹھک کر چپے
 ڈیک پر آ گئی۔ ”دوڑن سامنے لیے صندوق کو کھینٹ کر
 اپنے کہیں میں لے گئے۔ اور دوڑا وہ بند کر دیا۔
 باقی کہیں کی دیوار پر رہ گئی ہوئی چھوٹے سے
 روشن خانے کے پاس آئی اس نے اندر جھانک کر دیکھا
 کہیں کی چھت سے لائین تک رہی تھی اس کی روشنی
 میں دوپٹے کے آؤں کی کڑے تھے درمیان میں وہی لہا
 صندوق پر ڈھانچا لی گئے دیکھتے دیکھتے صندوق کا ڈھکنا
 اٹھوا تاہم باقی نے گردن اونچی کر کے دیکھا صندوق کے
 اندر ایک لیے سیاہ بالوں والی خوب صورت لڑکی ہے
 وہیں پڑی تھی دونوں پر اس راڈ کو ایک دوسرے کی طرف
 دیکھ کر کھڑے کہیں سے صندوق کو بند کیا اور کہیں
 پر بند کر کے ساگے اور باہر میں لگے گئے باقی بڑی توجہ
 سے ان کی باتیں سننے لگی۔ ”کیا کام بد جان بچوں کا تھا
 تم کا سیاب ہو گئے۔ اب اس موت کا کہیں لے جا کر
 وہاں اس کے مہاراجہ باپ کو کھٹکھا تو کہ تھاری راج
 کیا جانے چاہئے۔ مہوڈن لاکھ چوڑ کی قیمت کا سدا
 اور جہاز تار روانہ کر دو۔ لوہا پائی چٹا کو لے جاؤ تمہیں
 تو ہم اس کا سرکات کر تھارے روہار میں بچھا دیں
 گے۔ پھر روڈوں کو آتھہ باگ کرش پر سے۔“

”صندوق میں تازہ ہوا جاتی ہے تاہم میں نے خود
 اس میں بارہ سو باغ بنائے ہیں راج کار کا کہیں تک
 سکون ہے ساسی بھتیجی رہے کی اور بے ہوش کی رہے کی
 میری دولی کا اہم کام اڑنم کر دیکھ رہے۔“
 باقی نے یہ باتیں کی تو چمک پڑی یہ ایک نیا
 ڈراما اس جہاز پر کھلا جا رہا تھا وہ جھٹ وہاں سے چلتی
 ہوئی وہاں اپنے کہیں میں آ گئی۔ اس نے انسانی شکل
 اختیار کی اور شرم کو کچر کچر سامان دیکھ کر دیا۔ اسے بھی
 راج کھاری پر بڑا ترس آیا اور ان ڈاکوؤں پر غصہ۔
 باقی نے کہا: ”میرا خیال ہے یہ راج کھاری
 اپنے باپ کے ساتھ دوستان سے میر کرتے فرانس
 آئی ہوئی کہ ان ڈاکوؤں نے اسے انور کیا تھا ہمارا
 فرض ہے کہ وہ راج کھاری کو ان سے چھڑا دیں اور اس
 کو اس کے باپ کے پاس پہنچا دیا جائے۔“
 باقی نے کہا: ”کہیں کا کام کیا کہیں پہنچ کر ہی
 کر سکتے ہیں چلنے جہاز پر تو ہم کچھ کی نہیں کر سکتے جہاز
 دور دراز بند میرا خیال ہے کہ کہیں کی بندرگاہ پہنچ
 جائے گا۔ وہاں پہنچنے ہی ان ڈاکوؤں کے ٹھکانے
 پر حملہ کر کے انھیں موت کی خیر ملا دیا جائے گا
 اور راج کھاری کو صندوق سے نکال کر وہاں کے دوستان یا
 فرانس اس کے باپ کے پاس پہنچا دیا جائے گا انعام
 اللہ ایسا ہی ہوگا۔“
 ”کہیں میں چاہتی ہوں کہ تم صبح ڈاکوؤں کے
 کہیں میں جا کر راج کھاری کو ہوش میں لاؤ اور اس سے
 پوچھو کہ اس کے باپ کہاں ہیں۔“
 ”صبح جاؤں گا رات ابھی بہت باقی تھی آسمان
 پر ستارے چمک رہے تھے ہمیں بہت یاد میں ہوا جیسے
 نہ ہو مٹی تھی باؤں یا ڈنگے ہوئے تھے۔ اور جہاز بڑی ہی
 دھکی دھکی سے سمندر میں جا رہا تھا۔
 شرم کی آنکھ کھریا ہوا کہ آسمان پر کالے
 ہاتھ چھائے اور آہ کی سے سمندر میں چلے گئے۔
 میں طوقان آ گیا اس کے باجوہ جہاز سنبھلا ہوا تھا
 اور کہتا اس بڑی مہارت سے چلا رہا تھا کہ بد قسمتی

سے تیز ہوا میں ایک چلتی ہوئی لائین راج کھاری میں
 گر کر ٹوٹ گئی اور اس کے تھل کو آگ لگ گئی۔ ہوا تیز
 تھی آگ نے پاس ہی پر سے ہوئے روٹی کے ٹکے
 کو کی اپنی لپیٹ میں لے لیا اس زمانے میں آگ
 جھانکے کا تھادیہ سامان نہیں ہوا کرتا طالع جانی کی
 بائیں بھر کر بھاگ کر اس میں ڈالنے لگے کھرا کی بوجھ
 جاری تھی جہاز گڑی کا بنا ہوا تھا ایک بار آگ نے
 شعلوں کی شکل بدل کر پھر وہ بوجھ ہی چلی گئی دیکھتے ہی
 دیکھتے جہاز کے کہیں شعلوں میں جل گئے جہاز میں
 بھگدڑ مچ گئی مسافروں نے سمندر میں چھٹا دیں گا وہیں
 اور طوقان لہروں نے انھیں فوراً گل لیا۔ آگ اب
 سارے جہاز میں پھیل گئی تھی جہاز کے باؤں جل
 کر چمک رہے۔ جہاز کو گیارہ گیارہ کی اچھالنے
 لگیں جہاز آگ کا کوہن چکا تھا۔
 شرم اور باقی ایک جہاز کے تختے پر بیٹھے ہیں
 کامیاب ہو گئے تھے۔ انھوں نے بے ہوش راج کھاری
 کو صندوق سے نکال کر اپنے تختے پر ڈال لیا تھا اس
 افراتفری میں وہ ڈاکو کی جانے کہاں گم ہو گئے تھے۔
 ہو سکتے کہ شعلوں میں ہی مڑ گئے تو ہم سوچے کہیں۔ جہاز
 شعلے پر لپکتا سمندری لہروں میں دور ہوتا جا رہا تھا باقی
 اور شرم تختے میں بیٹھے جہاز کو دور دیکھ رہے تھے
 جہاز اب جل کر سمندر میں تھوڑی ہونے والا تھا رات کے
 چمکے پھر پہل کر سمندر میں تھوڑی ہو گیا۔
 طوقان کا زور دیکھ کے وقت شرم چکا سورج نکلا
 تو سمندر پر سوائے ایک تختے کے اور کچھ بھی نہ تھا۔ جس
 پر باقی اور شرم خاموش بیٹھے تھے اور اس کے سامنے
 راج کھاری ہے ہوش پڑی تھی۔ باقی نے سانس
 بھر کر شرم سے کہا۔
 ”کسی طرح راج کھاری کو ہوش میں لانے کی
 کوشش کی جائے۔“
 شرم نے کہا۔ ”وہ کوشش کرتا ہے۔“ اس نے
 پہلے تو راج کھاری کے سر کو ہاتھ پاؤں پر لٹکی کی
 اور سمندری پانی کا چھیٹا مارا تو راج کھاری نے اپنی

آنکھیں کھول دیں راج کمار نے ہانگی گودیکھا
ادھر آسمان اور ارد گرد سمندر ہی سمندر دیکھا
تو حیران ہو کر ہانگی سے پوچھا۔

”میں کہاں ہوں اور تم کہو؟“ خیرمختار نے عرض کیا کہ میں اس ہی بیڑا تھا اس کا لے کا لے لے ہاؤں والی کالی آنکھوں اور ماتھے پر گھٹکتے کشتان راگبار پر مہرور اور پیاری مگی اور راگبار شریں کشتوں دیکھ کر کبھی مگی نہ بھی سے اپنا تعارف کروانے سے منع کیا تھا کہ میں راج کمار کی دُمنہ جانے راج کمار کو کہتی ہے بڑے ادب غلطوں اور بدیہے کچھ نہیں کہا۔ ”آپ یوں کہتے ہیں کہ راج کمار اپنی مگی سے کہاں ہیں۔“ راج کمار نے اسے اس پس پانی پانی پانی دیکھا تو خوف سے بوجھا۔

”میں یہاں کیسے آگئی اور میرے ہاتھ کہاں ہیں۔“ نامی نے راج کماری کو وہ ساری باتیں بتادی جواس نے دوپٹوں ڈاکوؤں سے سنی تھیں کہ انہوں نے راج کماری کو فرانس کے شہر پیرس سے آغا کیا تھا اور اب آجین نے جا رہے تھے کہ اسے برطانیہ کہاں کے ریلوے ہاپ سے سونا چھاپرات وصول کرتے۔ محرمٹوں کہ جہاز آگرمگ گئی اور وہ اسے بھار کے لے آئی۔

راج کمار کی کم کم کھوں میں اُس سوا“
 میرے باپ جی بڑے برطان ہوں گے اب میں کیا
 کروں۔ کیسے اپنے کپے پاس پہنوں گی۔“
 باپ نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔ ”راج
 کمار! بس اب گھر میں اور برطان کی اور کچھ بھی
 حاصل نہ ہوگا ہم کم کم کو بڑی مشکل سے جلتے ہوئے
 چہاز سے بھاگ کر آئے ہیں۔“
 ”کما گھر کے ساتھ کوئی اور گھر ہے؟“

راجہ ماری نے پوچھا۔
 ہاتھی کے منہ سے غلطی سے ہم کا لفظ نکل گیا تھا
 کیونکہ اسے تو معلوم تھا کہ شریہم ہی اس کے ساتھ ہے۔
 وہ جلدی سے بولی۔ ”ہمرا مطلب تھا کہ میں صرف میں
 تو ہیں کہ راجہ ماری کی چونک میں نے ڈاکو کوں کا تہن بن

تو جس اس لئے فیصلہ کیا تھا کہ راج کمداری کو اس سے
پھر پڑاؤں کی اور اس کو اس کے ہاتھ کے پاس پہنچا کر
ہوں گی اس لئے میں نے آپ کو بے ہوشی کی حالت
میں ہی منہ دہی میں سے نکال کر اس پتھر پر لایا
اور منہ دہی کے گردنا دہی ہوئی۔
اب راج کمداری کی حالت کو ابھی طرح سمجھنے کی تھی
اس نے فانی کا کھنڈیہ ادا کر کے ہونے پوچھا۔ "تمہارا
نام کیا ہے؟"
"مجھے نامی کہتے ہیں۔"

راج کماری نے کہا۔ ”یہ تو ہم ہندوستان میں
رہنے والوں کا ایسا نام نہیں ہے۔ کیا انہارا سانپ سے بھی
کوئی تعلق ہے۔“ نامکئی نے پریشان سی ہنسی اس قسم کا
سوال کسی نے پہلے اس کا نام نہ کر سکی تھی کیا قتادہ بات
کو ماننے کے انداز میں مسکرا کر بولی۔

”میرے اباں باپ نے یہی میرا نام رکھ دیا تھا
 بھلا مجھ لڑکی کا کسی سانچوں سے کیا تعلق ہو سکتا ہے۔
 راج کمار کی مسکراہٹ ہوئے تھے پراٹھ کر بیٹھ گئی۔
 ناگنی نے پوچھا کہ ”تمہارا کیا نام ہے راج
 کمار۔“

”کماری نام ہے میرا اور میرا باپ ہندوستان کی ایک ریاست کا مہاراجہ ہے میں اپنے تہائی کے ساتھ فرانس کی میر کرنے آئی ہوئی تھی۔“ پھر وہ اس ہو کر بولی۔

”میرے چاچا میرے لئے بہت پریشان ہوں
 کے کاش کسی طرح انہیں خبر مل جاتی کہ میں زندہ ہوں
 اور اپنی بہن کے ساتھ ہوں۔“

راج کماری نے ناگنی کی طرف یوں دیکھا جیسے ایک مصیبت زدہ بہن اپنی مدد کرنے والی بہن کی طرف دیکھتی ہے۔ "ناگنی بہن اگر قسمت نے مجھے اسے بچا کے پاس پہنچا دیا تو تمہارا یہ احسان ہمارا سارا خاندان کبھی نہیں بھلا پائے گا چنانچہ تمہارا منہ میرے جواہرات سے بھر دیں گے۔"

ہامنی نے ہنس کر کہا۔ ”ہیرے جواہرات کی مجھے ضرورت نہیں راج کمار۔“
 ”کیوں نہیں۔“

”بھلا..... انسان کو دولت کی ضرورت ہوتی ہے اور پھر یہ تو ہمارا فرض ہوگا کہ ہم تمہیں دولت سے مالا مال کر دیں تاکہ تم ساری زندگی آرام و سکون سے رہ سکو گے۔“

عاشقی نے کمکاری کا پانی رکھنے کے لئے کہا: ”
 شکر ہے کمکاری کی..... مگر ابھی تو عیسائی بھی عظیم علم حاصل کر
 رہا ہے۔ تجھے سمندر کی موجوں پر بیڑا پھیرتا ہوا کہاں اور کدھر
 جا رہا ہے۔“

راج کمکاری نے چاروں طرف سمندر میں لگا
 ڈالی اور پھر آستان کی سمت وں کھینچا اور کہا: ”میں نے درباری
 نجومی سے جوئی پر مسمیٰ ہے۔ مجھے ستاروں کے حساب کا پتہ
 ہے۔ میرا حساب کہتا ہے کہ اس وقت، مسمیٰ سمندر میں بہت
 آکر کھینچا جائے گا۔“

کہ ہم ہندوستان کے ساحل کی طرف بہہ رہے ہیں۔ ”کماری نے کہا۔
 ”یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ہم ملک ساٹرا کی طرف نکل جائیں۔“ میرے خدا ناگنی بولی۔
 ”ہو تو بہت دور درگن جا جائیں گے۔“ کماری کو اب پیاس اور بھوک محسوس ہونے لگی تھی ناگنی نے سوچا کہ پانی اور کھانے کا کیا کیا جائے اس کے بارے میں اس نے سوچا یہی تھیں حجاز کی کماری کو بھوک بھی لگنے کی وجہ سے ناگنی نے کہا اس کا پانی کوئی انتظام کرتے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ ہم کچھ پانی پکڑ کر کھا سکیں گے کیونکہ اس سمندر میں مےسوائے چھل کے اور کچھ بھی نہیں مل سکا کماری نے آہ بھر کر کہا۔
 ”اور پانی کہاں سے آئے گا؟“
 ”بھونکنا ہے کہ بارش ہو جائے اور اگر ایک ہفتے تک بارش نہ ہوئی تو کیا کریں گے۔“ ناگنی نے جواب دیا کہا۔
 ”تھمارے لئے پانی کھینچ نہ سکیں سے ضرور پیدا کر دیں گی۔“ راج کماری نے غرور کر دیا کہ نہیں چوٹیں کی چلو میں بھی لی لوں گی۔“ ناگنی نے تعویذ اس کا ہوا کہ راج کماری کو ہنسنے سے تھمتا رہ کر ناگنی بھی کیونکہ بھوک رہ گیا تھا سے براہ رکھنا تھا۔
 دوسری طرف شریم ادتی دے سے خاموش تھا سے ڈی اے اے جس نے اسے سمندری سفر میں رہا کھینچ کر جب دیکھا تھا۔
 ناگنی کو کسی احساس تھا کہ شریم بڑی دیر سے خاموش ہے کھینچا جا کر راج کماری کو بڑا دے وہ تو جوت سمجھ کر ہے ہوش ہو جائے گی ناگنی نے بہتر بھی کہا کہ شریم کے کھینچے ہوئے کاروازہ خود نہ کھول دے۔ لیکن وہ سوچ رہی تھی کہ شریم نے راجت کر ڈالی گری کی وجہ سے ناگنی نے اپنی پرانی راز کی بند کر ڈالا کوٹ پھانسا تھا وہ اتنا کر بچنے کے ہی نہ کھڑا۔
 شریم کو جانے کہا۔ دو بجی کہ بڑے آرام سے

اسے اٹھایا راج کمار کی سندھ میں کسی دور سے کوئٹہ
ری جس کی چاک ایک کوٹ اوپر اٹھ گیا اور ہوا میں
دکریں مچا ہو گیا۔

راج کمار کی بیوی مارکرا بھی سے لپٹ گئی بھوت
بھوت ہانگی نے اپنے ہاتھ پر ہاتھ مارا اور کہا۔ "آخر
تم باؤنٹیں دے کتنے شرمیلی ہو۔" راج کمار نے
بڑبڑا کر بچھا۔

"شریم کوں سے اور یہ کوٹ کسی نے اوپر
اٹھا رکھا ہے کیا یہ بھوت ہے ہانگی۔"
ہانگی نے شرم سے کہا۔ "اب خودی اپنا تعارف
کرؤ۔" شرم نے کوٹ تختے پر ہی رکھ دیا اور بڑے ہی
زور سے راج کمار کی سے اپنی اپنا تعارف کر دیا اور
تھے تیار کہ وہ ہانگی کا بھی ہے کوئی بھوت نہیں ہے لیکن
کسی کا ذکر سے وہ عتاب کرو گیا ہے ہمارا ایک
بھائی شیان بھی ہے جو جیتا بن چلا گیا ہے ہم اس کی
سلاش میں جا رہے ہیں کہ تم کیلئے مجھ سے ڈرو نہیں
راج کمار کی شہر ہمارا بھائی کے برابر ہوں۔"

راج کمار کی کا زور دور ہوا تو اس نے کہا۔ "کیا
جسمیں میں ہاتھ لگا کر کوئی ہوں؟"
"نہیں راج کمار کی تم ایسا نہیں کر سکتی میں ایک
فیرادی جسم ہوں تم مجھے چھو نہیں سکتی۔" راج کمار کی کا
ڈروخون پوری طرح دور ہو چکا تھا۔

ان کا سب سے بڑا مسئلہ پانی کا تھا کیونکہ
دوسرے روز راج کمار کی کا پیاس کے مارے بہا ہوا
ہوئے ہانگی اور شرم پریشان ہو گئے خوش قسمتی سے
شام میں پانی کھلی گھاسا اور سلا دھار بارش شروع
ہو گئی راج کمار کی نے بھی بھر گئی پانی پیا اور تختے کے ایک
کڑے میں پانی جمع ہو گیا ساری رات بارش ہوئی
ری جس سے روز ان کا تختہ سندھ کی چٹانوں کے درمیان
تھپک گیا ہے چٹانیں سندھ کے اندر سے باہر لگی ہوئی
اصل میں یہ چھوٹے چھوٹے آتش فشاں پہاڑ تھے جن
کے اندر کوئلہ ہوا والا اٹھ رہا تھا۔ اور پھٹ کر باہر نکلے
کوتیا تھا ان کی خبر نہ شرم کو تھی اور نہ ہانگی کو وہ تختہ

کو چٹانوں کے درمیان سے بھاگ کر ملے جا رہے تھے کہ
اچانک ایک زبردست دھماکے کے ساتھ ایک چٹان کا
مٹھ پھٹ گیا اور سرخ رنگ کا کوئلہ ہوا والا نکل کر سندھ
میں گر پڑا۔ ہانگی نے راج کمار کو تختے پر اپنے پیچھے
کر لیا شرم نے چیخ کر کہا۔

"تختے کو پیچھے کی طرف کر لو آگے آگ بے
لاوے کے سندھ میں گرنے سے خوف۔ ہانگ آواز
اور خوف ہانگ دھماکے بلند ہو رہے تھے۔ ہانگی ہانگی
اور راج کمار کی تختے کو پوری مشکل سے پیچھے ہی کر دی
تھی کہ سامنے کی دو چٹانوں میں کسی دھماکے ہوئے
اور ان کے اندر سے ہوا والا اٹھ اٹھ اٹھ اٹھ کر سندھ میں گرنے
لگا۔ ان کا تختہ بھوت کی کوئی ہوتی ہوئی وادی میں اٹھ گیا تھا
کے چاروں طرف آگ ہی آگ تھی۔

ہانگی نے چلا کر شرم سے کہا۔ "شریم راج
کمار کی کو اپنے ساتھ عتاب کر کے ان چٹانوں سے
دور لے جاؤ، میں یہیں آگے جا کر سندھ میں طوں کی
میں سندھ میں غوطہ لگا رہی ہوں۔" شرم نے راج
کمار کی کو کندھوں پر اٹھایا لا لا اب ان کے تختے تک پہنچ
گیا تھا اور تختہ آگ میں پلنے لگا تھا شرم کے کندھے
پر آتے ہی راج کمار کی شرم کی طرف عتاب ہو گئی۔
شرم نے اسے بھی حالت میں ہی چٹانوں سے دور ہانگ لیں
چٹان پر آگیا۔ جو ٹھنڈی آگ اور چٹان آگ کا ٹھنڈی
نہیں تھی اس نے راج کمار کی کو چٹان کے پاس بچھڑوں
پر رکھ دیا اور کہا۔ "میں ہانگی کا شکلا کر ہوا گا۔"

راج کمار کی نے پریشانی سے کہا۔ "ہانگی کو اگر
کچھ ہو گیا تو؟"
شرم نے کہا۔ "میں سندھ میں غوطہ لگا کر کھنڈ
جائے گی کہ اس کی گردن نہ کر دے وہی ہمارے پاس آجائے
گی۔" راج کمار کی خاموش ہو گئی یہ ایک اچلی سندھ کی
چٹان تھی اس کے اندر کوئلہ سندھ کی مٹی میں ہمارے
میں دور سے نکلنا اٹھ رہا تھا۔ اور پھٹ کر باہر نکلے
سندھ میں لاوا اٹھ رہا تھا۔
ہانگی نے ساپ بن کر سندھ میں غوطہ لگا دیا تھا

اور نہ سندھ کے اندر ہی اندر کھائی گئے کہیں میں اس کی
تھی اسی جگہ اندر سندھ سے بچنے سے بھاگ جائیں ہی
چٹانیں میں سے اوپر بھاگی ہوئی آتش فشاں چٹان کی
جزیرے میں جو سندھ کے اندر کھائی گئی تھی۔ ہانگی
ساپ بن کر پانی کے اندر ان چٹانوں کے درمیان سے
ہو کر آگے نکلے جاری تھی چٹانوں کا یہ سلسلہ ختم ہونے
میں نہ تھا تھا یہاں تک کہ سامنے کی عمارت گریا یہ سندھ
دے کے اندر کا تھا ہانگی نے سوچا کہ شاید اس میں سے
گزر کر کوئی باہر نکلے کاروائی آئے ہیں وہ
خاموش داخل ہو گئی خاموش سندھ کی لہروں ہی تیزی ایک
زبردست خوفناک تھا جتنا کہ سندھ کی سرک کے
اندھ آگے ہی آگے بھاگنے لگا تھا ہاتھ اس نے دیکھے
کی بہت کوشش کی مگر پانی کا لہرا اس کی تیز رفتار کو سدھ
کھینچ گیا نہ کہ کسی اور تیزی میں کی سرک میں آہستہ
آہستہ اٹھ رہا تھا جگہ جگہ پانی کا دباؤ ایک بڑھ چکا تھا
اور آگ اپنے جسم کو محسوس کر رہی تھی جیسے کسی اسے
تختے سے دبا رہا ہو۔

ہانگی نے سوچا کہ چلو آج سیرے کے
ہاں جاتے ہیں اور معلوم کرے ہیں کہ یہ کون سا ملک
ہے اور یہاں کیسے لوگ رہتے ہیں جن میں کئی آواز تو رب
آئی جا رہی تھی ہانگی نے سر اٹھا کر دیکھا تو وہ بے
فاصلے پر ایک کالے رنگ کا بولہ اسی سیرا دھونی کر رہا
پہلے سر پہ بڑھ کر گال کے ٹکڑے بین بھاتا ہوا اس کی
طرف بولے بولے بڑھ رہا تھا سیرے نے بھی
ہانگی کو دیکھ لیا تھا۔

ہانگی نے وہیں اپنا جھنڈا اٹھایا اور پیٹن کی
آواز پر بڑھ کر جھنڈے کی پیٹن اس کے سامنے آ کر زمین
پر بیٹھ کر وہ ایک ہاتھ سے بین بھاتا تھا اور دوسرے
ہاتھ سے اپنی بھاری آگ کے ٹکڑے کا جار ہاتھ اس بھاری
میں وہ ہانگی کو بند کرنا چاہتا تھا۔ موت کا اسے ڈر تھا وہ
ان سیروں میں بھی خبر پڑ کر ناچتا تھا اس کی ڈر نہ تھا
کیونکہ ڈر اس کی بھی خبر کی موت میں وہ بڑی آسانی
سے چلا جائے سے باہر نکل کر وہی جگہ جانور بن کر ہوا میں
اٹھ سکتی۔

ہانگی پاری نے پاس آ کر جھنڈے کی پیٹن بڑھا
خوش تھا سر کو بڑھائی اور بھری ہانگی لٹی تھی۔ یہ
ایک کافی بڑا جڑوا تھا جار ہاتھ اس بھاری فرائس کی
حکومت تھی اس جڑو سے میں فرائس کی ایک کر دھاتی
ہوئے اپنے اگلے سے بچنے کے ساتھ اپنے شاندار جس
دھاتی تھی اس اگلے سے بچنے کے آخر آٹھ سال تھی یہ وہ
موت کے بعد بھی چپس کی کی کر دھوں روپے کی جانیو

کا مالک بنے وہلا تھا اس بڑے ہوشیار بھائی جی جانتا تھا کہ جائیداد اس کے کوٹنے لگانے کا مہولہ تھا بھائی کو لڑے لوئی کو اس طرح ہلاک کرنا جانتا تھا کہ اس کی موت قدرتی ہو اور کسی کو اس پر شک نہ پڑے اس نے سوچ سوچ کر ایک ترکیب نکالی کہ لڑے کو سوگند سے ڈسوا کہ ہلاک کر دیا جائے یہ وہ بھائی کی تھی یہ فیصلہ طور پر ایک افریقہ کے شیر سے کی غصات حاصل کی اور اسے کہا کہ کوئی زبردست زہر ملا سوگند لپا کر دے شیر سے کوڈر سو پاؤ ڈر دیا گیا تھا۔

شیر سے نے جوتا گئی کو پٹاری کے قریب آ کر جموتے دیکھا تو اپنی کامیابی پر خوش ہوا اس نے میں بجائے بھائے پٹاری کا کوٹھن کر اس کے آگے رکھ دیا بھائی بڑے آرام سے پٹاری کے اندر چل گئی شیر سے نے جوت پٹاری کا منہ بند کر دیا اور اسے شکل میں دبا کر شہر سے باہر دالی کو گئی کی طرف اتھوڑا۔

دلی اپنی گولی کے لان میں بیٹھا چلنے لے رہا تھا کہ شیر سے نے جاکر پٹاری اس کے آگے رکھ دی اور کہا۔ ”صاحب انکی سمندری زہر لگی بھائی بڑا کر دیا ہوں کہ جس کا کام پانی نہیں مانتا۔“ اور شیر سے نے پٹاری کا منہ کھول کر دلی کے سامنے رکھ دیا۔

دلی نے زور کر دیا آگے کر کے پٹاری میں کھڑکی مارے بیٹھی بھائی کو دیکھا تو فوراً چپے ہل گیا سباز اور سرخ و عمارت دلی نے دلی پٹی چلی گئی اس نے ہلے رنگ زہر کی جگہ سے سامنے علاقے میں مشہور دلی کے کوٹ جیسے سے بٹھا نکلا اس میں دوسروں کاٹھ کے کوٹ نکلا کہ شیر سے کو دیکھ رہا تھا۔ ”خبردار اگر کسی سے بات کی تو میرے آدھی نہیں کھل کر دوں گی۔“

شیر سے نے کہا۔ ”مالک میں غلام ہوں کسی سے بات نہیں کروں گا میں کل ہی ملک سواڈن چلا جاؤں گا۔“

”نیک ہے یہ لوہار یہاں پاؤ ڈر کر اب درکل اس جزیرے سے دفعہ ہو جاتا۔“ دلی نے چپاں پاؤ ڈر کوٹ شیر سے کی طرف اچھال دیئے۔ شیر سے نے

نوٹ زمین سے اٹھا کر پٹا پٹو کی میں رکھے کو سلام کرتا ہوا وہاں سے چلا گیا اس کے بعد دلی کے کوٹ میں مسکراتے ہوئے بھائی کی پٹاری اٹھائی اور گولی میں آگیا یہ برائی طرز کی تھی پٹاری گولی جس کے بیڑوں میں چتر کے ستون کھڑے تھے ستون کے پاس گولی کی الماری کی دلی نے پٹاری اس الماری میں رکھ کر باہر سے نکالا دیا۔ اسنے اس کا سالنار دوست آگیا دلی نے اسے بتایا کہ سانپ آگیا ہے دوست بھلا۔

”نیک ہے آج رات کوئی کام کا تمام ہوجائے گا یہ پٹاری دیکھو دے دوست آگے دو گولی رات کو کوئی کے بیڑوں میں کامیاب سانپ اس کے ہمت پر چھوڑ دوں گا اس کے بعد جس کی لاش لے لی اور تیار دارست صاف ہوجائے گا میرا میں اپنی بڑی بہن کے سرنے کے بعد اس کی ساری جائیداد اٹھا کر وارث ہوں گا اور مجھے میرا حاصل جائے گا خود مجھیں تیار دارست حصہ لے گا میں اپنے دعوے سے قائم ہوں لوئی کی موت کے بعد نہیں میں بڑا پڑا بھائی کی ضرورت تھی۔

”لاؤ پٹاری دیکھو دے دوست آج ہی رات یہ قصہ ختم کر دوں گا۔“ دلی نے گولی کی الماری میں سے بھائی دالی کی پٹاری نکال کر اپنے قاتل دوست کے حوالے کر دی وہ پٹاری کو کپڑے میں لپیٹ کر لے گیا۔ دلی کی باتوں سے بھائی سمجھ گئی تھی کہ یہ نالگہ صرف جائیداد کے چکر میں اسے مصوم بنے ہوئے قاتل دوست کے ساتھ پریش کر دے والے بھائی کو خیال آ یا کہ بقیہ وہ لڑکا خوش قسمت ہے کہ وہ اس جائیداد کا وارث ہے کہ دے کر دے دوسرے سانپ کی مہلت کی گئی تھی اگر نہ کی تھی تو دلی اور دوسرا سانپ آ جاتا تو وہ بھائی سے بچے کو ہلاک کر دیتا مگر میرا خدا کو خوشیوں تھا۔

قاتل سانپ کی پٹاری لے کر دو گولی رات کے وقت کر دے پڑے یہ وہ وقت کے میں بھائی کی رات سے داخل ہوا لڑکا کل کے کوٹے والے کمرے میں سویا تھا ساتھ ہی اس کی ماں کا کمرہ تھا قاتل اس کی ماں کا تھا تھا کہ وہی رات کو اسے کسی اس لڑکے کے کمرے۔

میں جانے کی اجازت تک تھی۔

قاتل اندر کمرے میں بچتا بچتا لڑکے کے کمرے کے سامنے پہنچ گیا اس نے پٹاری کا منہ کھول کر بھائی کو کمرے میں داخل کر دیا۔ بھائی نے کمرے میں پہنچ کر دیکھا کہ ایک شاندار مصیبت پر ہوا بھائی پٹاری کا کمرہ سہا ہے اس کے سر ہانے کی طرف بٹوؤں میں گولی کے کوئی کی شکل بالکل مصوم اندر پا کر کھینچی۔

بھائی نے اندر جاتے ہی انسانی شکل میں آگئی تھی کچھ دیر لڑکے کو دیکھتے رہے کے بعد بھائی نے دل میں فیصلہ کر لیا کہ وہ اس لڑکے کو زندہ نہیں چھوڑے گا جو جائیداد کے جواز حق دار کرانے کی کوشش کر رہے ہیں بلکہ وہ تو اپنی طرف سے تو اس بچے کو ہلاک کر چکے تھے۔

بھائی وہ بار بھائی بن کر کمرے سے باہر آگئی راہ دارمی میں اس وقت اندر ہوا تھا کہ یہ وہ موت کی کھڑکی سے نیچے اتر رہا تھا وہاں فوراً دلی کو تھما جانتا تھا کہ اس نے بھائی کو بچے کے کمرے میں چھوڑ دیا ہے اور بھائی نے بچے کو اس کمرے ہلاک کر دیا ہو گا اس لئے میری رقم میرے حوالے کر دو۔

بھائی دوسرا بے رحمی ہوئی قاتل کے قریب آگئی تاروں کی ہنگی بھائی درختی میں قاتل نے جوائے سامنے دے دیا اور پٹاری بھائی کو دیکھا جس کو دلی اٹھ کر بچے کی چھاب کے گاؤ میں چھوڑ کر آ یا تھا دوست کے سامنے اس کی پہنچ کل گئی اور دلی اس کے ہاتھوں سے چھوٹ گئی اور وہ آدھی منزل اوپر سے پھسل کر حوض سے نیچے گرا بھائی نے اسے کھینچنے کی مہلت ہی نہ دی وہ دلی کی دیوار چھوڑ کر اس کے کوٹ میں گر گئی۔

قاتل نے ایک اور پہنچاری مکر بھائی نے اسے تیسری بار دیکھنے کی مہلت ہی نہ دی اس نے قاتل کی گردن پر پڑے ہی پیار سے اسے مارا مارے منہ سے اچھا خارج دہراں کے جسم میں داخل کر دیا زہر نے سب سے پہلے بے کام کیا کہ قاتل کو بالکل میں کر دیا چھوڑ لڑا کاٹا اور غصلا ہو گیا بھائی اس کام سے قانع ہو کر سیدھا

جنگل والی اس گولی میں اس آری کے پاس آگئی جس نے بچے کو سانپ سے ڈسوا کر ہلاک کرے کی کوشش کی اور اس بے رحمی قاتل کو بچھا۔

جنگل میں خاصوئی تھی قاتل کی گولی میں اندر ہوا تھا صرف وہ دلی کوئی نہیں درختی ہو رہی تھی قاتل بچے کی موت کی خبر کا انتظار کر رہا تھا بھائی اس میں رہتی ہوئی برآمدے میں سے گزر کر گولی کی دیوار پر چڑھ گئی اس نے کھڑکی میں سے دیکھا کہ اندر بڑی بے رحمی سے بھائی ہاتھ لگا کر کھڑکی میں سے پھسل کر کمرے میں گئی قاتل کی گولی میں دلی نے بھائی کو دیکھا تو اسے سب سے پہلے دلی کے کمرے کی طرف بڑھا دیا ابھی تک یہ معلوم نہ ہو رہا تھا کہ یہ دلی بھائی سے جسے اس نے قاتل کے ہاتھ جائیداد کے حقیقی وارث کو ڈسوائے تھا تھا بھائی نے سلام کا پے اوپر آئے دیکھا تو ایک دم سے غائب ہو گئی۔

دلی نے خیال کیا کہ یہ بچے کے نیچے چلی گئی ہو وہ جگہ کر بچے کے نیچے دیکھنے لگا تو قاتل فوراً انسانی شکل میں آگئی اور اس نے پیچھے سے دلی کی کمر پرانگی سے فوج کا دے کر کہا۔ ”گھوسٹر بچے کو بھائی سے ڈسوا دیا۔“

دلی یہ سن کر بڑبڑا کر اٹھا اور پٹاری سامنے ایک اٹھنی لڑکی کو دیکھا تو پڑا تو یہ جڑاں ہو۔ ”کون ہو؟“ کہاں کیسے آگئی ہو؟“ بھائی نے کمرے کے دروازے کو کھولا تو وہاں بر جگہ چلی جاتی ہوں مگر یہاں میں خاص طور پر نہیں مارنے آئی ہوں۔“ دلی اچھل کر پیچھے ہٹ گیا اور اس نے دیوار پر گئی ہوئی لڑکی کو پیچھ کر لے کر مٹا کر دیا بڑا مکالمات اور ہولناک حلقہ کار بھائی ہوشیاری سے کام نہ لیتے تو کوٹھورے اس کا کام کر دیتا۔ بھائی نے سوچا کہ ڈسوا کے ساتھ قاتل بھلا جائے۔

بھائی نے ایک ہولناک ایسا لڑکا ایک دم سے شیر بن گئی اس نے اسے زور سے دھاڑا بھائی کو دلی کے ہاتھ سے تیار چھوٹ کر بڑی اس پر شیر کی بھی دھشت

تھی اور اس بات کی بھی دہشت تھی کہ ایک زندہ لڑکی دیکھنے پر دیکھنے والی کی آنکھوں کے سامنے سیر ہو گئیے ہیں لڑکی نے وہی کی گزرتی پر ایک بلا سا بچہ مارا اور دیکھ کر بچہ کو بڑا ہائی اس کے نور اوردیکھ کر بار بار کالی ناکی کی شکل میں ظاہر ہوئی وہ کئی بار کاتھن پر بیٹھی اس نے اپنا سین اٹھایا اور اپنی سرخ زبان لہرائی پھلکاری مادی قاتل کی طرف بڑھنے لگی۔

تاج کی کا قلع خوف سے خشک ہو گیا بلکہ اس کا زور مار خرن میں گنگ ہو گیا تھا ناکی نے انسانی زبان میں کہا۔ ”تم نے ایک معصوم بچے کو صرف دولت کے لئے ہلاک کرنا چاہا خدا نے اسے بچالیا اب تم اپنے بچے کی سزا جیتھتے گے لئے تیار ہو جاؤ کیونکہ جو مردوں کے لئے کنواں کو خدا سے پہلے خود اس میں گرتا ہے۔“

وکی کہا۔ ”مجھے صاف کہو۔“ ناکی بولی۔ ”تم مہائی کے لائق ہی نہیں ہو۔ تم میرے جانے کے بعد پھر اس بچے کو کھل کر دو گے اس لئے بہتر یہی ہے کہ تم خود اس دماغ سے رخصت ہو جاؤ۔ گرنہ کرویدر آخر تمہیں ذرا بھر بھی تکلیف نہ دے گا۔“ اور ناکی ناکی کی شکل میں دیک کے ہاتھ سر پر آگئی پھر اس نے قاتل کو ڈس مارا، قاتل الٹ کر مارا اور اندھا ہو گیا زہر سے سبز ہوا اور خطرناک تھا اس کام سے قاتل ہو کر ناکی کی رنگی ہوئی لڑکی سے باہر ہو گئی۔

رات اچلتا شروع ہوئی تھی ناکی کو بھی کے بارخ کی کاپریاں میں رچنے ہوئے پانچواں چھوٹی سی مٹی سرک پر آگئی جبکہ ایک طرف جاتی تھی اس نے سوچا کہ اب اسے دوبارہ انسانی شکل میں آجائے یا نہ چاہے اور یہ پتہ لگا نا چاہے کہ یہ جزیرہ وائین سے کتنی دور ہے۔

ناکی لڑکی میں اپنی اور وہ تیز تیز قدم اٹھاتی رات کے اندھیرے میں شہر کو جانے والی مٹی سرک پر کرک ناکی کو شرم کی کمر لگی کہ وہ لڑکی کداری کو لے کر سمندر میں کہا ہوئی کیونکہ وہ جانتی تھی کہ شرم کس زیادہ سے زیادہ آگ آگئے پھاڑوں کے اوپر

تک ہی اڑسکتا تھا ناکی اور کدو ہاں پہنچ جاتی اگر اسے یہ معلوم ہوتا کہ شرم سمندر کے کسی علاقے میں ہے یا کسی قواسے میں ہی طرح پر نہیں تھا کہ وہ کون سے علاقے میں ہیں۔

ناکی کو سب سے زیادہ شانان کا خیال آ رہا تھا کیونکہ اس کی کوئی خرابی تک نہ تھی ناکی یقین تھا کہ وہ ملک اتھن کی طرف گیا ہوگا ناکی نے دل میں یہی فیصلہ کیا تھا کہ وہ یہاں سے اچھین جانے کی کوشش کرے گی شرم اور راج کداری کی طرف سے وہ مطمئن تھی کیونکہ شرم کی ایک بہادر تھا کہ وہ راج کداری کو اس کے رقبہ پاب سے پاس سمندرستان پہنچا دے گا اس کے بعد شرم کی کتنی سے کہاں ملاتی ہوئی ہے یہ بات ناکی نے خدا کے پروردگار کی۔

ناکی اپنے خیالوں میں تھی کہ دور سے اسے گھوڑوں کے دوڑنے کی آواز سنائی دی۔ پھر پچھلے پہر کے نامزد بڑے ہی اندھیرے میں اسے ایک گھوڑا گاڑی آئی لکھائی دی ناکی نے اٹھ کا اشارہ کر کے اسے کواڈھا ایک مٹی موچوں والے آڈی سے سر باہر نکال کر لے کر کہا۔ ”کون ہو تم؟“ ناکی نے کہا۔

”مجھے شہر لے چکے ہیں میرا جانا ضروری ہے۔“ اس آڈی نے کچھ سوچا اور پھر کہا۔ ”آ جاؤ۔“ اندھیرے میں کدو ہاں مکمل ناکی اندھروں میں ہو کر مٹی موچوں والے آڈی کے سامنے بیٹھ کر مٹی موچوں والے آڈی کے اوپر کی کس تھا اس ناکی کی طرف دیک کر کہا۔ ”تمہارا نام کیا ہے اور کہاں کی رہنے والی ہو۔“

ناکی نے کہا۔ ”میرا نام ناکی ہے اور میں ٹائی مصر کی رہنے والی ہوں اس ملک میں روزگار کی خاطر میں آئی ہوں۔ موچوں والے نے قہقہہ دیک کر کہا۔

”تمہارا نام مصری کسی ہے تم کو کیا بات فخر میرا نام دیکھ سے میرا اپنا سمندری جہاز سے میں مار لے کر ملک ملک کا سمندری ہے تم کو کیا بات فخر۔“ جہاز میں لڑکی روکی۔

ناکی کو اور کدو کا پانے تھا جی تو وہ چاہتی تھی کہ وہ کسی طرح جہاز میں چکر کر اچھین چلی جائے اس نے جھٹ حای بھری دلم نے قہقہہ دیک کر کہا۔ ”تم بڑی جلد ہوا ہو۔ مجھے جلد فیصلہ کرنے والی پسند نہیں، لیکن میں نہیں کوئی پر رکھتا ہوں آگندہ فیصلہ سوچو مجھ کو کیا کرو۔“ وکی کی زبان ناکی کو یہ چاہا کہ وہ غصہ اس کی بندرگاہ پر ہے اور اس کا جہاز مال لے کر دور دراز بعد پر نکال کے ملک کو جانے والا ہے وکی نے کو لے کر ایک جہاز پر آگیا یہ مال بندرگاہ پر جہاز پر جہاز تھا ناکی نے شرم کی مشوریت میں گزراوئے تیرے سون جہاز نے صبح منظر اٹھایا اور سمندر کے نیلے پانی پر اپنا طویل اور خطرناک سفر شروع کر دیا۔

☆☆☆☆

اوجر شانان کی ایک ملک پر اسرار آجی کل کے تہہ خانے کے کنوئیں میں پڑا تھا اس کے باہر نکلے گا کوئی راستہ نہ تھا تہہ خانے میں چہترے سے عیارہ کا کالمت رکھا تھا عیارہ اس میں سے ہوش پڑی تھی اور پورے چاند کی رات کو اس کی گون کاٹ کر غائب ہونے ایک طلسم تیار کر تھا جس کی مدد سے وہ ہزاروں سال تک زندہ رہ سکتے تھے۔

شانان ناکی کے بارے میں سوچا کبھی اسے شرم کا خیال آتا کہ وہ کہاں ہے اور کدو کی اس بات پر غور کرنے لگا کہ وہ اس کنوئیں سے کیسے باہر نکل سکا ہے دوسری طرف شرم ایک چٹان پر راج کداری کو ساتھ لے بیٹھا تھا سمندری موچوں چٹان سے ٹکر کر شرور چٹانی دابھہ چلی جاتیں اور سات کا اندھیرا چلتے گا تھا۔

راج کداری تخت گہرا رہی تھی ان کے پاس کچھ کھانے کو تھا نہ کچھ پینے کو تھا شرم بھی اس گھر میں تھا کہ وہاں سے کہاں جاتے راج کداری تو دیکھیں ان میں بھی کیا سرچا جائے گی بھر بھی وہ راج کداری کو کئی دہائیوں پہلے کہنا کہ ”وہی زندگی نیکل ان کے وہاں سے نکلے گی ضرور رون جا۔“ یں۔ لیکن راج کداری بڑی ناچس ہو گئی تھی اس کو ہمیشہ درست کتنی تھی کیونکہ وہ سچ سمند

ر میں باہر نکلی ہوئی ایک چھوٹی سی چٹان پر بیٹھے تھے ان کے جادوں طرف سمندری سمندر قواہاں کی جہاز کے آنے کی امید بھی تھی۔

اس نے کہا۔ ”شرم بھائی تم تو زندہ ہو گے اس لئے کہ نہ تو تمہیں کھانے کی ضرورت ہے اور نہ پینے کی اور میں اسی چٹان پر دم توڑ دوں گی۔“ پھر وہ اسے باپ کو یاد کر کے دوئے لگی جو فرس میں اس کی یاد میں روئے ہوں سے شرم نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا دوسرے دن راج کداری خداوندی رست سے صاحب وہ ہوجر میں بھی کیڑے کدو کی دیتا ہے کیا مطلب وہ ہمارے ہوں بھی کی سبب پیدا کر دے گا۔“ مگر راج کداری سکسلیاں بھرتی رہی آج اسے خیر آگئی اور وہ وہیں چٹان کے پہلو میں چترتی اور حلاں جگہ پر لیٹ گئی اور مٹی۔

کئیے ہیں کہ خیر سوچی آج جاتی ہے رات اسی طرح گزرتی دن چڑھا تو شرم نے دیکھا کہ سمندر میں چٹان آگش فٹاں ہو چلا ہے وہاں ہزاروں سرخ رنگ کی بڑی بڑی سیلین تیر رہی ہیں یہ وہ عوارہ تھا جو زمین کے اندر سے اُٹھتے ہوئے لڑے کے ساتھ باہر آگیا تھا اور سمندر کے پانی میں غلٹا ہو کر تیرا تھا راج کداری ایک مٹی سمندری کی دقتیں سرخ اور بڑبڑلیں تیرتی ہوئی وہ چٹان کے قریب آگئی شرم اور کدو بھرتی نہ ہو سکی تھی۔

شرم نے پانی میں چھوڑا اور کدو کی سیل کو کھینچ کر اپنی طرف کر کے دیکھا یہ دیکھتے میں چتر گئی تھی مگر راج کی طرح نرم مٹی خدا جانے یہ کس قسم کی دھات تھی اس قسم کے ہزاروں گلوے سمندری کی موجوں پر چہرے سے شرم نے بھی ان پر غور کر تھا کہ ایک طرف سے چھوٹا کشتیاں نمودار ہوئیں یہ بڑبڑلیں سمند اور اسی بڑبڑوں میں رہتے دیکھتے چلا رہے تھے وہ اس سرخ اور بڑبڑوں کا کھانا کھاتی کشتیاں میں رکھ رہے تھے شرم اور قوسب کچھ بھول گیا تھا کشتیاں دیکھ کر بے حد خوشی ہوئی اسے اب جدید ہو گئی کہ وہ راج کداری کو دیاں سے لال کر لے جانے لگا آتے



بہادر کشن

گلاب خان سوگنی نوشہرہ فوج

یہ بات زد عام ہے کہ سینکڑوں سال پہلے جس جگہ جم کارنٹ اور شیڈوں کی لڑائی ہوئی تھی آگ وہاں سے لگتی ہے اور تباہی پھیلاتی ہوئی جنگل کے کافی حصے تک پھیل جاتی ہے۔

کیا یہ حقیقت ہے کہوت کے ساتھ ساتھ ماہان کی زندگی بدلتی ہو جاتی ہے، یہ حق آزمودہ بات ہے

صبح سے شام ہونے والی جتنی جنگیں لگتی ہیں آج بھوکے پیٹ میں دلوں دوست دامن چاہیں گے، اورے سے بادلوں کے ڈرے، سر شام ہی پورا جنگل اٹھیرے میں ڈوب گیا تھا۔

”جان الگا ہے بارش ہونے والی ہے اور ہمارا گھر بھی دور ہے۔ مجھے لگتا ہے کہ میں چاہا جائے۔“ اپنے دوست کی بات سن کر میں نے اسے

تلاش کرتے ہیں بہادرو کوئی ہرن، ہمیں مل جائے، ایسے موسم میں کوئی بڑا افکار کرنے سے دور ہے۔

”جان میری بات یاد رکھنا، میں نے سنا ہے کہ ”جہاں کڑ“ نہیں ہیں جنگوں میں دیکھا گیا ہے اور نہیں تو پتا ہے کہ وہ کتنا ظالم ہے، رات ہونے والی ہے، افکار

میں راج کمار بھی جاگ پڑی۔

کشن نے اسے خاموش رہنے کو کہا کیونکہ ایک کشتی ان کی طرف آ رہی تھی جلدی سے کھینچ چپ جاؤ

شریم نے راج کمار کو چٹان کے پیچھے ایک اونٹنے ٹھونے پھری آؤ میں چھاپا۔ لورڈو سامنے آ کر خدیجہ لگا کر جنگی لوگ اور کشتی کیوں لارہے ہے یہ کس قسمی جبر سے ہے جنگی تھے دن پر صرف ہمارے یوں کے لشکر سے سامنا نہ کرنا تھا ہاتھوں میں تیرہ تھے ہر کشتی میں چار چار جنگی تھے دو تیروں کی مدد سے سرخیوں کو اپنی طرف ہٹا کر کشتی میں گرہ کر رہے تھے اور دو چھ چار ہ تھے چٹان پر آ کر جنگی لوگوں نے کشتی پرانے کے ساتھ لگا کر اور اس میں آکشی کی ہوئی سلوں کو اتار کر ایک جگہ جت کرنے کے شریم ان کے بالکل قریب کھڑا دیکھ رہا تھا اسے بس ایک ہی ڈر تھا کہ گران میں سے کوئی دوسری طرف چلا گیا تو راج کمار کو کچھ کر شر کا دے گا پھر ساری کشتیوں کے جنگی وہاں آ کر جمع ہو جائے گے اور شریم کے لئے اسے سارے دشمنوں میں راج کمار کی جان بچانی مشکل ہو جائے گی۔

چنانچہ شریم بالکل تیار ہو گیا تھا کہ جو بھی ان میں سے کوئی دوسری طرف گیا وہ اسے وہیں قتل کر دے گا گراہیا نہ ہوا چاروں جنگی ملیں چٹان کے پاس رکھ کر انہیں پانی سے صاف کرنے لگے کشتی ان کے پاس ہی کھڑی تھی شریم کے ذہن میں ایک ترکیب آئی تھی کے علاوہ اور کوئی ترکیب آئی نہیں کشتی کی وہ جنگی آدھوں کی طرف بڑھا وہ کسی عجیب زبان میں ایک دوسرے سے باتیں کر رہے تھے اور بڑے حسرت سے سلوں کو پانی سے صاف کر رہے تھے۔

شریم نے ایک جنگی کے پیچھے جا کر زمین سے ایک پتھر اٹھا اور جنگی کی کھوپڑی پر دے مارا کچھ پتھر کے ساتھ جنگی دوپٹے ڈیر ہو کر بے ہوش ہو گیا پانی جنگی اس کی طرف بڑھ رہے تھے شریم نے پتھر سے دوسرے جنگی کو بھی بے ہوش کر دیا پانی دو گھبرا کر ہمارے کے ڈھکا جانے وہاں پر کوئی بددعہ آگیا ہے وہ کشتی کی طرف

آگے میں کھڑے شریم کو کشتی کی فوج روت جی وہ لگ کر کشتی کے پاس آ کھڑا ہو گیا جو کشتی کے کشتی کے پاس آئے شریم نے اونٹنی کی آواز میں کہا۔

”بھگاہ جاؤ بھگاہ جاؤ۔“ شریم کی زبان جنگی آدھوں کی کھمت سے باہر تھی گران کے لئے کسی کی بھی آواز کاٹھی لگتی تھی اور دگر کھمت میں گر پڑے اور ہاتھ اٹھا ہاتھ کھینے لگے دیتا ایسوں کی آواز بھر رہے تھے اور دھونے سنندھ میں چھٹا کھم بھری ان کی آواز میں گران کو دوسرے جنگی کی آواز میں اٹھ اٹھ کر آئے شریم پریشان ہو گیا۔

کران کم بخت ساروں سے دوسرے طرح لگنے کا گھر اس نے آدھے سے زیادہ کام ان جنگیوں نے کر دیا جنہوں نے شریم کی آواز میں گراہیوں کا رخ دیکھا انہوں نے اپنے سارے گھنٹا کو تپا کر چٹان پر دیتا ایسوں کی دھج آئی ہوئی ہے وہ چٹان سے دور ہٹ کر اس کے گرد پھرنے لگے اور ایسوں کی آواز میں کھٹ کھٹے لگے۔

راج کمار نے شریم کے لئے راج کمار سے کہا۔ ”کشتی پر چل کر بیٹھ جاؤ اور جنگی لوگوں کی طرف دیکھ کر ہاتھ بٹاؤ انہیں سے تار دو کر تم دیتا ایسوں کی خاص پہچان ہو۔“ راج کمار کی دوسری کشتی۔

شریم نے کہا۔ ”راج کمار اگر ذرا تیر تو تمہاری موت جتنی ہے ہمت سے کام لو۔“ راج کمار کو آخر اچھا ہمارا جتن سے کس میں پیدا ہوئی تھی اس میں ہمت آگئی وہ چٹان کے پتھر کی اوٹ سے نکل کر کشتی میں آگئی اور چٹان کے گرد پھرنے لگے جنگیوں کی طرف ہاتھ لہرا کر انہیں سلام کیا یا ان کے سلام اور آوازوں جواب دیا ایک خوب صورت لیے سیاہ بالوں والی عورت کو چٹان سے نکل کر کشتی میں سوار ہونے کو دیکھ کر جنگی اور زیادہ اونٹنی آواز میں ”ایسوں دایسوں“ کا رخ کیا۔

لگے شریم نے راج کمار سے کہا۔ ”انہیں ایسوں کو بھارت کرنے دو اور تم جلدی سے چھوڑ دینا اور یہاں سے لٹنے کی کوشش کرو۔“

(جاری ہے)

جم کارڈ نے ٹھنڈی آہ بھرتے ہوئے پوچھا۔
 ”فکار کے لئے نہیں کہو گے باقی ہر کام سہرا کھوں پر۔“
 ڈیو مسکرایا۔ ”فکار تو نہیں مگر کام جنگل سے جڑا
 ہوا ہے۔“

جم کارنر نے اسے غور سے دیکھا تو ڈوڈ نے بات جاری رکھی۔ "ہواری پہلی ماسٹرم ہوا ہے کہ امریکہ کے پہلی غورنے کے جنگلات میں بھیجی ایک بھاری اربا ہونے کی کان موجود ہے، مگر ہر دل خون خوار شریوں کا راج ہے، میرا مطلب ہے، وہاں شریوں کا علاقہ ہے جو دھنڈے سے چڑھ کر، اور دل کی بات اور سرکاران کا کچھ بھی نہیں بول سکتے، مجھے معلوم ہوا ہے کہ تہسپاری جیڑی بھی وہیں کی شری کا شکار ہوئی کی اور دھنڈے پتے ہے کہ جم کارنر ہی وہ دھندلے اور دھندلے ہے جسے شریوں سے دشمنی لگتی اور کیڑے زانے میں اس کا ایک بے شریوں کا مقابلہ کیا تھا تو اس کا مقابلہ کیا تھا۔"

دھاکم چھوڑ دیا۔“

پڑوسی مقلی خنزروں سے دیکھتے ہوئے بولا۔

”مجھے معلوم ہے اس لئے تم کو ہاں صرف نصف ماہ کے لئے رکھا ہے اور جنگل میں اپنی دھاک بیٹھانی ہے تاکہ جنگلی جانور اور خون خوار شیر وغیرہ وہاں سے بھاگ جائیں اور ہمارا راستہ صاف ہو جائے تاکہ ہم لوگ اپنی کھوج مکمل کر سکیں۔“

جم کارٹو نے سوال کیا۔ "بھلا جنگلی جانور مجھ سے کیونکر ڈریں گے؟ اور مان بھی لیا کہ شیر میری دہشت سے وہاں سے بھاگ بھی جائیں تو کیا اس سے میں خود بخود سلاحتی محسوس کر سکوں گا یعنی آپ میری جان کر رہے ہیں؟" "تم ادا کر سکتے ہو؟"

ڈیوڈ نے بریف کیس کھولا۔ ”پانچ لاکھ امریکی
ڈالر! اسے دے دیا جاتا ہے، لیکن لاکھ امریکی ڈالر کام ہونے

کے بعد“
 اتنی بڑی رقم کا سن کر جسم کا رز کا منہ کھلا کا کھلا رہ

[illegible]

☆.....☆

جی اور جان جنگل کے کوٹان شہر سے دوہایک
دوسرے سے کہہ رہے دوست سے، امانتوں کی طرح ان
کی بھی دو تھی اور وہ بھی اپنی زبان میں ایک دوسرے
کے ناموں سے پکارتے تھے، جم کارڈ کی وجہ سے جانا
کے پورے آپ نے وہاں سے ہجرت کرنے کا پتلا
بنا لیا تھا، کیوں کہ وہ جانا تھا کہ جم کارڈ کا تمام حکم
تھا، بظاہر جان سے فیصلہ کارڈ پر ان کے دل میں تھا
تھے جم کارڈ سے اپنے تعلق کو دھانسنے کوئے حکم جاری
لئے کی ضمانت لے لی۔

وہ اپنے بڑے والد سے بہت محبت کرتا تھا اور اس کی نافرمانی کا سوچ بھی نہیں سکتا جو کہ ہم انسانوں اکثر کرتے ہیں، خیر خیروں کا قبیلہ تیزی سے دوسرے جنگل میں ہجرت کرنے لگا، جم کارلز جہاں ایک ماہ حکامری تھا وہاں اس میں یہ خوبی بھی تھی کہ وہ چند روز کی ران سمجھ لیتا تھا۔

ایک دن وہ ایک گئے سیاہ دہر درخت کے
 بیٹھا ہوا تھا۔ درخت کی ٹہنی پر دو طوطے آہٹس میں
 کہہ رہے تھے، جم کارنر نے اپنے کان ادھر لگائے۔

”پار مشو! آپ کو پتہ ہے ہاں درخت کے نیچے کون بیٹھا ہوا ہے؟“

”یہ کوئی عام شکاری نہیں ہے یہ جم کارٹر ہے.....“

میں کارنر میں جب پہنچا تو جیسی سے میرا دل کا کھٹکے
 کرتے دیکھا کہ بہت ظالم آدمی ہے، جانوروں کا گوشہ
 ہے، برسوں بعد اسے دوبارہ دیکھنے کا موقع ملے گا، اس
 کے ڈروڈھ سے شرابور جنگلی جانور ہی تیزی سے
 جبروت کر رہے ہیں، ایک نیک کام کی بات تھا اسے.....
 جنگلی کی ہڈی میں تارسی میں ہونے والے کھوکھلے کا اور یہ
 ہم کو کارنر کی آخری کم بات ہو سکتی ہے، دیکھ کر کارنر یہ
 دیران جنگلوں میں نہیں پرسکتا، میں نے اس کی کارنر نے اپنی
 بھڑک سے نشانہ بنایا تھا۔ وہ سب اس کے پیچھے کی ہوئی

”تو سنو! جم کارڈا بھاگ جاؤ یہاں سے اگر
 بجان کی سلامتی چاہتے ہو تو بھاگ جاؤ۔“ اور یہ کہہ کر وہ
 دونوں غلوں اڑ گئے۔

مگر جم کارزار اپنی جگہ پر بہت بتا بیچارہ اس نے خود دکھائی کہ "بیوقوف طوطا مجھے ڈراتا ہے جم کارزار کو مارے بیوقوف میں یہاں کسی جانور یا پرندے کو مارنے نہیں آیا ہوں، وہ ہرن کا شکار بھی پیٹ بھرنے کے لئے کرتا رہتا ہے۔"

ہے، پہلے چلے گی چھوڑنی، پھر بچے، اور اب چہرہ پر بزمی جیم کا کارڈ دیکھن ہو گئے ہیں؟ لوگ پیسوں کی خاطر بے گناہ انسانوں کا خون کرتے ہیں؟ چوری، ڈاکہ، بدکاری، گنہگاروں، دھوکہ دہی، غریب، بھوٹ، ماہی باپ کی نافرمانی نہیں کرتا جیم کا کارڈ؟ اگر میری موت کسی جانور کے ہاتھوں میں لگے تو یہ میرے لئے خوش قسمتی کی بات ہوگی، میں انسانوں کے ہاتھوں میں بھی نہیں بیٹھ کر دوں گا۔"

ہم کارکنوں نے فرط محنت سے ہندو اٹھائی اور
 دوچار ہوئی قاتل کر ڈالے لیکن پھر بھی اس کا قصہ کم نہیں
 وا، وہ پراون ٹوپوں کی گتنگو کے بارے میں سوچتا
 ہے۔ اس نے جنگی پھل کھائے اور آج وہ ہرن کا شکار

بھی نہیں کر سکا، وہ اپنے کپ میں واہس لوٹ آیا۔ وہ آج بہت دھکی تھا۔ رات اندھیری ہو چکی تھی اس نے شمع والں موشن کی ادھر کسی گہری سوچ میں ڈوب گیا۔

☆.....☆

”یار جی! اس نے جنگل میں تو بالکل بھی مرہ نہیں آ رہا، نہ کوئی ڈھنک کا ٹکڑا ہے اور نہ ہی رہنے کے آثار، میرے خیال میں جم کا رڑا ب جا چکا ہوگا؟“ ججی شہر نے جواب دیا۔

”جان اکھ دن مبر کرو، میں نے کچھ شیر
جاسوسی کے لئے لگائے ہیں، جیسے ہی وہاں سے کوئی
اطلاع ملے گی تو گاگلا لاکھ محل بعد میں سوچیں گے۔ کافی
بھوک لگی ہے آؤ میرے ساتھ شکار پر چلتے ہیں۔“

[illegible]

☆.....☆.....☆

رات کے گھانا ٹوپ اٹھانے سے ہم جم کارڈ
مزدوق اٹھانے ایک سہ جا رہا تھا۔ آج معمول
زیادہ اٹھانے جا رہا تھا۔ بالوں کی گرج چکے تھے تو
بچکل کاخول مزید دشت تک بنا رہا تھا۔ الواد ایک
دوسرے پر ہنسنے کی ٹھوڑی دیے بعد آئے والی
واحدوں میں ایک اٹھانے خضر کے لیے تھے۔
عید پر بھی کچھ گھر مزدور سے ہے تھا۔ اٹھانے
کسی کوسمت کی نوید سنار ہو، کن ان چیزوں سے ہے

یاد رہے کہ کارڈر اپنی ہی دھن میں آگے جا رہا تھا۔
 اچانک سامنے والی جھانڑیوں میں سے ایک
 خون خوار دیو قامت شیر نمودار ہوا جس نے آتے ہی جم
 کارڈر پر حملہ کر دیا اور جم کارڈر زخمی ہو کر گر پڑا اور اس کی



خوفناک رات

ڈاکٹر امانا عمر شہزاد - ننگا صاحب

ویران و بیسایان میدان میں نوجوان کی کٹی حصوں میں بٹی ہوئی لاش پڑی تھی اور ایک شخص اس کے قریب بیٹھا تھا کہ اچانک نوجوان کے کٹے ہوئے جسم کے لوٹھڑوں میں حرکت ہونے لگی تھی اس کے بعد.....

دل کی ہڑکنے کی تہمت دلا کر رات کے گھنٹوں پر امرے میں جنم لینے والی ڈاکوئی کہانی

ہمیں آج جہاد قائد نے جہاد ہاؤس دو اور ہمارے خاندان کے ایک نہایت معزز اور قابل احترام بزرگ کے ساتھ چٹائی یا بھول ان کے یہ واقعہ سیدہ حقیقت پہنچی ہے آئیے کہانی سنیں۔
میرا نام منصور حسین ہے آج سے تقریباً نصف صدی پہلے جب میں 20 سال کا نوجوان قاتل میرے ساتھ حقیقت پہنچی یہ خوفناک جیت ناک

آج کل کے سامنے انجیر اچھا لگا
موبائل کی بیل سے جب کارڈ چاک پڑا۔ خوف
ناک خواب کی وجہ سے وہ کافی حد تک پریشان ہو گیا
تھا۔ "ہیلو یوز میں تم کارڈ رول رہا ہوں۔ تجربہ ہے؟
مجھ سے بھی کال کی ہے؟"
دوسری طرف سے آواز آئی۔ "تم کارڈ کا کام
کی کیا صورت حال ہے؟ سناؤ ہمارا رات صاف ہے؟ اور وہ
شریوں کا کیا بنا؟"
جب کارڈ رول۔ "ڈیوڈ! میں نے پہلے بھی بولا تھا
کہ میں اپنے کام میں مداخلت ہرگز برداشت نہیں
کرتا، آپ کا رات صاف ہے آپ کسی دقت میں
میں محاسن کے لئے آگئے ہو، سارے جنگلی
ورنہ مجھ سے ڈر کر دوسرے جنگلوں میں چلے گئے
ہیں اب یہاں پر مکمل امن و امان ہے۔" تم کارڈ نے
موبائل فون بند کر دیا۔
وہ خواب کی وجہ سے بے چین تھا، اس نے
بندوق تھامی اور یوٹی جنگلی کی طرف نکل پڑا، جنگل کے
بڑے جانور جب کارڈ کی دشت سے ہمارے چپکے تھے جبکہ
چھوٹے موٹے جانور وہاں گھومتے نظر آتے تھے، تم
کارڈ نے جنگل کے کٹائی سے میں واقع پہاڑی سلسلے کا
درج کیا، اس نے ڈیوڈ کے بتائے ہوئے ایریا کا سامانہ
کیا مگر کہاں اسے سونے یا بیروں کی کانٹھیں نہیں کی۔
"پہاڑوں سے سوناٹائی کر داتی بہت جلد طلبہ کام
ہے، پتا نہیں انہیں کتنی گوری کھدائی کرنی پڑے گی۔ اور
یہ تجرباتی زمین! قریب ہے..... جس کا کام اسی کو
سوچئے۔"

دونوں شریوں نے تم کارڈ کو ڈیوڈ لیا اور شری
اس پر بچوں سے وارکر ہے۔ اور تم کارڈ کا فکری
تجربہ ان کے جسم سے آپ بارہ اور ہاتھ۔ اور شریوں کا وہاں
آہستہ آہستہ کم پڑ رہا تھا۔ اور تم کارڈ کا تجربہ ڈیوڈ کی کھانا
اور اس طرح پتہ چلے گا کہ تم کارڈ کی کانٹھیں نہیں کی۔
اپنے تجربے سے تم کو دے گا کہ اس دن کے بعد کسی نے تم
کارڈ کو نہیں دیکھا۔

تاہم کہ تم کارڈ کو دینا کے جنگلات میں جڑاگ
گئی ہے، وہ خود بخود گئی، امریکہ جیسا ڈاکٹر ترقی
پانچ لکھی جبکہ اس بات کی تہمت نہیں پتہ چکا کہ
کہاں سے گئی ہے اور کہاں تم ہوئے ہیں، لیکن تاکہ
لوگوں کا کہنا ہے "جس جگہ تم کارڈ رول شریوں کی لڑائی
ہوئی تھی آگ وہاں سے گئی ہے اور ابھی پہچانی ہو
جنگل کے کانٹے سے تک پہنچا جانا۔"



جب کارڈ رول دونوں جنگلوں میں پھرتا رہا وہ آج
کافی بائیں تھا، اس کا سر دور کر رہا تھا، اس نے جنگلی جڑی
بوٹیوں سے ہاتھ دیا اور پیٹنے کے اس نے ہونڈی لیا
بہت باک رکھا تھا جہاں وہ خود Safe محسوس کر رہا تھا۔
جیکرات سے غمی کرنے دے وہاں پھر لگے رہتے تھے
لیکن ان سب سے بے غمازہ اکیلا رہنے کا عادی تھا۔
اس لئے اسے کو دشواری پیش نہیں ہوتی تھی۔ سوچتے

مرکاری ملازمت سے نوڈولڈ۔

جیری کو پینک دور دراز علاقے میں ہوگئی جس ریلے اسٹیشن پر میری ڈیوٹی تھی وہ بہت چھوٹا اور لمبھتہ گاؤں سے تقریباً چار کلو میٹر کے فاصلے پر واقع تھا میرے علاوہ اسٹیشن پر کوئی دوسرا ملازم نہ تھا۔ پہلے اسٹیشن ماسٹر سال ہی میں ملازمت ہونے سے اور ان کی جگہ عارضی طور پر لے والا ملازم کی جارج بیر سے معاملے کر کے رخصت ہو گیا۔

گاؤں سے کافی فاصلے پر موجود اس اسٹیشن پر میں اکیلا ہی رہتا تھا اسٹیشن کے ساتھ ہی ایک پرانی اور خوب صورت سبھنی ہوئی تھی۔ جہاں میں نماز پڑھتا تھا۔ اکیلا ملازم ہونے کی وجہ سے چھٹی کی کسی کمی نہ تھی

اسی ہی لے چار چار سیٹیں گھر سے دور رہتا پڑتا تھا ان لوگوں اور ریلے سے ٹریک پر صرف تین گاڑیاں ہی چلتی تھیں اور تین ہی اسٹیشن پر سٹاپ کرتی تھیں۔

اسٹیشن چھوٹا ہونے کی وجہ سے کوئی مکمل موجود نہ تھا بس اسٹیشن کی ایک جانب چھاگ بند کرنا اور کولنا پڑتا تھا حالانکہ اس بیٹا پاؤں پر رک سے شاد درباری کی کا گر رہتا تھا کہ میری ڈیوٹی لازم تھی کہ اس رات جب چاند مکمل چوبین پر تھا ہر طرف چاند کی چاندنی بھری ہوئی تھی میں رات کے دتے آتے والی آخری گاڑی کا انتظار کر رہا تھا کہ یہ گزرے اور میں اسی آرام سے نیند کے حوالے ہوں۔

روزانہ رات گیارہ بجے آخری گاڑی اس ٹریک سے گزرتی تھی چھاگ بند کرنے کے بعد میں اسٹیشن پر پہنچ کر ایک شاہد کی مسافری سے گفت خرید و معاوضہ پر اس اسٹیشن پر آمد و رفت بہت کم ہوئی تھی تو بہتوں سے ریلے سے اسٹیشن مسافروں کی آمد سے غمزدہ رہتا تھا۔ اس رات خستہ گردی تھی میں زیادہ تھا اسٹیشن پر بھی نہ تھا اس لئے میں پلٹ فارم پر لائین ہاتھ میں تھا کہ گاڑی کی آدھا انتظار کر رہا تھا۔

تھوڑی ہی دیر میں گاڑی سٹی بجاتے ہوئے اسٹیشن کی جانب بڑھ رہی تھی چھاگ سے کچھ پیچھے ہی

گاڑی رات ہی میں بہت پریشان ہو کر اندر سے آگے آگے گاڑی وہاں کیوں رک گئی حالانکہ ہر چیز کیلئے تیار اور میں بے سوچے سوچے فوراً گاڑی کی طرف دوڑنا شروع کر دیا۔ پہنچنے پر ایک دھشت ناک اور دلخوش منظر میری آنکھوں کے سامنے تھا کوئی بد قسمت شخص گاڑی کے نیچے آ کر سر پر تھا جس کی دونوں ٹانگیں اس کے دھڑ سے الگ ہو چکی تھیں بازو اور سر کی بری طرح چھلکی ہو چکے تھے اور وہ موٹے ہی دم توڑ گیا تھا تمام مسافر گاڑی سے باہر نکل چکے تھے زیادہ تر لوگ اس واقعہ کو کوئی خبر نہ آ رہے تھے۔

اور شخص ڈرائیور کو ٹھوک نطروں سے دیکھ کر تھے پھر میں نے ڈرائیور سے پوچھا کہ یہ خوف ناک حادثہ کیسے رونما ہوا؟

تو وہ ہنس بولا۔ "تجربہ ہی چاہا کہ انجمن کے سامنے آ گیا جس کی وجہ سے میں اسے جہانے میں بائبل کا کھانا کھا رہا تھا۔" پھر لوگوں کی مدد سے ہم نے اس کی لاش کو کھانا کر کے پڑی سے محو کرنے کے لئے ہر کسی مسافر سے کپڑے لے کر لیا وہاں میں تمام ملاتے کے باشندوں کو کھانسی طرح جانا اور پکچا تھا کہ میری آنکھوں سے اس علاقے کا نہیں تھا اور یہ امکان ہی خدایہ ملا کہ ان شاہدیں میں ملانے میں کسی کے گھر یہاں آ یا ہو کیونکہ یہ ٹرین اسٹیشن پر پہنچنے سے پہلے ہی اس کے نیچے آ کر تھا۔

مسافروں میں مرد باہوم اور عورتیں بالخصوص بری طرح خوف و ہراس ہو چکی تھیں اس لئے وہ جلد جلد یہاں سے نکل کر جانا چاہتے تھے اور ڈرائیور سے نکلنے کے لئے مسلسل اصرار کر رہے تھے اس وقت ٹرین میں پھنس کر وہ اگلا موٹر دینے میں نے ڈرائیور سے کہا کہ براہ مہربانی ایک پھنس کر اگلے والا دیکھ دے وہی تاکہ ہم دونوں رات اس لائن کے پاس گزاریں پھر جس کو دیکھ کر اس کے دوا تک خبر پھیلنے کی کوئی شکی نہ تھی کہ گھر پھنس اٹھارنے دے گئے سے صاف اٹھار کر اور گارڈ نے بھی یہ کہہ کر اس کے اٹھار کر دیا تو وہ نہ

پہنچا کی کہ ٹریک بہت لمبا ہے اس لئے خفا سے اس کا

خفا سے اس کا

خفا سے اس کا

خفا سے اس کا

خفا سے اس کا

خفا سے اس کا

خفا سے اس کا

خفا سے اس کا

خفا سے اس کا

خفا سے اس کا

خفا سے اس کا

خفا سے اس کا

خفا سے اس کا

خفا سے اس کا

خفا سے اس کا

خفا سے اس کا

خفا سے اس کا

خفا سے اس کا

خفا سے اس کا

اور دہلا دھڑلے لگے تھے۔ دیکھتے ہی میری جان پیچھے بھاگ نکلی آگیا اور میرا دل تیزی سے دھڑکنے لگا۔ میری سوچے سمجھے کی تمام حالتیں منہ ہونے لگیں اس کا ایک لاش کا اور دہلا دھڑا دھڑا کرنا میرا دل کھینچ کر لے گیا۔ میرا اس وقت کیا حال ہوگا یقیناً آپ سمجھ سکتے ہیں۔ ہوا تنگ، دھواں سا ڈھانچہ، پورا جسم بے جان ہو گیا۔ ہوا اس سے پہلے کہ کوئی اور بات گویا صورت سے میرا سامنا ہوتا میں نے لپٹ کر فوراً اسٹیشن کے ساتھ موجود کچھ کی طرف بھاگنا شروع کر دیا۔

میں بار بار سڑ لاش کی جانب بھی دیکھ رہا تھا مگر کئی دور بھی گھر میں خورا اور جلد جلد وہاں پہنچتا چاہتا تھا اس لئے میری قوت سے دھڑا کرنا ایک بار جب میں نے سڑ لاش کی جانب دیکھا تو میرے رونے کفر سے ہو گئے لیکن کئی بغیر انگوٹھوں کے میرے پیچھے ہوا میں بھاگ رہی تھی اس وقت میری حالت ایسی تھی یہ تانتا ہے کہ میرے پاس الفاٹاؤں۔

میرا دل دھڑا رہا تھا میں دھڑا کر رہی تھی میری صورت بھی میرا دل نہیں سمجھتا تھا کیونکہ لاش مجھے دیکھنا نہیں دیکھنے دیتی اس لئے میرا دماغ میں موجود ایک کچھ بھولنے سے گھر سے کسی گھر کا گڑوں والوں نے اپنی زمین پر بٹا تھا جہاں پر وہ صرف پانی وغیرہ دھوئیں کو لگاتے وقت ہی بھڑکتے تھے میں نے اندر سے دروازہ بند کر دیا باقی میں نے دروازہ بند ہی کیا تاکہ وہ آئے جسم پر مشتمل لاش دروازے پر پہنچ کر اس کے اور دروازے پر پہنچا نہ سکے گی۔

میں پوری قوت سے دروازہ بند کر کے کھڑا تھا مگر جیت تھکے طور پر دروازے پر صرف دھنکے دے رہا تھا اور دھڑا دھڑا کرنا میرا دل بھڑکا رہا تھا۔ دھنکے دے رہا تھا۔

شاہد اس شعور سے محروم تھا کہ دروازے کو توڑ کر بھی وہ اندر داخل ہو سکتا ہے اس کی دونوں طرف کھینچ کر بھی جتنی بھی چاہے کرے میں روٹی آری جیسی اس کی سرخ آنکھوں سے سرخی

کہنا تے کہ پاس پر طرح کی قوت ہوتی ہے وہ قوت ہو سکتے ہیں کوئی بھی روپ دھار سکتے ہیں لوگوں کے اچانک میں داخل ہو سکتے ہیں وہاں اور کائنات وغیرہ سے بغیر کوئی کا کوئی گزرنے کے بغیر کہ کوئی کی مخلوق کو جو مردہ جسم میں تو داخل ہوئی گھر اس کرے میں داخل ہونے سے قاصر ہے واقعی تمام باتوں کو جاننے والا صرف اللہ ہی ہے۔

پھر تھک رہا کہ اس نے دیکھ کر بجائے دروازہ کھڑچنا شروع کر دیا کوئی کا دروازہ ہونے کا وجہ سے جب وہ لاش اسے کھڑچ رہی تھی اس نے اسے پاگل ہو کر دو کرے کے چاروں اطراف زور زور سے ہاتھ مار رہے تھے۔

میری دروازے اور مرکزی سے زور سے کھڑکی اور کسی کرے سے کھڑکی اور اسے کھڑچنے لگی کرہ بکی اینٹوں سے بنایا تھا جس کی وجہ سے اسے کھڑچنے میں دشواری پیش آ رہی تھی محروم ہر حال میں مجھ تک پہنچنا چاہتی تھی۔

تھوڑی دیر بعد مکمل خاموشی چھا گئی تھوڑے عرصے کے بعد وہاں سے کھڑکی بہت زیادہ ہو چکا تھا گھر کی کھڑکی سے ابھرے ہوئے غصے پر اپنی زبانی بہت باریک داری میں خوف کا چیز سے لڑ رہا تھا، میں اس بات پر حیران تھا کہ آخر وہ لاش کہاں پہنچی تھی اسے اندر سے میری کمرے میں عجیب اور دم گھم رشتی موجود تھی تقریباً آدھا گھنٹہ پہلے خاموشی ہی اور شاید میری اور میں نے میرا ہر حال گویا تھا۔ بند کر کے میں مزید غصہ ہرے لے اپنی زبانی وہاں سے ہوا میں سوچ رہا تھا شاید میرا ہی طرف سے اپنی سوچ کو اس طرف کی تلاش میں لگی تھی ہوتی ہے کہ اندر گھر کی کھڑکی سے سرے سے بہتر ہے کہ میں باہر ہی نکل جاؤں۔

اور یہ طرح کھڑچنا کاؤں کیونکہ یہ یقین تھا کہ میں سمجھ میں جا کر مکمل طور پر محفوظ ہواؤں گا پھر ہر تھک کر میں نے دروازہ کھولا باہر کوئی موجود تھا

گناہ اور اعتراف

وہ لمبے ترین ہوتے ہیں جب انسان کوئی گناہ کرتا ہے لیکن وہ کھاتے ہوئے ہے۔ جب انسان اپنے گناہ کو سامنے کرے کہ اسے پشیمانی ہاں میں ہاں ملائے ہوئے کہتا ہے کہ "ہاں تم ٹھیک کہتے ہو، یہ گناہ میرے ہیں۔ اور میں نے تم پر ناپاک ہوجھا ڈالا اور جب انسان اپنے گناہ سے یہ کہتا ہے کہ یہ ہوجھا میرے ہے۔ میں اسے اتار پھینکا ہوں تو فرشتے بھی دھڑا کھینچتے ہیں۔

(علی بن محمد۔ کہانی میرے)

اور میں کرے سے نکل کر کچھ کی طرف دروازے چاہتا تھا کچھ سے کھڑچنے سے کسی نے ہاتھ رکھ دیا اور مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے خوف سے میری رگوں میں خون جم گیا وہ جب میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو وہی لاش میرے پیچھے کھڑکی میں آئی تھی فوراً ہی مجھ پر حملہ کر دیا اور میں نے کچھ کہا جب وہ میرے اوپر کرا تو مجھے یوں لگا جیسے کئی ہزار گھوڑیاں ان کے اوپر سے پاگل ہو کر تھوڑے عرصے کے بعد چلی گئی۔

مجھے موت پہلے میرے سامنے نظر آ رہی تھی اس لئے میں نے آخری بار اس سے بچنے کے لئے آخری کوشش کی اور پوری قوت سے اسے دھکا دے دوڑ پھینک دیا۔ باوجود اسے اپنی طاقت کہاں سے آگئی تھی اور میں نے کھڑکی کو کھولنا چاہا تھا میں نے داخل ہو کر اندر سے اسے بند کر دیا باقی دروازہ بند ہی کیا تھا کہ دروازے پر بھڑکے "ٹھک ٹھک" ہونے لگی۔

میں سوچنے لگا جیسے کہ میری آخری رات ہے اور میں رو کر اندر سے دھکا لگا کر کسی طرح سے نہیں دروازہ کھڑچ کر رات گزرنے دے اور مجھ کے اچانک میں زندگی بچنے کی شاید کوئی نالہ جائے اور میں دروازے کے ساتھ ٹھک ٹھک کرنا کھڑچنا نہیں کرے میں موجود دم اور مجھ کی روشنی میں چاروں اطراف دیکھنے کی شاید

کوئی لوہے کا ہتھیار، لکھاڑی وغیرہ یا چاقو جس سے آدمک میں اپنا دفاع کر سکن مگر کمرے میں کوئی ایسی چیز موجود نہ تھی۔ تھوڑی دیر بعد پھر دروازے پر ہلکا ٹھک ہونے لگی اور میں خوف سے کانپنے لگا۔ دنگ دینے کے ساتھ ساتھ اس کے منہ سے عجیب خرب اور خوف ناک آوازیں نکلی رہیں پھر تھوڑی سی خاموشی کے بعد مجھے چوت پر کی کے پلنے کی آواز آئی آنے لگیں میں مجھ کی ایک لاش اٹھا دے گا نے کی کوشش کر سکا۔

اور وہی ہوا جس کا مجھے درد تھا وہ تیزی سے چمت کو کھرتے رہی اور میں سمجھنے لگا کہ یہ عالم میں بیٹھا ہوا تھا مجھے یقین تھا کہ وہ جلد ہی چمت سے اندر داخل ہو جائے گی کیونکہ چمت دروازے اور اندرون کی طرح مضبوط دہلیزات کے اندر میرے میں اس کی چمت کھرتے کی کوششیں رات بھر میں ہوتی تھیں۔ خوف سے میرا منہ خشک ہو رہا تھا دل تیزی سے جھڑک رہا تھا مجھے اپنی موت یا جیٹنی نظر آ رہی تھی کسی سیانے نے ٹھیک ہی کہا تھا کہ جس پر گھر سے دہلی جانے میرا اجرام موت کے خوف سے قہر قہر کر رہا تھا اور لاش تیزی سے چمت کرتے میں کی ہولی میں اب تو باقاعدہ اندر لڑکی کا شروع ہو گئی تھی۔

ایک بار پھر میرے دل میں خیال آیا کہ اب اس کمرے میں تو میری موت بیٹنی ہے کیوں نہ یہاں سے نکل کر مسجد تک جانے کی آخری کوشش کروں یہ سوچتے ہوئے اب بھی میں دروازے کے قریب پہنچا ہی تھا کہ دروازہ لاش دروازے کے سامنے آ گئی۔ اور اپنی حرکات سے مجھے دروازے پر اپنی موجودگی کا احساس دلانے لگا اب کسی صورت وہ مجھ سے غافل تھی وہ یہاں میں مجھے ختم کرنا چاہتی تھی اس صورت حال کو نظر رکھتے ہوئے اس وقت کا انتہائی قریب دیکھ کر میں مجھ سے کمرے کا رپ سے تھوکر نے گا اور پھر تھوڑی دیر بعد وہ چمت کی منی نکال کر سامنے سے کمرے میں داخل ہوئی اور دوا ہی مجھ پر حملہ کر دیا۔

اس کے کمرے میں داخل ہوتے ہی کمرے

میں ایک عجیب سی روشنی پیدا ہو گئی اور اس کی آغوشوں کی روشنی نے اس انتہائی گری پیدا کر دی اس کے جملے نے مجھے کانپنے دیا۔ جبکہ ڈیڑھ گھنٹہ تک انسان کی سانس مکمل طور پر بند نہ ہو جائیں تب تک وہ بچنے کی آخری حد تک کوششیں جاری رکھتا ہے چاہے موت بالکل سامنے ہی کیوں نہ لگتی ہو۔

آخری بار میں نے اس سے بچنے کی خاطر اپنی پوری قوت سے اسے دھکا دے کر دروازے کی جانب اپنی کوششیں کی اور وہ دنگ دینے لگا اور دروازے کے سامنے بیٹھ گیا وہ میری پریشانی اور بے بسی شیطانی انداز میں تقبیہ لگانے لگا جیسے مجھے کہہ رہا ہو کہ اب تم مجھ سے بچ نہیں سکتے اب تمہارا یہ ایک آخری لمحہ ہے۔

وہ بلند اور خوف ناک آوازوں میں تقبیہ لگانے میں مصروف تھا کہ اسی لمحے میری نظر سامنے دیوار پر لگی خانہ کعبہ اور مسجد نبوی کی تصویر پر پڑی اور میں نے فوراً چلا نکال کر وہ دھماکہ تصویر دیوار سے اتار کر اپنے ہاتھوں میں پکڑ کر اس کی جانب کر دی تو وہ نہایت غصے سے میری طرف پکا لیکن میرے انتہائی قریب آ کر دو رکہ پکا پیسے کی رو کا مال غفلت نے اسے زبردست قوت سے روک لیا ہو اس کے چہرے سے واضح محسوس ہو رہا تھا کہ انتہائی کوشش اور طاقت کے باوجود جی وہ دنگ دینے لگا ہے۔

پھر چاکر اس کے مختلف اعضاء اس کے دھڑکنے والے ہونے لگے سر و دلوں بازو مگر گردن اور ہونٹ، ناک، ہال، انگلیاں وغیرہ بالکل الگ الگ ہو کر کمرے میں کھو گئے گئے وہ اس عجیب اور خوف ناک ترکیب سے مجھے ڈرا کر بے ہوش بنا رہا تھا کہ کسی طرح تصویر میرے ہاتھوں سے نکلے اور وہ میرا کام کر دے۔

مگر میں نے اپنے انصاف پر عمل قائم رکھا اور انھیں ہرگز کس تصویر اس کی جانب کر کے بیٹھ لائی وہ وقت عجیب حرکات اور خوف ناک، داد و

جانب کر کے بیٹھا رہا پھر اس کے اعضاء اکٹھے ہونے لگے اور ابھی آہستہ آہستہ اس کا ماحصل ایک اور وہ لاش ٹھک باہر دروازے کے قریب لپٹ گئی اس کے چہرے سے ہلکتے واضح محسوس ہو رہی تھی تقریباً ایک گھنٹہ بعد اذان فجر کی آواز آنا شروع ہو گئی اور میں سخت حیران ہوا آج تک گاؤں سے اپنی روز اذان کی آواز نہیں آئی تو آج کیسے اور کہاں سے آ رہی ہے۔

پھر یکدم اس لاش میں ہوا بھر جائے گی اور وہ پھولنے لگے پھر اس سے سرخ رنگ کا ایک پیرا سا نمودار ہو کر دروازے کے مورخ سے باہر نکل گیا اور چند منٹوں بعد خود ہی دروازے کی لکڑی مل گئی اور وہ لاش بھی وہاں تک نکلے دروازے سے باہر نکل گئی اور میں مجھ پر ہرگز ہو کر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے لگا جس نے آج مجھے جیسی موت سے بچا لیا تھا۔

”جے شک اللہ ہر چیز اور ہر کام پر مکمل قدرت رکھتا ہے۔“ گاؤں دیوڑ گاؤں کی بعد میں دیوار سے ٹیک لگا کر چل گیا۔

اور تین دن کی آغوش میں چلا گیا باہر دروازے پر دستک نہ میری آنکھیں کھول دیں اور اسے پر بچا سراج دہلی موجود تھے جہاں کمرے کے مالک تھے۔ اور وہ لاش آواز میں کہہ رہے تھے۔ ”کون ہے اندر خدا کے بندے سردار دھاکو۔“

میں نے دھڑکتے دل سے دروازہ کھول دیا اور پچھا سراج دین پوچھ گئے۔ ”آپ..... یہاں خیر ہے تو ہے؟“

پھر میں نے رات چٹ آئے دلاسا مارا دیا تب میں نے ان سے لگا کر دیا میں نے ان سے کہا آپ اسی وقت میرے ساتھ چلتے جہاں لاش رہی ہوئی ہے فوراً کمرے میں داخل ہوئے البتہ میرے ساتھ چل پڑے اور میں سوچنے لگا کہ جب لاش باہر لگی تھی تو دروازہ خود ہی مکمل کیا تھا پھر یہ کیسے ہو گیا۔

خیر لاش اپنی جگہ پر ہی موجود تھی جہاں ہم نے

رکھی تھی پھر سراج دین بولے۔ ”اے اللہ تجھے یہیں کس مہل کا کھل (پچ) تھا ہے چاہا کرتی ہے دروازہ خطرناک موت سے برا۔“

پھر پچھا سراج دین بولے۔ ”بیٹا یہ بات تو درست ہے کہ رات یہاں حادثے میں کسی کی موت ہوئی ہے مگر آپ کے ساتھ رات کوئی دیکھارہہ نہیں آیا بلکہ خوف کی وجہ سے اور نفسیاتی الجھن کی وجہ سے آپ ڈر کر اس کمرے میں جا گئے ہوں گے بھلا مراد یہ کیسے ہو سکتا ہے۔“

ابھی تک ہی پتلا ترین آنے میں دیکھتے تھے تھی تھوڑی سی دیر میں پورا گاؤں دہلی بچنے چکا تھا اب اس کی شناخت کرنے میں نہ کام رہے پھر دو پہر تک اس کے رات بھی بچنے لگے اس رات دہلی ترین کا ڈرائیور ہر آئینہ برامطالع کر دیا تھا کہ کلاں آئینہ پر ایک عجیب تصویر اس کے پیچھے آ کر ہلاک ہو گیا ہے جہاں گاؤں کی آنکھیں سے اس طرح مرنے والے کی نشانیاں اور یہی عجیب بتا رہا تھی کہ وہ ناک اطلاع پہنچ گئی اور وہ پھر دہلی جانے والے ترین کے ذریعے وہ لاش لے کر دہلی سے روانہ ہو گئے۔

مگر گاؤں والے سامنے میرے ساتھ چٹ آئے والے واقعہ سے انکار کر رہے تھے پھر جب دہلی پر وہ میرے اصرار پر کمرے میں داخل ہوئے تو چمت اور دروازوں سے نکلنے کو دیکھ کر سب نے میری بات کی تصدیق کر دی۔

تب میں نے سب سے کہا۔ ”فوری کیجیے کہ صرف خانہ کعبہ اور دروازہ رسول کی تصویر نے مجھے انتہائی خطرناک اور بیٹنی موت سے بچا لیا۔ جہاں میں جہاں میں کسی کی تصویر کے نقش قدم پر چلنا چاہیے۔“

اس دن سے میں دہلی جانے لگا اور وہاں جب بھی مجھے وہ خوفناک رات یاد آتی ہے تو میرے دھڑکنے کوڑے ہو جاتا ہے۔

دار Digest 203 March 2018



اچانک درخت پر سے ایک زھر لیا ناگ نیچے زمین پر گرا اور چشم زدن میں وہ مزدور کو ڈس لیا کہ پھر اچانک ایک بزرگ نمودار ہوئے اور ان کی انگلی کا اشارہ ہاتھ ہی سانپ رفو چکر ہو گیا

دل و دماغ کورحمت بخشش اپنی اوصیت کی عجیب و غریب..... حقیقت پر پڑی کہانی



”ہاں ہاں مجھے یہ ہے تم اپنی بندوں آؤ اور ہم اپنا سہ آؤ آتے ہیں۔“ امام صاحب نے غلبہ پڑی بات کاٹ کر کہتے ہوئے کہا۔

”مولوی زکریا زکریا..... زکریا زکریا.....“ غلبہ پڑی بات کہتے ہوئے تہذیب کا بیانیہ نظر آ رہا تھا لیکن امام صاحب نے غلبہ پڑی بات کو ٹھکراتے ہوئے کہا۔

”ہاں ہاں مجھے یہ ہے تم اپنی بندوں آؤ اور ہم اپنا سہ آؤ آتے ہیں۔“ امام صاحب نے غلبہ پڑی بات کاٹ کر کہتے ہوئے کہا۔

”ہاں ہاں مجھے یہ ہے تم اپنی بندوں آؤ اور ہم اپنا سہ آؤ آتے ہیں۔“ امام صاحب نے غلبہ پڑی بات کاٹ کر کہتے ہوئے کہا۔

سب مولوی بچے تھے کہ وہ لانا نہ کر سکتے ہو گئے ایک لڑکے مردوں کی اور دوسری لڑکیاں تھیں۔

”جب آپ لوگ زندہ کرنا چاہتے ہیں تو ایک غلبہ پڑی بات تو میں پر غصہ مار رہا تھا۔“

اسی وقت مردوں کی لڑکیاں کے چچے درختوں میں سے ایک سفید پتھر والے بارش بزرگ تھیں کہ لڑکیاں میں کھڑے ہو گئے تھیں غلبہ پڑی بات کہتے ہوئے تھیں۔

”ہاں ہاں مجھے یہ ہے تم اپنی بندوں آؤ اور ہم اپنا سہ آؤ آتے ہیں۔“ امام صاحب نے غلبہ پڑی بات کاٹ کر کہتے ہوئے کہا۔

تاجان کی جس ڈرا ہونے پر کھلا کر بریک پوری قوت سے دوا دی۔ اس ان کے سینہ سامنے جا کر دھکی لادیں کہ سترے ان تینوں میں سے ایک سامنے ہی کھڑا رہا جبکہ دو غلبہ پڑی تیری سے اس کے اندر داخل ہو گئے اس میں سوار لوگ ابھی جانے کی سوچ ہی رہے تھے کہ اگے ہوا کیا ہے ان غلبہ پڑی بندوں پر مردوں کو اس میں سوار ہونے دیکھ کر کئی غور ہوئے اور چند مردوں کی منہ سے بھی چیخیں برآمد ہوئیں اس سے پہلے کہ کوئی رول ٹار کھار کر سہیلے غلبہ پڑی کی کسر کھڑی آؤ نہ تھے اس میں سمیرا خاصوئی غلامی کر دی۔

”جب کہ کہ اپنی اپنی جا پہنچے یہ دور رسا کی بات میری بندوں کو لے گئی۔“ اس کے بعد کئی کھوت نہ ہوئی کہ وہ چل چلاں کرے۔

کمال اس غلامی کی بد کے ہوئے تیل کی طرح کھٹ چلا گیا اور ہمارے ساتھ لپکا سا کر گرنے کے بعد اس میں لپٹا چلا گیا اس کی ماسٹیں کی فضا بک تھی اس کی طرح چل رہی تھی وہ کھانچے ہوئے زمین پر جیت لپٹ گیا اور اللہ سے اسے گناہوں کی معافی انکار کرتا تھا گنگے کا لیے لینے ہی اس کی نظر کار کے سمت کے ساتھ چلے ہوئے کڑی کے چالے پر پڑی جس کے درمیان لورین کا لے کے ہوا ایک کالے رنگ کی کڑی اپنے ہاتھوں پر قدم بھانے مشینوں سے کڑی شایا ہی کی کھیر دی گئی کہ اس کا ایک کالے کی کسر میں ایک مرد کا لہر گھسیٹ گئی ہوئی لیکن وہ کڑی آہستہ آہستہ بڑی ہوئے تھی، کمال اس کڑی کی طرف دیکھ کر دھکے دیا۔

پہلی ہی اپنی پہلی پرتال کی سڑک پر چلی جا رہی تھی اندر کی کھیر کو اس نے کھانچا اس نے ڈرا ہونے بہتے لانس آن کر دی جس میں خرابی خرابی تھیں درختوں کے ہونڈ سے درمیان سے گزری گئی کہ اس کا ہاتھ میں آ دی درختوں سے کو کر اس کے سامنے آ چھپے کہ درختوں نے انہیں اگل دیا وہ ان تینوں کے منہ پر ڈھالے اور ہاتھوں میں بندھیں جس جو کر کہوں نے اس کی طرف

مکرشیدے کی کلمات کے عقلی دھکی دھکی کا ملنا بہت آسان ہو گیا تھا۔ وہ لوگ شیدے کے درہم درہم کردار کے بہانے آتے مہی دوران روایتی پرچہ کے قریب ہونے پر بدت کے کیلئے، کہیں کی کس فعل کرنے کے کیست میں غلام سراج سے چھپ کر کھٹنے کے دھبے کے جانے، شہر کے جامعہ ہوشوں میں کھانے کے عورت سے بدعتیہ جانے۔ پیار کی کانٹوں ہماری گینڈو پر کھولوں سے آراستہ کرنے کے شیدے سے ملنے بہانہ بنایا جاتا اس کا رخسار میں زرد دیا کے بدلے شیدا بھی نمایاں کر دیا لدا کرتا۔

اس کا طریقہ درودات بڑا عجیب تھا۔

☆☆☆☆☆

میں باپ نے اپنی عمر بھر کوشش کر کے شیدے کو اسکول میں داخل کر دیا لیکن اس کی آزاد نشوونما طبیعت کو اسکول کی پابندیوں میں نہ آ سکی۔ سو ان سے بغاوت کر کے اور اپنی کوجاؤں کا سرخوش کر دیا اور تیں کر کے لگا، اس دوران دیگر جرائم پیشہ افراد سے تعلق بڑھنے لگا ایک موقع پر چوری کرتے پکڑا گیا۔

پہلے تو کوکوں نے رابینٹ کر کے خوب دل کی بھڑاس لگائی، پھر پولیس کے حوالے کر دیا۔ پولیس کی جھڑپوں سے تانی داری اور دیگر مقام مرحوم اس میں یاد آ گئے تھے جیسے بچے سال بعد یا استخوانوں کو کربع مجبور حوام اور ان کے عقلمیں بہت، بے روزگاری اور بے انصافی کے خاتمے تک یاد آتے ہیں۔ اس جھڑپوں کے دوران اس کے جرائم پیشہ ساتھی اور رحمت کی بائزرگی جان کی شدت پر گری کے دوران مرستے والی باران رحمت کی طرح سووند کا بیت ہوئے۔

حوام کو تحفہ اور قلم و دست سے نجات دلائے والی سے مل کر یوں رو پھر ہوئے جیسے بچہ گائے کے دوران حوام یا ناسخہ کے گاڑیاں بھاگ کر لے جاتے ہیں۔ ان سہراؤں نے اسے ایک ایسی جینٹ سے لکر دی جو چہنچہ پر سیم کا حصہ معلوم ہوئی اس پر خوشی مندرج

کے دل سے ہے اور اس سے علیحدہ کر کے پھانسی کی مانند ہوتے۔ عجیب و غریب نشانات تھے اس کے پیچھے مخصوص جیتیں تھیں جن میں تیز ترین چہن اور انگوٹھی کی پڑیاں ہوتی تھیں۔ اس کو سونڈوں والی درہمی پر بیٹھا کر ہانڈا کی بکڑ پر بٹھا دیا جاتا تو کس کھارے سے نجات دیتے ساتھ ہی شکی حضرات اس سے شفا و رادیا پڑھتے تھے۔ ایک دھندلے رنگی کھنکھارہ دینے پہاں کی پولیس کو بکڑی کر دی کی پھر کیا تھا کچھ بار اس کی کشتی کھال یوں اتاری کی جس طرح ذبح کئے گئے گے کہ اس کی کھال قضا کی اترتا ہے، یا تاجہ از منافع خور غریب حوام کی کھال اترتے ہیں۔

پاکوئی شرارتی فرد ایک اچھے آدمی کے ہر کام میں ہال کی کھال اترتا ہے کھال اترنے کی درجہ کی حوام اور پولیس اس پر یوں ٹوٹ پڑی جس طرح اللہ واسطہ کی دیک کے جانوروں پر لوگ ٹوٹ پڑتے ہیں یا سلاطین کے دوران امدادی سامان کے نوک پر سلاطین میں دوپے لوگوں کی، بہانے بچ جانے والے علاقے کے مرد و زنان ٹوٹ پڑتے ہیں۔

بے تحاشہ مار پڑنے پر وہ میں بے ہوش ہو کر جیسے کچلے گا بھٹکا کھٹنے سے کوئی اثر نہ کرتا ہے۔ ایک بار پھر دہری یا ربیل ڈرم بگٹنے والے ڈیڑوں اور سہرا تیں کے مانند کھٹکا کاٹتے تھے پولیس اور لوگوں سے فراغت جاتے ہی اب تو اس کا دل میں جرائم بھرے کاموں سے اس کا کیا بکڑی تھری تو کھنکھارے جاتا تھا، کھارے کب کے جینٹ کے لئے درہم درہم کر چکے تھے، جینٹ کی آگ بجھانے کے لئے بگٹتے بگٹتے کھنکھارے ضروری تھا۔

اور دھوکے کے علاقے کے لوگوں اور محلات و روایات پر بغیر ڈاکو اس کو کھنکھارے کی نظر آئی۔ اس نے ایک ایسے غصے کی گائیڈ کی بنا کر زندگی کا باقی سطرے کرنے کا فیصلہ کیا جو کس دور میں گاؤں کے چارہ سے پرکڑی کے کھوکھے میں گائیڈوں کو بکڑا کا تھا لڑکوں کو بکھیرنے کی چکی ہاں سے دیکھا اپنی ڈیڑوں نے

ڈیڑوں پر چکر کھوکھے کو آگ لگا دی تھی بے روزگاری سے تنگ آ کر اس نے بھی مری کی سلسلہ شروع کر دیا اور آج کل وہ علاقے کی پکڑی ہو کر رہا تھا۔ وہ دور سے مرد و زنان اس کی اذیت کا تہہ تھے جس لڑکی کی بچہ سے لے کر بڑی کی اور کھوکھا جلا گیا تھا۔ اہوں کا پھار مٹانے اس کے خاص مریہ میں شامیل تھا اہوں کی شہرت کا ٹھکانا دھوکہ بھلانے میں ہی مٹانے نے لہجوں کا ٹھکانا تھا ایک ایسی کے پہلے اور اب کے محلات دیکھ کر اس نے بھی پائینے کا فیصلہ کر لیا۔

☆☆☆☆☆

ننگ ہر رنگ کا گڈ کے چکر میں جینے جاتا، جب کوئی گستاخ اس کی سابقہ کارروائیوں کو منظر رکھتے ہوئے قلم طعن اور فحش کرتے کرتے کرتا تو اس کا ننگ جسم کڑا بھی نہیں کی کہ "جھٹل" کی طرح لال ہو کر پھولنے لگتا، آنکھیں جو پہلے ہی کھلنے کے چچ کی مانند تھیں لال ہو جاتا اور کاکے کس کی طرح ہوا تھیں۔ ڈیل دہلی کی مانند چہرہ سوچ جاتا، لہوت کی طرح منہ سے بھاگ بیٹھے تھے کھانے والی دہلی کھانے سے اسے گھورتا۔

لیکن جب کوئی حقیقت مند یا سندنہ دور سے تھی سالہ بڑے باپے کی طرح کھڑا ہو کر بھٹکا، ایک ہاتھ ماتھے پر اور دوسرا سینے پر پڑے آ اور آتے تھے ہی پاؤں کو یوں چٹ جاتا جیسے چہرہ پر دھار کو کھل کر زندہ انسان کو بھرت مجبور سے روزگاری انسان کو پولیس دشت نہ دینے والے طرم کو چھٹ جاتی تھے تو اس وقت شیدے کی رحمت فر فرمور دیکھنے کے قابل ہوا اس وقت سناپ کی طرح طرل کھاتے اور بائیں کیے کے ترے دہلی جھلکی کی طرح بے فکر اور سر سے صرف جھوٹی ٹان شامیل شوکت اور کسات رکھانے کے لئے یوں منہ موڑ لیتا، جیسے انکس کے بعد یا استخوان حوام سے، بڑے والدین سے آج کل کے بھئی کے اشاروں پر پڑتے والے لوگوں جہن، فریبوں سے دہلی رحمت، عریف جاتی سے عزت دھوکے سے سب بچھو دی انہی اہمیت جانی سے لئے کرتا۔ لہجائی کی بے احتیاجی پر ہری یوں ترچا جیسے لیے

کھلے ڈوم میں بغیر بکڑ سے مردوں کی سرخی، دہلی نلے سے عرب بکڑ میں کھنکھارے والے لگا دیکھنے لگتے تھے۔ آخر کار اپنی عمر بھر کوشش اور عقیدت سے مریہ نذرانے کی مد میں روپے خدمت میں پیش کر کے نظر اٹھاتا پائے شامیں کا سیلاب ہو جاتا۔ عاشق مزاج جو جوان بکڑ سے آئے تنگ جلاہج شیدے کو لگی پاؤں کا بار دھکی گیس میں سرسوں کے تل کی پاش کر کے عقیدہ عقیدت کرتے تھے بھی مانگے نذرانے کا لالچ سے گزر ساتے۔

مجبور کے قدم بھر فرماتے ہی کیے ہوئے آدمی طرح لہجائی کے پاؤں میں کر جاتے اور بکڑ بکڑ پر عرب درہم ڈالنے کے لئے بے روزگاری کی صورت میں تعینات لہجائی کے حضور پیش کرتے اور منزل پانے کے حقدار گرد لے جاتے۔

شیدے کی شہرت کو بدنام زمانہ لوگوں کے حلقے میں اس وقت شہرت کی جب اس کی بچہ سے ایک سریدہ کی چھوٹی کچھوڑ کو بکڑ کے ساتھ بھاگ گئی۔

دو دلوں کے لئے کی خیر آگ کے خصلوں کی مانند معاشرے کے جنگل میں تھکی لگ جی رہی اور جی منزل پانے کے لئے عارضی کا شرف حاصل کرنے لگے چورس کی جگہ برفت مردوں کے بھٹے کی بچہ سے کم پڑنے لگی ایک سریدہ کو یوں منزل کی کی لہجائی نے بدشامی پیش کر دیا ہانڈا کی کھرب نذرانے کے لئے عائد کے خلاف اس کا شورش کیا، جب وہ اس میں کامیاب ہو گیا تو شادیاں سے قتل جاتے والے سلا تان کر دانا شورش کر دیں اور بلا شورش سے قطع لے کر ہارنے آ شانا سے بغیر رحمت کے ان ہارے کے ٹھوڑی کر لی۔

اس کی کسات کے سلسلے میں لہجائی لگاؤں سے باہر دو کھل کر تو اس مریہ سے بطور نذرانہ پیش کیا جہاں لہجائی کا آستانہ جیکر کیا گیا پانی کا دلش دم بخلائے گئے ساتھ ہی غصے سے پانی کے لئے کھنکھارے لگے۔ مریہ کے پیچھے کے پھانسی پھنسی ہو گئے ہر رحمت کو کھٹے دھکا کر لوہان کی بے تحاشہ

وہی دی جاتی۔
پھر کسی عقیدت مندوں نے اس آگ میں
اگر تپاں ڈال کر اجل مٹا کر دیکھا دیکھی اس آگ
میں سدا گر تپاں جلائی جائے لگیں۔

سری کے موسم میں مرید کوٹنے لاکر دیکھانے
گئے، ان کوٹوں کی سیاہ خاک شیدا اور اس کے مرید پتوں
پہن کر اپنے کالے چہرے کو سیاہ کالا کرنے لگے۔ اس
عمر وہ لعل کو بھی بابائی کی کرامت قرار دیا گیا۔
جمرات اور اتوہر کو چننے کے لئے جوہلیاں
پھیلائی جاتے تھیں ساتھ ہی ان کو کفر سے نکلنے لگے۔
بابائی کی دعا سے گویں ہری ہوئے تھیں۔ اب
تو بیٹے لینے کے لئے خواہن و حضرات جمرات اور اتوہر
کو لینے آتے۔

جیسے دوٹ ڈالنے والے افراد لاتوں میں کڑے
ہوتے ہیں یا بل کی لٹا لٹکی کے لئے چٹک سے باہر لٹکا
گئی ہے۔
شعب، مٹھائی اور بابائی کی پیکوں پر دم ہونے لگا،
جمریہ فریاد مڑا نہ دیتا اس کی مٹھائی پر بابائی بڑا ت خود
چھوٹک مارے کر گردش ہونے پر خاص مرید کی بابائی کا
ہاتھ ملائے، چھوٹکیں مارے اور نہ مارا کھلا کر کے جمریہ
میں بچا گئے۔

دورات دولت کی ادویہ رہنے سے غلام نہ رہیں
کے بھی دان میں بدلے گئے جیسے جتن چھنے پر چٹکا سورج
کھا، یہ سیاست میں قدم رکھتے ہی لڑا کر کے دروخت کی
روٹی پوری کرنے والے کے گیتروں میں کھانوں، رتبے
گاڑیوں اور چٹکی ٹپس میں اضافہ ہوتا ہے۔
دوبے کی رہیں چلیں سے غلام نہ رہیں کے ساتھ
اس کا بھاکا ہوا غلامہ داپس آ گیا اس کا شہر گڑس کے
معز و جن میں ہونے لگا۔ شیدے کے علاوہ ان کی لولاہ
جنہیں کسی نسل کو ہادی رسائی رکھنے کے لئے شیدے
کے لئے اس کی خاص مریدی کا رشتہ ختب کیا گیا جو کسی
دور کے علاقے۔ آ کر برہمنی کے خاص مہمہ سے پناہ
ہوئی تھی۔

شیدے کے ساتھ اب وہ لڑا بھی آنے والے
مریدوں اور مریدوں کی سرلو میں برلاہ ہے۔
خدا۔ تلاش کر رہے ہیں شیدا بھگیا آپ کے قریب
دجوار کے گاؤں میں تو مڑو تھیں۔



تکشیہ ناگن

محسن عزیز طبع کوٹھال کا

کئی نوجوان سامنے کھڑے اپنی مستیوں میں مست تھے کہ اچانک
ایک طرف سے شعلہ آیا اور اس شعلے نے نوجوان کو اپنی لپیٹ
میں لے کر نوجوان کو خلیق ستر کر دیا اور پھر.....

محبت کے حنائی جب محب سے چھڑتا ہے پھر لڑل کا کام ملتا ہے کہلی بڑھ کر بھیس

چاند کی چودہ تاریخ تھی اور وہ دونوں
آکھنیاں کرتے سرعت سے جنگ کی حدود میں داخل
ہو رہے تھے آج وہ آکھیا تھا جن کا ان دونوں نے
کئی درخوں سے انتظار کیا تھا ان دونوں کی منزل جنگل
میں موجود بھولے تاجھ کا مندر تھا وہ بڑی تیزی سے
آگے بڑھ رہے تھے اور پھر آخر کار دونوں ملکر
پہنچے تھے وہ دونوں ریختے ہوئے مندر میں داخل
ہوئے اور ایک طرف ہو کر کالے پتھر کے پاس بیٹھ
گئے۔ اسی آدھی رات ہونے میں کچھ سے بڑا قفا۔
ان میں سے ایک نے اپنی کول کول آکھوں
سے دوسرے کی طرف دیکھا اس کی آکھوں میں خوشی کی
چمک واضح دکھائی دے رہی تھی۔ اور پھر وہ دونوں آپس
میں بیٹھ گئے۔
مندر کی محبت پر موجود روشن دان میں سے چاند

کی کرنس سیدمی ان دونوں کے شریروں پر پڑی تھیں اور وہ مست ہوئے جا رہے تھے اور بھروسے سے ان پہنچا جس کا انہوں نے کئی درشوں سے انتظار کیا تھا..... آج انہیں ان کی جیسا کا پھل ملنا تھا۔

وہ دونوں مختصر نعروں سے جو کہ ہمارا جی
طرف دیکھ رہے تھے اور پھر ہمارا نے ایک نکتہ جاننے کی
طرف دیکھا جو کہ اپنی تمام تر سندرات کا ساتھ آکاش
پر چمک رہا تھا۔ اور پھر جو کہ ہمارا نے پاس ہی ہوئی
جین افغانی اسے صاف کہہ کر اور ہمارے ساتھ جاسر کر دیا
جین کی دھڑلے سے پورے مندر میں گونجنے لگی۔ جین کا جتنا
حق کہ وہ دونوں ایک جگہ پر پہنچ کر کھڑے گئے وہ دن وہ دن
جین جیسے سے جیمز کی آدھی جی پیسے جی جین کی ہے تیر

اور پھر ایک کالے بقرے سے روشنی پھوٹنے لگی
اور وہ روشنی ایک لکیر کی صورت میں ان دونوں سانپوں
پر پڑنے لگی اور کوئی مددگار ان سانپوں نہیں تھے بلکہ شک
سانپ تھے جو کہ ایک چمک سے کسی بھی جاندار کا
انت کر سکتے تھے۔

ان دونوں سانچوں کے سوسال تپسیا کی کمی تب
جا کے انہیں سانچوں سے کوئی بھی روپ بدلنے کی حلقی
حاصل ہوئی تھی اب بہت جلدی سے میں انہیں ان کی
تہ کا میل طرہ جان تھا۔

جہی مہاراج مسلسل بین بجا رہے تھے، پھر
سے روشنی نکل نکل کر ان دلوں پر بڑھ چکی۔ پھر یکفیت
مندر میں موجود بولے تاجہ کے جسے میں جیسے جان
پر مکی۔ مہاراج نے بین بجاتی بند کر دی اور ہاتھوں کو جڑ
تک کھینچے ہوئے دلوں ساٹ بھی جسے کو کیج کر دکھ
گئے۔ پھر جس نے لانا پڑا دیا۔

”میں تمہاری پہلے سے خوش ہوا ہوں۔ آج سے میں تمہیں روپ بدلنے کی ہمتی دے کر تھوڑے سے پہلے میں تم دونوں کو کبھماتا جا چکا ہوں، اگر تم دونوں میں کسی نے انسان کے ساتھ میل ملاپ قائم کیا تو وہ انسان مر جائے گا، اگر تم اٹھنے کیلئے تیار ہو جاؤ تو

ممنش جان، جاؤ تو کہیں ہوگا۔“

پھر ان دونوں ساہنوں نے اپنے اپنے اپنے وطن کو دیکھ کر یہ سن کر اس طلبِ حاکم کو جب کچھ سمجھ گئے ہیں ہرگز پھر بخوبی سمجھ گئے تھے۔ نے اپنا چاہا ان دونوں کی ہر طرف اس تسخیرِ حاکم کا دھواں سا لگنے لگا تو وہیں سے بہت جلد جب وہاں قیام نہ تو وہاں ساہن نہیں بلکہ دو نسائی زوجہ سمیت کمرہ داروں کی گھورت۔

جہاں مہاراج نے ان دونوں کی طرف کپڑے پہنا چاہے جو کمران دونوں نے پہن لئے۔

”جاؤ خوش رہو میرا اس شیر بادشاہ کے ساتھ ہے“

اسی لمحہ

”مہمروں! آپ کے بہت اجماعی ہیں کس آپ نے ہمیں خنکایاں دان کیں بہت دھتے ہا۔ بھولے تاحہ کی ہے ہو۔“ اور پھر مجھ اپنی جگہ پھرتے پھرتا ہو گیا۔

”مہاراج ہارے لئے کیا آگیا ہے۔“

”بھگوش، کچھ نہ کر دوں وہاں سے رہا کی
کوئی اپنی ذات سے نقصان مت پہنچا کیونکہ تم ابھی
طرح جا رہے ہو کہ تم کتنے زہریلے ہو اب تم ٹھک
ہونے کے ساتھ ساتھ ابھی اصرار رکھ رہے ہو میری طرف
سے تم دونوں کے لئے ڈیڑھ ساری شہ کاٹا میں
اگر تمہیں کبھی میری اس سجاوٹی کی ضرورت ہو تو پہلے آ
میرے پاس۔ میں تمہیں اسی مسند میں لوں گا اب تم
دونوں جا سکتے ہو۔“

یہ کہتے ہی جو کہی ہمارا راج اپنے جاب میں مصروف ہو گئے اور وہ دونوں مندر سے باہر نکلتے چلے گئے۔

چلتے چلتے دو جگہ سے باہر آئے کہ ہونے والی کسی
دوکانی کھلے ہوئے تھے عربی سے بہت سی ہونٹیں عریض سے سن
دلوں نے پانی پیا اور ستانے کے لئے ایک جگہ لیٹ گئے
کچھ دیر میں نیند کی دیوہنی نے انھیں اپنی آغوش میں لے
لیا اور وہ نیند کی گہرائی میں ڈوبے چلے گئے۔

بھران کی نیند بچے بلکے شور سے کھلی تھی وہ دونوں
آنکھیں مسکے ہوئے اٹھ بیٹھے اپنے سامنے چہرہ سات
آدمیوں کو دیکھ کر ان کی توجہ جان ہی کھل گئی کیونکہ ابھی
وہ ان سب ہاتھوں کے عادی نہیں تھے اس لئے ڈرنا
غیر ہی تھا۔

”آپ لوگ کون ہیں اور میں اس طرح
گھور کر کیوں دیکھ رہی ہوں۔“ ناگ نے اٹکتے ہوئے کہا۔
”دروست ہم لوگ جہیں کچھ نہیں کہیں گے
اور تمہارے ساتھ یہ لڑکی کون ہے۔“

”نکلا ہے یہ لوٹو اس لوٹو کو کہیں سے
بھگا کر لایا ہے یہی بات ہے نا۔۔۔۔۔؟“

”نہیں..... نہیں یہ میری چٹی ہے اور میں اس کا پتی۔“ ناگ نے ان لوگوں کو دھواں دلا دیا۔

پر تو ان کی کندی نظر کرے تو جیسے نائن پر ہی انگ
چکی تھیں وہ کسی بھی صورت میں لڑکی کو اپنی ہوس کا نشانہ
بنا چاہتے تھے۔

آکھیں باقوتی ہونٹ اور اس کے شریر کے خلیب، دفرار
اور اس کے جسم پر مناسب سالباں انہیں پاگل کئے دے
رہا تھا۔۔۔۔۔ تاکن نے جب یہ محسوس کیا تو ڈر کر بانگ کے
پچھے ہوئی۔

”ارشد یحیوی کیسے ذریعہ ہے۔“

ان میں سے ایک آدمی نے کہا تو جانوں نے
ہنسا شروع کر دیا.....

”لو کے آکر تو اپنی سلامتی چاہتا ہے تو اس چمپیا کو ہمارے حوالے کر داور چلے جاؤ یہاں سے نہیں تو تیرا انجام بد ہوگا۔“

”دیکھئے ہماری آپ لوگوں سے کوئی دشمنی نہیں ہے ہم نے آپ لوگوں کا کیا بگاڑا ہے۔ ہم تو کچھ دیر کے لئے آرام کی غرض سے یہاں لیٹے تھے اگر آپ لوگوں کو برا لگے تو ہم یہاں سے مٹے جاتے ہیں۔“ ناگ نے ان لوگوں کو سمجھانے کی بہت کوشش کی مگر وہ تھے کچھ بھی نہیں رہے تھے۔

ناگ چاہتا تو ان لوگوں کو بل بھر میں جلا کر رکھ
 کر دیتا یا پھر انہیں ڈس لیتا مگر وہ جلد بازی نہیں
 کرتا چاہتا تھا۔

”لہذا ہے یہ لوگ ایسے نہیں ماٹھیں گے ان کا کچھ تو کرنا ہوگا۔“ ناگن نے ناگ کے کان میں سرگوشی کی۔

”ٹھیک ہے آپ لوگ ہم سے مقابلہ کریں.....؟“ ناگ نے ان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

کیوں سے پہلے موت کے منہ میں جانا
 چاہتا ہے۔ ابھی بھی سے چلا جا رہا ہے۔“

اگر انہیں اس بات کا ہوا تو وہ کب کے یہاں سے بھاگ چکے ہوتے۔

”ارے ایسے کیسے چلا جائے یہ.....“ اب کی بار ناگن نے آگے بڑھ کے کہا۔

”تم لوگوں میں اتنی حسرتی ہے تو مجھے
چھو کر دکھاؤ۔“ ناکن نے دو قدم آگے بڑھتے ہوئے کہا۔

اس کے کمال کو سمجھنے کی تھی۔

اور بدلے کی آگ اپنے سینے میں لے
راکشوں کا کائنات کرنے وہ مندر سے باہر نکل گئی۔
جس سے وہ مندر سے باہر نکلے جب ہر سو

اس لڑکی کے بے گھر کھانا پیٹ لیٹ میں رہے تھے۔
اور پھر ایک اس کے منہ سے آگ کا ایک بہت بڑا
گولہ نکلا اور اس نے پردے گھر کا پنے گھر سے

لے لیا۔
گھر سے بھاڑ بھاڑ کی آوازیں بلند ہو رہی تھیں
اور آہستہ آہستہ پستی والے جاگ رہے تھے اور بھاگ
بھاگ کر چلے گئے ہوئے کوہ پائے کی کوشش کر رہے تھے
مگر کئی دلوں کی ساری کوششیں بے کار ثابت ہو گئیں
سبھی لوگ چلے ہوئے گھر کو دیکھ رہے تھے کمرے
بجائیں گئے تھے پھر گھر کو دلوں سمیت مل کر کراہ
ہو چکا تھا۔ اب اپنی اپنی فاکس آوازیں کرا رہے
تھے کوئی کہتا کہ "ظفر" آئے ہوں گے تو چھو گھر
رہے تھے کہ انہوں نے ایک انہی عورت کو دیکھا تھا۔

"اگر وہ ہاں یہ قوراندہ میں نے اپنی آنکھوں
سے دیکھا ہے۔" یہ آواز رادھا کوئی کی جو کمرے قریب
ہوئے کی وجہ سے جلدی بھاگ کر آ گیا تھا۔

"مگر وہ عورت بھلا کیوں آگ لگائے گی۔"
ایک اور آواز زامری لوگ طرح طرح کی اور دیکھ رہے
تھے۔ پوری ہستی کے لوگ اس جگہ ہوئے
گھر کے پاس موجود تھے اور ان لوگوں میں وہ تھیں جن کی
شاخیں تھیں اور انہیں یہ سمجھ میں نہیں تھی کہ آگ
کس نے لگائی ہے۔

ناگن عقاب کے روپ میں ایک درخت کی
اونچی شاخ پر بیٹھ کر سب منظر دیکھ رہی تھی اب اس کی
نظر میں وہ تھیں بھی آگئے تھے، ان تینوں کی حالت
بہت غیر عادی تھی مگر وہ تینوں بھی ناگن کے
انتظام کا نشانہ بننے والے تھے۔ اور ہر عقاب کے منہ
سے بہت مہیاک چیخ بلند ہوئی اس کے بعد اس نے
ایک اڑان بھری اور وہ میرے میں کہیں گے ہو گیا۔

☆ ☆ ☆

ریش ان تینوں میں سے ایک تھا اور اپنی
دو اہلیں ان کے گھر والوں سمیت جلا کر رکھ
کر دیا تھا یعنی جو کہ اس نے بہت آسان تھا
اور پھر اگلے ہی لمحے ناگن کے منہ سے شعلہ نکل کر

کام پور ان کی گز رہا ہوتی تھی ریش سارواں کو آوارہ
گردی کرتا رات گئے گھر واپس لوٹا اور آئے ہی اپنی
ہاں اور ان کے منہ سے خطاب بن جاتا۔ وہ دونوں ماں
بیٹی اسے گھر سے نکلے کا کہیں چلا وہ ان دونوں کو مارنا
پیشا دونوں ماں بیٹی ریش سے ٹک آ چکی تھیں یہ ہر روز
کا معمول تھا۔

ناگن عقاب کے روپ میں یہ سب دیکھ چکی تھی
"ہر انسان برا بھی نہیں ہوتا اور ہر انسان اچھا بھی
نہیں ہوتا۔" ناگن نے دل میں سوچا۔ "پیدا ہوں ماں بیٹی
بھی میری طرح قتل ہو جائیں گی۔" ناگن کو کئی رات کا انتظار
تھا آج رات دوریش کی مرگ میں پہنچا دے گی۔

دن گزر گیا اور پھر رات کی سیاہی ہر طرف پھیل
گئی ریش رات گئے تھے رات گھر واپس لوٹا تھا
اور آئے ہی اپنی ماں پر گرج رہا تھا۔

"اگر تو سر کیوں نہیں جاتا ایسے بیٹے سے
تو میں بے وقار ہی اچھی گئی ہے بھلا کیا ایسا کر سکی
کمرے دینا۔" اس کی ماں رو رہی تھی۔

ریش نے آگے بڑھ کر ماں کا گلا دبوچ لیا۔
"مجھے ہے پتہ تو میں تیری ہتھیار کر دوں گا۔" ریش
کی بہن نے آگے بڑھ کر اپنی بیٹی پر ہاتھ پڑا دیا۔

"بھیا ماں کو پھڑو۔" مگر ریش کے ایک
دور واز پھرنے سے اسے ہوش کی دہانے پر لگا دیا تھا۔
"اگر کوئی بھڑو مجھے کوئی سہتا کر دے گی۔"

"میں کہتا ہوں اسے مجھے ہے۔" ریش نے
اپنی ماں کو دبوچے ہوئے کہا۔
"بھیس..... بھیس دوں گی۔"

"تو لپک رہے گھر کرنے کے لئے تیار ہو جا۔"
اور عقاب نے اڑنے ہوئے ریش پر چلا گیا،
جس سے ریش کے ہاتھ کی گرفت دھلی ہو گئی اور پھر
عقاب بچے آ بیٹھا اور اگلے ہی لمحے ناگن ریش کے
سامنے گئی۔

"بھیا..... تو میری سوچ سے بھی زیادہ
گھٹیا ہے۔" ریش کا قہقارہ لگنے لگا کہ یہ انسان کیسے کئے گئے

اسلم نامی بھائی کی تحریر کردہ بہترین کتابیں
جلال الدین اکبر
چاندنی بی
قور الدین جہانگیر
قور جہاں
شاہ جہاں
اورنگ زیب عالمگیر
بہادر شاہ ظفر
سلطان حیدر علی
شیخ سلطان
احمد شاہ ابدالی
سکندر اعظم
قلو بطورہ
چنگیز خان
ہلاکو خان
جہان آف فراتے
چینگین بونا یاٹ
ایڈولف ظفر
حمورابی
سائرس اعظم
لٹنی ہال

قیمت فی کتاب - 40 روپے

Ph:32773302

شیخ عیسیٰ احمدی صاحب مدظلہ العالی



وہ ایک پل

محمد شعیب - فیصل آباد

وہ عجیب الخلق لڑکی نما مخلوق تھی لمبے لمبے بال جو کمر تک اُھرا رہے تھے آنکھوں میں شعلے لپک رہے تھے اس کا پورا وجود روشنی میں نہایا لگ رہا تھا اور پھر اچانک.....

ایک پل نے تو جو اس کی زندگی کو بدل کر رکھا دیا..... ایک سق..... آسمان..... کہاں

وہ شام میرے لیے کافی غاص تھی کینکے عرصے بعد دوستوں کا ساتھ نصیب ہوا تھا۔ لی ڈی بلاؤنگ میں بیٹھے ہوئے خوب کپ بانک رہے تھے۔ اُلم، چاہیہ و تھانور قہر سے میرے کمرے کے آگے تھے۔ ”یار ڈیٹا وائل تو نے کافی ترتی کر لی ہے رانینگ میں۔“ برجستہ دھاک دھاک تھا۔ میں چونکا کینکے ایک بات اسکول کے بچوں کی ہو رہی تھی اور وہ دم

ہوتے۔ ”ناگن کو یوں اچانک ایسے سامنے دیکھ کر پیش کے پیٹے پھوٹ گئے تھے۔ اچانک اچانک نظر آ رہا تھا۔ ”قزانی ہاں کو بندر چاہتا تھا..... مگر مرنا تو چاہیے ہے آج۔“ اور پھر ناگن کے منہ سے شعلے نکلنے لگے جو کہ پیش کا پٹی لپیٹ میں لے رہے تھے کچھ ہی سے بعد پیش کی نئی ہوئی لاش پڑی تھی۔ پیش کی ماں رو رہی تھی اس کی بہن کو بھی ہوش آ گیا تھا..... دونوں سوالیہ نظروں سے اسے دیکھ رہی تھیں پھر ناگن نے شروع سے لے کر اب تک کی ساری کہانی انہیں سنا دی وہ بھی کچھ گئی تھیں۔ ”ہائی اب دورہ کئے ہیں۔“ ناگن جلد از جلد ان دونوں کا بھی فاتر کر دینا چاہتی تھی ناگن سوچ رہی تھی بھی پیش کی لاش کو ناگن نے پل بھر میں غائب کر دیا تھا اور یوں اس راز کشی کے وجود سے یہ مرنے والی ہونے لگی۔

وہ دونوں سد میرا دور ہے ہیں بہت ہی کہیں ہیں دونوں لڑکیوں کو تو اپنے ہاتھ کاٹھلو کہتے ہیں سد میرا تو ہے ہی اکیلا جبکہ دوسرے کے مانا پتا کا پھیلے برس دیہات ہو گیا تھا مطلب ان کا کوئی آگے چپے نہیں ہے۔ ”پیش کی بہن نے اسے سب بتایا تھا۔“ ”ان سے پورا کاؤں تک ہے۔“ ”وہ دونوں اس سے کہاں ہوں گے۔“ ناگن نے اس سے پوچھا۔

”پہلے تو یہ سب ایسے ہو کر ہو گئے ہیں کے نیچے وہ پڑے تھے جن میں سے کسی کو مر چکے ہیں۔“ ”ہاں ہاں لے کہا۔“ ”ہو سکتا ہے سد میرا دور ہے چاہ وہاں نہ جاتے اور۔“ پیش کی بہن نے کہا۔

”میں جی آئے ہیں پچھتوں ہوں اور پھر ناگن نے اچانک انھیں بند کر دیں اور پھر ہاں سے رابطہ ہو گیا۔“ ”نہ اسے بتایا کہ وہ دونوں اپنے دوستوں کی موت سے ڈر رہیں اور اس سے وہ دونوں اٹھنے ہیں سد میرا

وہ سہ کر رہیں رہے۔“



بہر حال میں اسے برے لوٹ آیا تھا۔ بار
 وہاں لڑنے کے لیے چھ ہفتہ تو دشمن ہو چکے تھے۔ ایک بار
 پھر میری کمر عجب کی۔ یہ لوگ ان دانی ناف ہو چکا تھا۔
 "کون ہے؟" میں بیجا اور کافی دیر تک انجان
 وجود کو کھانا بنا رہا۔ جو میرے ساتھ چھوٹی کیل رہا تھا۔
 "دیکھو میں جاتا ہوں کہ یہاں کوئی ہے۔ جو
 بھی ہے میرے سامنے آئے۔" مجھے کمرے میں سو جورو
 پرے ٹھیک نظر آ رہی تھی۔ آئینوں ایک ایک کے
 گھوڑی جس گروہ جو میرے سامنے آئے سے قاصر
 رہا تھا۔ بھی میں نے اپنے عقب میں ایک بار بھر
 قدموں کی چاپ کی۔ میں بڑی رفتاری سے باہر آیا۔ وہ
 آواز اب نہیں سے آ رہی تھی۔ میں جانتا تھا وہ میری
 طرف آیا تھا۔ وہاں بھی ہر طرف اندھیرا تھا کمراس
 اندھیرے میں ایک جھلک نظر آ رہی تھی۔ وہ وجود تھا
 پھر مجھ کو؟ میں رونق سے نہیں کہہ سکتا تھا۔
 "کون ہے وہاں؟" میں چلایا۔ وہ آگے دو ہوتا
 وجود اب رک گیا تھا۔ میرے قدم کی دھڑکیاں
 "کون ہے؟" اصرار دیکھو۔ میں نے خست
 آواز میں کہا تھا۔ کافی دیر تک وقت بیکار اور بھروسہ
 وجود میرے سے چلا۔ میری کان میں اس کا چہرہ دیکھنے
 کے لیے تب تک۔ میں اب ڈرنا سا آگے بڑھا
 تھا۔ وہ دو جیسے ہی پانا میرے ہوش اڑ گئے۔
 مفید وجود ہر خون کے نشانات اندھیرے میں
 مایاں تھے۔ ڈر میں اندھیرے میں کسی گہری کھالی کی
 مانند دیکھا۔ دے رہے تھے۔ میں بری طرزاں چلا رہا
 پیچھے کی جانب اچھل دیا۔
 "کون کون ہو؟" میری زبان بھلائی تھی اور
 میں تب تک اب کی جانب دیکھ رہا تھا۔ وہ آئینوں
 چالائی ہوئی ایک لڑکی نہا دیکھا۔ دے رہی تھی۔ لیے
 لیے اچھے ہوئے بال جو کرکب بڑھتے چلے جا رہے
 تھے۔ انتہائی حد تک خوشگام۔ مجھے وہ اب میری طرف
 بڑھتے جا رہی تھی۔ میری تو سانس اٹھنے لگی تھی۔ میں
 کسی بچے کی طرح زمین پر گرتے ہوئے پیچھے کی جانب



قوس قزح

قارئین کے لیے مجھے پسندیدہ اشعار

یہ دنیا ہے یہاں ہے تلاش ہو بھی سکتا ہے
 ابھی جو تم ہمارا ہے تمہارا ہو بھی سکتا ہے
 یہ نہ سمجھو کہ تم ہی میری آخری مہبت ہو
 مہبت جرم ہے تو کیا دوبارہ ہو بھی سکتا ہے
 (شان ملک۔ ٹیڈ ڈام)

بھی یاد آئیں تو پچھتاؤ اپنی غلطی شام سے
 کر مٹش تھا میری ذلت کے پکارنا میرے نام سے
 ذرا یاد کر کہ وہ کون تھا جو بھی تجھے بھی عزیز تھا
 وہ جوئی تھا میرے نام سے وہ جو مرنا میرے نام سے
 (شریف الدین جیلانی۔ ٹیڈ ڈام)

رات بحرلم کے منظر پر چڑا رہا ہوں
 بھر دیتا ہے جب بھی تیرا، اذان شام کے بعد
 تو ہے سورج تجھے معلوم کہاں رات کا دکھ
 تو کسی روز میرے گھر میں اتر شام کے بعد
 (جادو باگی۔ گرائیڈ)
 وہ جو میرے نام کی تسلیں کھاتا کرتے تھے
 وہ جو چل کر میرے پاس آیا کرتے تھے
 اب وہ کہتے ہیں کہ بھول جاؤ ہمیں
 ہم تو فقط تمہارا دل بھلا کر تھے تھے
 (صابر علی۔ گورنور)

کسی کی مٹاؤں نے یہ دن دکھائے ہیں
 میرے اپنے بھی ہیں بھر سے پائے ہیں
 کھل کے بڑھتا نہیں آج یوں بھی اب
 ہم زمانے کے باتوں سے ستائے ہیں
 (عواملہ جادو۔ فیصل آباد)
 ہر محفل رونے کی ہر دل رونے کا
 ڈوبی جو میری مٹش تو سائل بھی رونے کا

اتنا پیار کبھی دین گے زمانے میں کہ
 میری موت میرا تو کیا قاتل بھی رونے کا
 (محمد سعید یونس۔ راجن پور)

کاٹ ل جاؤں مجھے بھی کبھی لوگ ایسے
 جو نہ انہوں کا نہ فیروز کا برا سوچے ہیں
 میری اس شہر میں تہذیب رہا ہے جہاں
 لوگ سمجھوں میں بھی اردوں کا برا سوچتے ہیں
 (سکندر علی۔ پٹنہ)

وہ بھی کبھی اس کا کبھی اس کا کبھی میرا ہوا
 حسن برباد کر لیا اس نے بہت کی تجاربت کرتے کرتے
 (محمد انیل۔ راولپنڈی)

اتنا آسان نہیں شہر مہبت کا پتا صحن
 خود بچتے ہیں یہاں مار تانے والے
 (محمد عزیز علی۔ کٹھن کلاں)

اسے پانا آتا تھا اسی کے گھر میں رہتا
 بھی گھر مٹش ہے صحن تو ہم تھا اچھے
 (محمد علی احمد۔ کٹھن کلاں)

نجانے کس دروں کو روا وضو رہا ہوں
 آج بھی اس زمانے میں وہ وضو رہا ہوں
 یہاں تو انسانوں میں ہی انسان نہیں لگتے
 پاؤں ہوں، پھروں میں خدا وضو رہا ہوں
 (محمد خالد عباس۔ پٹنہ صاحب)

میری کانوں میں دیکھ کر کہہ دے کہ میرے قاتل نہیں
 قسم ہے میری پانی سسوں کی تم میری پانی پھوڑ دینے کے
 (غفر حیات۔ راولپنڈی)

زنگی زنگار
 = مچھلی بہار
 آؤ اس میں بیٹھ چلیں
 = غنڈی سایہ دار
 (محمد ابراہیم۔ افسانہ)

عرس میرے چلا پھر بھی وہ اپنا نہ بنا
 نہ جانے وہ کون کی بات تھی جو میرے دے دے گئے
 (مہتابا رسیب۔ راولپنڈی)



جرح نہ ہو تو میں ڈرنا نہیں
تو.....
یہ دنیا بہت بے درگاہی ہوئی
گمراہی کا لالہ راستہ تو ہوئی
گھر.....

آج بھی چاہیں تو انسان سنبھل سکتے ہیں
ہاں ابھی دقت ہے حالات بدل سکتے ہیں
حشر کچھ بھی ہو بلا سے کسی پرست کا
ہاں وہ انہم کہیں دنگار بدل سکتے ہیں
جس نے عہدِ سرست کئے لاکھوں چہرے
اس کے لمحاتِ طرب آج میں وصل سکتے ہیں
انفکات کی سرگم جو بلبلائی ہیں آج
ایک دن دستِ صاف بھی وہ مل سکتے ہیں
موت کے نام سے گھبرا کے لرزے والوں
موت سے ذلیت کے پہلو بھی لکل سکتے ہیں
گردشِ ظلم و سحر نے جنہیں پناہ مل گیا
دراں درج و اہم میں بھی وہ مل سکتے ہیں
جن کو طوفانِ حوادث نے کیا کل جلا
وہ دیکھتے جذبِ افلاس سے جل سکتے ہیں
(محمد رفیع شاکر، اکرادہار، گجراتی..... کراچی)

سلسلہ ٹوٹ جاتا ہے بہادری کا
کس نے مقام چمکا ہے تباہوں کا
حاصل دیکھ نہیں آج کل کے پار بھی
وہ پہلے سا بلوہ نہ تھا تھاروں کا
یادوں کے سطر میں ہمیشہ سے تھا تھا
بیگلوں سے پہچ لیتا ہوں دستِ رگدروں کا
ہاتھ لگا کے بھی لوگ چھوڑ جاتے ہیں یہاں
زندگی دست ہے بحر سے غارِ زندوں کا
بے رخی سے تیری ہے رخ لے ہیں ہم کو
وہ پہلے سا جذبہ بھی رہا اب سہاروں کا
قسمت میں اپنی جگہ آسو آج ہیں جلاہ
موسم بدل گیا ہے آج بحر سے شراروں کا
(محمد اسلم جالویہ..... لکھنؤ، اتر پردیش)

آج تیرے وہ سکون تھے شاعر
بے تھک کر لکھے بے یقینی کی ہوئی
جرح نہ ہو تو میں ڈرنا نہیں
تو.....
یہ دنیا بے درگاہی ہوئی
گمراہی کا لالہ راستہ تو ہوئی
گھر.....

یہ دنیا بہت بے درگاہی ہوئی.....!!
(شاعر: اکرادہار، گجراتی)

تم سے محبت تھی تو افلاک بھی ہمارے ساتھی تھے
تم نے کیا دیر مزلو، افلاک ہی تم سے روٹ گئے
اے بے وفا اتنا تو بنا کہ محبت جرم ہے کیا؟
اگر محبت جرم ہے تو پھر اس کی سزا ہے کیا؟

تجارتی کیوں کہیں گے لڑا کے لیب میں
تیری محبت تیرا ساتھ نہ نکلا کیا؟
تیرے ساتھ نے مجھ کو دلوں پہ دان کرنا سکھا دیا
تیری جدائی نے ہی لڑا کو سب کچھ بھلا دیا
(شاعر: اکرادہار، گجراتی..... لاہور)

کیا مانگوں نہیں مجھ کو بے امداد طلب یاد
تر اس کی محبت کے سستی مجھ کو کبھی سب یاد
جب ہم کھلی دیکھا ہوں گلشن میں گل میں
میں مہربان کے مجھے آجاتے ہیں لب یاد
وہ فلاں اور مٹوہ کی تہہ چہرے پہ اس کے
بھولا نہ اے پیار میں سالانِ حرب یاد
عدت سے غم سے نہیں اپنا تعارف
اس دل کو تو اب تک ہے رونے کا ڈھب یاد
جس آنکھ میں غیروں کا کوئی تاج گل ہو
اے نام نہیں اس کو بھلا کرتے ہیں کب یاد
ہم کاش کہ شاکر نے تجھے ڈیکھا ہی نہ یاد
کچھ دیر تو کر لیتا اگ پیٹھ کے رب یاد
(محمد رفیع شاکر..... مظاہر، صاحب)

میں آپ سے دور ہوں
اس کی بھی کوئی وجہ ہے
آپ کی نظر میں مٹوہ ہوں
اس کی بھی کوئی وجہ ہے
دار تو صرف خود سے لگا ہے
کیونکہ میں ایک لڑکی ہوں
اس کی بھی ایک وجہ ہے
میں اپنے والدین کی عزت ہوں
اور بہت لاڈلوں سے بٹی ہوں
اس کی بھی ایک وجہ ہے
احترام میں ان کا بہت کرتی ہوں
کیونکہ پیدائش کا یہ ان نے مجھ کو دیا
اور پالا ہے باپ نے بہت گرم سرد سہ کر
میرے لئے اپنی زندگی وقف کر دی تھی

انہوں نے جنہیں میں ماں باپ کہتی ہوں
اس کی بھی کوئی وجہ ہے.....!
حیا کا دامن تھامے رکھنا چاہتی ہوں
میں ماں باپ کا سر سفر سے بلند کرنا چاہتی ہوں
اس کی بھی کوئی وجہ ہے.....!
ایک انسان سادہ سی ہوں
اور آسان زندگی جینا چاہتی ہوں.....
اس کی بھی کوئی وجہ ہے.....!
میں زندگی میں آزادی چاہتی ہوں
پہ حدود میں وہ کر اڑا بھی چاہتی ہوں
اس کی بھی کوئی وجہ ہے.....!
میں رشتی ہوں، سستی ہوں
مگر دنیا کی ہر بات سمجھتی ہوں
میں کچھ چپ چاپ سستی ہوں
اور کسی سے کچھ نہ کہتی ہوں
اس کی بھی کوئی وجہ ہے.....!
اس کی بھی کوئی وجہ ہے.....!
(لاکھنؤ، اکرادہار، گجراتی..... لاہور)

نظرِ نظر میں اسی انتظار کی دت ہے
خواب میں آرزوئے وصل چاہتی ہے تو
جہاں کے رات بھر آسو سحر کو نگے سر
میں جاتا ہوں کسے روزِ تاب کی سر
میں سوچتا ہوں میرے من سے بھول کھل جائیں
مگر یہ خوابِ حقیقت میں وصل نہیں سکتے
اگرچہ تیرے چہرے فوٹوں کی ٹوئین
بے ہجر و دیاں کے پتھر پھیل نہیں سکتے
کہاں سے دھڑپ سے لاکھ تیرے دکھوں کا علاج
تیرے فوٹوں کی دوا میری دھڑکن میں نہیں
یہ بات ہی میں سے میرے صدمہ دیتا ہوں
مگر بہار کا موسم کسی کے لبں میں نہیں
چلک نہ جاسے دنیا دل تو بے قرار نہ ہو

تو سبکی شام ہے اتنا بھی سو گوار نہ ہو
کسی ستون کے سینے سے لگ کے جا سوجا
بہار آئے گی جب میں تجھے جادوں کا
(چوہدری فخر جہاں علی پوری.....مستان)

میں جہاں گرم سڑقا وہ کوئی صحرانہ تھا
راہ میں میری ہزاروں بیڑ تھے سایہ نہ تھا
کیا تائے گا کوئی تغیر ایسے خواب کی
خواب دیکھا جو دیکھا تھا میں نے خواب وہ پورا نہ تھا
سوج کا محراب رہی ہے جب سے دیکھا تھا اسے
حرکتیں نہیں سی تھیں حالانکہ وہ پڑھانہ تھا
میں کہ مریوں کا تھا پیاسا اور پیاسا ہی رہا
ہوں تو وہ برسا تھا لیکن ٹوٹ کر برسا نہ تھا
وہ رہا تھا مشکیں جو میرے در و دیوار ہے
ایک دن بھی آگے جو میرے گھر میں ٹھہرا نہ تھا
کون ہوگا سبک دل ایسا دیکھ اسی شہر میں
ساتھ میرے غمی میری لاش گھر میں رہا نہ تھا
(انتخاب: عبدالجبار پوری انصاری.....صحر)

راہ دلتا کی سلیب پر وہ قدم اٹھانے کا شکر ہے
بڑا پر غمک ہے میرے راست تیرے ٹوٹ آئے گا شکر ہے
چراغوں میں تیرے حجر میں چٹنیاں پڑھ گئی ہے زندگی
مغفل میں ان کو دیکھ کر تیرا کسرانے کا شکر ہے
تیری یاد اس کی کہ میں جس میرے شہر گم میں وصل کی
یہ کمال تھا تیری یاد کا مجھے یاد آئے گا شکر ہے
جو زمانہ بھر کا تھا اصول وہ اصول تو نے بھادیا
یہ رسم غم کے سی مقبرے مجھے بھول جانے کا شکر ہے
(راہنما: انتخاب.....درد و غم: خورشاب)

مجھے دل میں چھوڑنا سا ممکن نہ دے
اس دنیا میں چھپنے کا بھانہ دے
دنیا میں موت کو سکر کی گے امر ہم
اک بار ہمیں دل میں جو ممکن نہ دے

میں سمجھتا تھا تم سے کچھ پیار کے بدلے
بس ایک لمحہ محبت کا سہارا دے
ہم تیرے نام کی کیا کریں گے تعلق
اس زبان کو نام کا جو ترانہ دے
سنبھال کے رکھیں گے تجھے اپنے دل میں
ہاتھ اگر اپنا ہمیں جاباں دے
میں کے دکھائیں گے ہم عشق میں مجھوں
ایک بار ہمیں جو نام دیانہ دے
(خرم خاندان: صاحب)

ہم بچیوں کی بچم کی بچ رہا ہوں
میں نے جسے بچوں کا ہر گھوگرانی خاموش زبان ہوتی ہے
میں کا کچھ کی وہ گزرا ہوں جسے تم نے اگر
قلم کے پھوڑا تو ٹوٹ کے گھر جادوں کی
برگہ قبول ہے مجھے ہر گھو قبول ہے تیرا
مجھے کہنے کا بھرے محبوب مکمل حق ہے تیرا
ہمارے پیار میں انسان بھول جاتا ہے ہر ایک بات کو
میں تو تجھ کو بھولا ہوں نہ تیری ذات کو
ایک تو ہے جو کتنی ہے میرا تجھ سے کوئی تھک نہ رہش
ایک میں ہوں جسے تیرے سرا کوئی نہیں ہے دکھا
کسی ہزاروں میں بھی تمہارا ہوتے ہیں
کسی اکیلے میں بھی تمہارا ہوتے ہیں
پاگل، دیوانے، آوارہ، یہ دنیا جن کو کتنی ہے
دراصل آخرین وہ پیار کا شکار ہوتے ہیں
(شاعر: دراجیہ فرین.....لاہور)

سنبھال
جدا کی موت ہوتی ہے
کسی فرست کے لئے دیکھا ہوں کا گرجتم
کہ جب وہ شام سے گرد زمین پر آن پڑتے ہیں
تو قیامت رونے جاتے ہیں
کسی فرست کے گھو میں، اسی لڑکی کی بچکیاں مٹا
کسی تم مجھ سے مجھ سے بچنے پر غم کو دکھانا
تو مجھ کو وہاں جاتو

جدا کی موت ہوتی ہے
سنبھال
ابھی تم نے موت کے در سے بچنے کو نہیں دیکھے
ابھی تم نکلیاں کے دنگ مٹی میں چپا تے ہو
ابھی تم سکرنا تے ہو
سنبھال
کبھی جب زندگی نے ایشی ویرانہاں پر
تمہارے قدم دھوئیں سے تھکائی یہ کسی
تو مجھ کو آکھو جاؤ گے
تمہارا تپاں جاؤ گے
جدا کی موت ہوتی ہے

(خرم خاندان: درد و غم: خورشاب)
دو گ ایسے ایسے غم پیار سے لگ جاتے ہیں
دو سے آتے ہیں دیوار سے لگ جاتے ہیں
عشق آواز میں جلی سی عشق رنگہ ہے
بہر میں سیکڑوں آواز سے لگ جاتے ہیں
پہلے پہلے ہوں اک آدھ دکان کھولتی ہے
پھر تو بازار کے بازار سے لگ جاتے ہیں
یہ کسی بھی کسی قربت کا سبب بنتی ہے
دو نہ پائیں تو گئے پیار سے لگ جاتے ہیں
کونیں غم کی جو گھنٹیں میں اڑی بھرنی ہیں
گھر میں سے آؤ تو اہل سے لگ جاتے ہیں
دراصل دھن کے ہوں کہ چرچے کے شہزاد
کچھ نشان غم کی رفتار سے لگ جاتے ہیں
(انتخاب: ذاکر زمانہ عامر شہزاد.....کنا صاحب)

مجھے صاف کہ میرے ہم سفر
تجھے جاتا میری بھول گئی
کسی رات بھی کسی جوتھ بھی
تجھے دیکھا میری بھول گئی
کوئی غم ہو گا غم
کسی رات ہو گا رات
دو گ کی وہاں جاتو

تجھے اویڑا میری بھول گئی
میرے غم کی کوئی رات نہیں
مجھے تجھ سے کوئی گھٹن
میرا کوئی تیرے راتیں
یہ سوچتا میری بھول گئی

(خمر حیات: خورشاب)
ہاں دل کے مضامین، جلیاں، میاں رہنے دو
میں سے رات کی خواہش مجھے ہے رات رہنے دو
نہ بچھا آسماں تک جو سبھی وہ تالہ دل ہوں
مرا نکلوں سے کیا رشتہ مجھے فریاد رہنے دو
مجھے انسانیت کی قبر پر آکھو بھانے میں
اصول و مذہب و قانون سے آزاد رہنے دو
میں سے میرا کب اس کو ہے درد کی سے مت لٹاؤ
مرے ٹوٹے ہوئے دل میں کسی کی یاد رہنے دو
نئی تہذیب کے چادر گھرو میرے مسیحاؤ
مہارگ تم کو آبادی، مجھے بہار رہنے دو
اتیار اور وہ زباں کے شاعروں میں سے دھڑے بندی
مجھیں موقوف کرنا بھی، میرا آباد رہنے دو
(نکس: امتیاز احمد کراچی)

بہتر کرب پہ جب نیند چلائی میں نے
تجھے کس خواب کی بنیاد اٹھائی میں نے
رہم اپنی سے کسے ہر شخص کے آگے رکھے
ہات اپنی کسی کو خود سے بھی چھپائی میں نے
حرمت غم کے لئے خود کو اذیت پہنچی
پھر اسی درد سے تسکین بھی پائی میں نے
میں نے رخصتوں کو گریبا اٹھیں تازہ دکھا
تجھے کس رشت میں کی نفور مرا لی میں نے
اپنی ٹھوکی سے دیکھی خود کو پکارا کل شب
اور پھر خود کو وہ آواز سنائی میں نے
جانے والے سے دگ جان کا بھی رشتہ تھا میر
یہ مجھے میں بہت دہ لگائی میں نے
(خزفہ: اللہ جیلانی سکھو والہ پور)

☆ ☆ ☆

اچانک خوبرو حسینہ کی آواز سنائی دی، صدیوں پہلے جب انسان نے جنگل سے نکل کر بستیاں بنانی شروع کیں اور مصر کے حکمرانوں نے اہرام بنائے تو دیوتا زمین پر آنا کم کر دیئے اور پھر.....

دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر ایک ماورائی مخلوق کی لڑزہ براغدا م کرتی شاہکار کہانی



سر ہادیہ

۵۰ سال کی عمر کی وہ دوسرے ملک گئے زمین پر بیٹھا تھا جسے نہیں کیوں آج اسے اپنی سرخس میں باپ پر یاد آ رہی تھی مہلاک سے اپنی میں سے زرا بھی محبت نہ گئی وہ چھوڑا تھا جب سے اس کے دلچسپی ایک کارآمد سے میں ہلاک ہو گئے پھر میں نے ہی اس کی پردہ کی اس کی میں پر بھی کسی نہ تھی لیکن بے حد خوب صورت تھی وہ جانتی تو دوسری شاہی کرکشی میں لیکن اس نے اپنے کلو سے بیٹے کی محبت میں دوسری شاہی تنکی اور ایک بار ڈاکٹر بنا گول کر لیا اس کا اپنی میں سے اکثر اس بات پر بخیر اہو جاتا تھا کہ وہ اس پر میں کیوں ملازمت کرنی ہے جہاں غلطی سوچ کے جاں انسان آتے ہیں اس کے اس سوال پر میں چپ ہو جاتی وہ چھوڑا تھا اس لئے اس وقت یہ بات نہ سمجھ پایا تھا لیکن بڑا ہونے پر اسے میں کی بھوری کی سمجھ آ گئی اس کے منہ پر اس کی کہیں اس کا شاہانہ جب خرق کلیت کا گرایے اور زندگی گزارنے کا سامان ایک کمر پر بھی کسی صورت کے لئے صرف ہادی کی ملازمت سے ہی آسکا تھا۔

جوں جوں وہ بڑا ہوتا گیا اسے حالات کی نزاکت کا اندازہ ہونے لگا تھا ہلاک سے میں سے دوسرے کیا کہ جب وہ کرکشی میں کل لے گا تو وہ دوسری چھوڑ دے گی اس کی میں بات پر میں نے اسے محبت پاش نگاہوں سے دیکھا اور

وہ جلدی سے گھر کے میں کو سنبھالنے لگا میں سر پر میری طرف سے محبت کی تھا ہوا میں سے خون ہادی میں کے ہا پر آ کر ہادی میں اکوڑی اکوڑی سانس لے رہی تھی اس نے میں کا سر اٹھایا اور اپنی گود میں رکھ لیا میں نے اپنے کانپتے ہاتھ سے اپنے گنگے سے سر رانگہ کا لاک اتار کے اس کے ہاتھ میں ہاتھ اور ہر وقت پسینہ پانی تھی۔

”بیٹا اسے دکھاؤ جب تم ہی کسی محبت میں تھا سو کے تو سانس تھام کر دیکھو کہ وہ آئے.....“ میں نے

بیابانوں میں کھانا پھر کر دے۔
”م... م... محرم ہے سب کیسے جانتے ہو؟“
مدرس نے حیران ہوا کر کہا۔
”اُسے چھوڑ دو اس سے بھی زیادہ جاننا ہوں۔“
”دعوتِ انارک اور دیویں کی عمریں بہت طویل ہوتی
ہیں یہ ہزاروں سال بیتے ہیں شروع شروع میں جب
انسان زمین پر پہلاڑن سے نکل کر کھیتی باڑی کرنے لگے

[illegible]

کردی بیٹے دیکھ کر دینا جبرداشت ہو گئے اور انہوں نے زمین چراغ پھول چڑھا کر ایک طویل عرصہ گزر کیا انسان مذہب ہو گیا اور اس طرح لائق خدا کا حکم ہو گیا اور پھر یہ لوگ اُن نے آہستہ آہستہ زمین پر آشوب کر دیا کیونکہ انہوں نے اب بھی زمین پر نہیں آئے تھے چرما کی تہاں ہی زمین پر نہی تو اس نے دیکھا ایک لوجون پھر دن کا کرتا ہے اور جو پتے سے ہیں وہ ان سب کا غریب کو کھانا کھلا دیتا ہے یہ کہ تہاں ہی ان کو وہ لوجون سب سے اچھا سمجھا

اور وہ اس سے محبت کرنے لگی، اس کا ایک عالمی کی صورت بننے لگی اور پھر وہ جہاں کی بہتری کی خاطر اس سے محبت کرنے لگا اس بات کا جب زہن کو علم ہوا تو بہت غصہ ہوا تاکہ وہ اس کے طے کر سکا کہ اس کی خوش کنی کو روک دے تاکہ وہ اس کا جہاں نہیں چھوڑتا اور اس کے طے کرنا اور اس سے سب سے زیادہ چھوڑتا نہیں چھوڑتا جب اس کی ایک جہاں توڑ دی تو اس نے اپنے چندی جہاں کھینچ کر اچھا بنالیا۔

”اگر تم ملتان کے بیٹے نہیں ہو تو میں نے ابھی اور
ای وقت تمہارا سر چھو دینا تھا اپنے ہاتھوں سے۔“ ٹائیس
نے کہا پھر ہم دم اسے چھو دیا مگر ذرا زخم پر گر گیا
اور ہری طرح سے کھائے لگا اس چارہ سانس رکنے کی وجہ
سے سرخ ہو چکا تھا ٹائیس اسے چھو کے باہر نکلا اور اس کی
کڑی کی سیٹلائس برابر کے ایلی ٹکڑی میں چلا گیا اور باقی

کے بارے میں سوچتا اگر میرے پرہوتے۔" مائیس نے
ہات کے آخر میں حسرت سے کہا۔ اور خاموش ہو گیا جبکہ
مڈکس اس کی تمام باتوں پر غور کرنے لگا۔

Der Diebst 23

ظور پانچاچی مل کے بارے میں ہے چلتا کہ کیوں جب وہ
چھوڑ تھا اس وقت لوہاں کے جوان ہونے تک اس کی مل
دیکھی کہ کسی اور جیسے جسے مل کی اوپر بات کر لوگ ان
سے کہتے تھے خود بارگش کے دوست بھی اس سے کہتے تھے
کہ یہ نہری کی مل نہ تو کم نہ تھی گشت گشت کی مل کی مسکرا کے
صرف اتنا ہی کہتی دیکھنے میں ٹھیک ہوں مرگاب و دودھ میں
کلی جیسں طالت میں ہی جیسں شایہ وہ پلانڈر تھیلہ
کیلئے کہتے تھے جبریل جو کسی تھا اس سے جرم کی قید
ہے بے چونک تھا کہ کسی طرف سے ہے یہاں سے
ٹھکے کے طرف سے وہیڑا رہتا تھا اس ٹھیلے میں نے
ٹائیرس سے بات کی۔

”میں اس جہنم میں سے نکلتا جاؤں گا۔“
 ”اس جنت کو جہنم کہہ کر اس کی توہین مت کر
 لو گے۔“ ناپرسر نے سر کاٹے کہا۔
 ”جنت؟ یہ تہہ کے لئے ہو گیا میرے لئے ہرگز
 نہیں میں یہاں سے نکلتا جاؤں گا۔“ لڑکے نے یہ پیشانی
 کے عالم میں کہا تو ناپرسر سوچ سوچ مٹ گیا۔
 ”جنت یہاں سے ابڑا جائے گا سوچنا بھلا ابڑ
 جاہی میں چھپیں کہیں کسی کوئی حرکت کرنے کا سمجھے۔“
 ناپرسر نے ہنسی سے کہا۔

”کیوں کیا ہوا رحم کے دیوتا کیا اس قید میں رہ کر تمہاری ترجیحات بدل گئی ہیں یا مجھے یہاں سے نہ جانے دینے میں تمہارا کوئی اور فائدہ ہے۔“ لکس نے طنز پر انداز میں کہا۔

”وہ بکھڑکے تم یہاں سے نکلنے پر بھی اپنی دنیا میں نہیں لوٹ پاؤ گے تو پھر یہاں سے باہر نکلنے کا کیا فائدہ؟ جس شہس جاں جانے کا اندیشہ ہو۔“

مذہب کے ڈیمر سے کم نہیں لگ رہا۔ "مارکس نے جھنجھلا کر کہا۔

پڑ گیا بھولا۔
”ٹھک ہے میں تمہیں یہاں سے نکال دوں گا“

March 2018

محفل کے چھ بیٹے سیکڑوں تالاب ہیں تم آرام سے دہلی
 نہایتے ہو مگر ایک بات کان کھول کے لوگو کی اپنی بیٹی
 حرکت مت کرنا دہلی موت دے جاؤ گے سمجھے۔“
 تیسریں نے کہا تو دہلی دس برس اندر شام کھا تھا پھر عید
 دے کہ جیسے ہی اونچا تیسریں نے ہاتھ پیرا کھڑی کھڑی
 کہ سنا میں بیڑی کرنے کے بعد اس کی کھڑی کی سنا میں
 بھی بیڑی کس کس میں اس اتنا غلا پیدا ہو گیا کہ دہلی
 ہانگنا آتا۔

”ہیں.....“ مدرس نے اتفاق کیا کہ تائیس نے

اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔
 ”ششٹی یاد ہے..... آواز دیر سے رکھو بے قوف۔“

مائیر نے اسے ڈپٹ کے کہا تو مارکس نے سر ہلایا اور آہستہ آہستہ تہہ خانے سے اوپر جانے والی سیڑھوں پر چڑھنے لگا

کراچا ایک سے کسی کے قدموں کی آواز سنائی دے گی تو وہ دین
سیڑھوں پر ایک کے پیچھے میاں کلاں تیزی سے ہڑکنے لگے
کیونکہ اب چاپ کے ساتھ ساتھ ایک سایہ بھی دکھائی دینے
لگا وہ سایہ جیل جلتہ خراب آتا گیا دس کے بدل کی دھڑکن
تیز ہوئی کھنکھن اس سے پہلے کہ آنے والے کی نظر اس

پر پڑی وہ یک دم لپٹ گیا جیسے اسے کوئی بات یگانا کی ہو
کے جانے ہی میں اس نے سکون کا سانس لیا اور چند لمحوں
دیں دوبارہ اہلور پھر احتیاط سے آگے بڑھنے لگا نکل کے تمام
راستے معمول پھلپھل گئے مگر تیز رفتاری سے اسے ایک ایک

سات اچھی طرح ذہن نشین کر لیا تھا اس لئے اسے ماست
 وحویر نے میں کوئی وقت پیش نہیں آ رہی تھی مسئلہ تھا تو
 پیرایوں کی خاطر بچے کا وہاں طرح سے بچے بچاے
 کل سے باہر نکلا آنا۔

رات کا اندیرا یہی طرح سے جماد کا تھا آسمان
تہوں سے بھرا ہوا تھا چاند نیس نکلا تھا اس لئے وہیں کئی
اندیرا تھا اس لئے وہ آسمان عام سے آگے بڑھ رہا تھا اب

اسے کھوڑے فاصلے پر پلکی کے کمرے دکھائی دیئے گئے تھے پھر
بے حد شگافی تھا اس لئے وہ بہت خوب صورتی سیما سن

Dart Digest 240

میں نے چار ہفتہ قبل اس حسین نظامہ میں سکھایا تھا کہ
اچانک سے اپنی پشت پر پتھر توڑ کر اس کو مٹی کی دو ٹونڈیاں
بڑے سے چتر کے پیچھے چھپ گیا اس نے دیکھا کہ اس کی
صوت پر کسی نے پتھر اٹھا کر اس کے سینہ پر اس نے خود کو
فٹکی ہوئی کھوپڑی پہنی اس کی طرف سے غور سے دیکھ رہی تھی
مگر وہ کہتا تھا: دوسری کا بازو دھری کے انداز میں اس نے نام
دیا تھا کہ اس کا اس کے پتھیلے سے اور اس کا رکت کی طرح
لوہا اور انچر نفا میں غوطہ کرا کر تیزی سے نیچے آیا اور یہ دعا
چشمے میں جا کر اوروں کی میں سزا توڑا کہ چند لمبے میں
اچانک رہی پھر ان کی اس معمول پر آئی اس کی طرف سے جڑی سے
یہ سب دیکھ رہا تھا کہ ان کی سطح سے جڑی اُڑی آئی وہ بھی
تازہ۔

مادر گس آرام سے اپنی جگہ سے اٹھا اور آہستہ آہستہ

چلا ہوا اس جتنے کے قریب آیا اس نے دیکھا اب وہاں کسی
بھی دیوتا کا نام و نشان نہیں تھا وہ حیرت سے پانی کی سطح کو

جبکہ دیکھ رہا تھا کہ بھروسہ تیز روشنی پیدا ہوئی
اور پھر برقی ہی جلی کی اس سے پہلے کہ مارکس کیجیے بنا
وہ مضبوط بازوؤں نے اسے تختی کے ساتھ کندھوں سے پکڑا

موقع تک نہ دیا تھا وہ؛ جو دے مجھے گہرائیوں میں لیتا جا رہا تھا بلکہ اس نے آجہاں کے لگا کر وہ جو بھی تھا اس سے کہیں زیادہ طاقتور تھا اس نے بلکہ اس کی ایک نہ چلنے دی اور

اسے نیچے ہی نیچے لے جا کر باہر اٹھائی کہ وہ لڑکے کو تہہ تک گیا جیسے ہی وہ درختوں تہہ تک پہنچے اس نے لڑکے کو یک دم چھوڑ دیا اس کے چھوڑنے ہی لڑکے کا وجود تیزی سے لوہ پڑا یا اور بالائی کی سطح پر آ کر گم ہو گیا۔

اس کو پوچھیں کہ کس سے کچڑ کھاتا ہے پھر سے نیچے لے جانے لگے۔
مادر کس نے بہت کوشش کی مگر اس نے مادر کس کا ہاتھ نہ

پھوڑا پھر اچانک بادرکس نے اپنا اندھا اس کے منہ پر مارا۔
تو اس کی ٹانگ اس کی گرفت سے نکل گئی اور بادرکس ایک بادر
کھڑا ہو گیا اور پھر تیزی سے ہاتھ پیر چلاتا ہوا چشمہ سے باہر
نکل آیا تو اس نے سڑکے دیکھا کہ وہ انجان دیوانہ بھی پانی

March 26 18

[illegible]

کی کیفیت ٹیم بے ہوشی کی سیت می اسے اب اپنے بچنے کی

کوئی امید نظر نہیں آ رہی تھی کیونکہ اس نے اس دیوی کے ہاتھ میں چمکتی کوبہر دکھائی تھی اس نے مادر گس کے قریب

آتے ہی کوہِ بلند کی مدرّس نے اپنے دونوں ہاروں سے اپنا چہرہ چھپایا اس نے جیسے ہی مدرّس کو پہچان کر مائی کوہِ مدرّس سے ایک لمبے دور تک مائی اس نے حیرت سے دیکھا

اس کا ہاتھ لے کر اپنا حصار و دیواروں کو تیسرے صحنہ
 "مدرگس انھو" "تیسرے صحنہ" نے اس دیوبی کا ہاتھ
 چھوڑے بنا کہ تو مدرگس حیرت سے تیسرے صحنہ کو دیکھنے لگا۔
 "میں نے کہا انھو" "اس ہاؤس نے تو درختی سے کہا

تو کہ جس حد سے باہر آیا ہو کھڑکھڑاہٹ تو ان کا کہ نہ
رکھیں گی ہاتھ گرے گا تو تیس برس نے فوراً اسے سہارا لیا۔
"آپ کی ہمت کیسے ہوئی میرا ہاتھ پکڑنے کی؟"
دو غریبے۔

”و کھو گویا تمہیں مجھ سے اس بچے میں بات نہیں کرنی چاہئے۔“ ٹائیس نے قہر سے جواب دیا تو نچا کھانکس کے تلی بجانے کی آواز سنائی دی تو وہ تینوں سڑکے دیکھنے لگا۔

لے مارے نہ دیکھو وہی لوگوں سے مارا جاتا ہے جیسی کہی۔
 ”دلو دلو..... تو جیل سے بھاگے ہوئے مجرموں
 سے اور کس کچھ سے بات کی جاتی ہے۔“
 ”سلیپ سے بات تم جی جانتی ہو کس سے مجرم نہیں ہیں

Dar Digest 24

ذہنیوں و حماروں

[illegible][illegible]

”تم نے اپنے ہارے متو کچھ بھی نہیں بتایا؟“
 ”بتانے کے لئے کچھ خاص نہیں میرا جھگڑا کچھ
 لوگوں سے ہو گیا تھا، اور میں نے غصے میں ان لوگوں
 کو مار ڈالا۔“ بڑکس نے کہا۔

”شکل سے تم غیبیہ لو نہیں رکھائی دیتے قتل کی یقیناً
کوئی خاص وجہ ضرور ہوگی۔“ عمر حال جو بھیجا۔ اس بات سے
اب کوئی بھی فرق نہیں پڑنے والا۔ “کار نے کندھے
کاٹے کہا۔

”کیوں فرق نہیں پڑتا؟“ مہرگس نے حسرت سے کہا۔ ”کیونکہ وہ گنہگار شیطان ہمارا کارکن کرنے کے لئے ایسے یہاں لاتے ہیں۔“ کارکن کے ہونے سے پہلے ہی

”وہاں کس کو سہارا دے گا؟ وہاں کس کی مدد کرے گا؟ اس میں اس کا کوئی قصور نہیں ہے۔ آپ نے جبراً اس کی مدد کر لی ہے۔ آپ مجھے جس میں آپ کی ہر اڑان دھماکا سے قتل کر لیں گے۔ وہاں کس کی مدد کرے گا؟“

”تم جانتے ہو کہ میں اپنے فیصلے نہیں بدلتا۔“

”اگر آپ نے ہمارا دھماکا نہ کر لے، تو ہمارے ہاں ہرگز ہوا سے کچھ کیڑا کیڑی نہیں سمجھ سکتے۔ ہمارے ہاں ہرگز ہوا سے کچھ کیڑا کیڑی نہیں سمجھ سکتے۔ ہمارے ہاں ہرگز ہوا سے کچھ کیڑا کیڑی نہیں سمجھ سکتے۔“

”یہ بد بھلاں دونوں کچھ کہہ رہے تھے۔“

”میری کیا بات یاد رکھیں بہادر شاہ کو مجھے
 تم سب جگہ جا رہے ہو اور بڑوں کو اس کے چہرے پر
 ہر آدمی کو اس کے خند ہے۔“ میرے پاس میرے گھر
 بڑوں کے کہا کیونکہ اس میں مختلف قسم کی جانب
 ہے چارے سے نکلے ہے اب اس کے ہونے کا یہ چلنے
 ہے ہر آدمی کے دیکھا کہ اس کو ایک کلمہ میں
 اس کے لئے چاہا پہنچا کر کچھ موجود ہے چاہوں
 ہے اس کی اس کی جانب سے کھلا اور خود اس کے
 ”وہاں ایک اور صاحب کی طرف سے لے آئے
 جو بیکار کی بات ہے اور فرج میرے ہیں۔“ میں اس
 بدلت ہو جان سے نکل کے تم کو ایک کلمہ کی طرح
 ہوئے ہوئے ہے اب اس کو گھر سے ہونے کہا

”جی۔۔۔“ مدرکس نے آہستہ سے کہا۔ ”تو تم نے لون ساجریم کیا ہے؟“ اس نے دوبارہ سوالیہ انداز میں کہا۔
 ”جی۔۔۔ میں نے 2 ٹکڑے کئے تھے۔“ مدرکس نے رجحان کے کہا۔

”لوگو تم بھی قاکوں کی جماعت میں خوش آمدید ہم سب ایک سے ہیں ہمیں ہمارے اعمال الگ الگ ہیں کام کرنے کے مگر ہیں تم ہم سب قاتل ہی ہیں۔ سوائے اس جگہ کے“ اس نے ایک نوجوان خوب صورت لڑکی کی

”ایک منٹ میں پہلے اپنا اعلان کا تعارف کرلوں
 رانا م کارب جلاوس مہرین ہوں (اس کی فوجی) یہ جو سیاہ

[illegible]

میں نے ہاتھیں کان کی مادات کے اڑنے کے بعد ہی بات نہ کیا
 "پڑ ہے" میں نے سنی کیا جانب دیکھتے ہوئے "وہ پڑ میں سانس
 کے عیب دہا کر رہی تھی۔"
 "تو کیا تم اس بات سے لاعلمی ہو کر تم نے اس
 کے علاوہ کو دیکھنے سے ٹھننے سے روکی؟ اور پھر اس نے گھوڑا
 چڑھ کر دیا۔ تو پڑ نہ کیا۔"
 "میں نے اس کو پھر سے ٹھنک دیا تھا مگر۔۔۔"
 "مگر۔۔۔" کو پھر سے باز رہنے سے ٹھنکا تھا؟"
 "میں نے اس کی بات کا دل کرتے ہی سمجھ گیا۔"

”جی.....“ پائیس نے سر جھکا کے دھیرے بچے میں کہا۔
 ”بس تم نے جرم قبول کر لیا اور ایک بد پر مجرم ثابت ہو گئے۔ صرف تم بلکہ یہ لڑکا بھی جس نے فرار ہونے کی

ہاکام کوئٹہ کی ہے تم دلوں کوئی اس کی کڑی سزا دی جائے
 کی تم چلی کی طرح ذہن میں سزا دے کوئی لڑکے
 کھروان کی سزا سنائی جاتی ہے۔ تو میں نے کہا تو میری کا
 رنگ فق ہو گیا جبکہ وہ بیٹھے سائرس کے علاوہ سب کے

”دیکھیں لمبا آپ ایسے نہیں کر سکتے۔“ ٹائیس نے جلدی کہ کاتوڑیس نے اسے غصے سے دیکھا۔

ہاں سول ہمارے ہمارے کا تو ہم کہیں نہیں بھاگے جا رہے یہ
 نہ نہانا چاہتا تھا اس لئے میں رات یہاں لایا ہوں۔“
 نیرس نے درگس کو سہلا دیتے ہوئے کہا کیونکہ اس کی
 حالت بہت خراب تھی۔

”اچھا تو تمہیں لے آئے ہو میرے ذیل میں،
 میں نے اسے تمہیں دیکھا ہے کہاں دیکھا ہے یا نہیں آ رہا۔“
 سائرس کی بیوی سمیٹنے لگا۔
 ”ہاں یا آ یا کہیں یہ تمہاری مافریاں بہن کی لولہ
 نہیں۔“

”خاسوش اس سے آگے ایک لفظ بولنا تو“
 تائیس کی شیر کی طرح دھاڑا۔
 ”تو کیا کر لو گے؟“ سلیٹا نے اس کی آنکھوں میں
 آنکھیں ڈال کے کہا۔

”میں تیرے ساتھ وہ کروں گا جتنا چاہوں گا۔“
 کے ساتھ نہیں کیا ہوگا۔“ تائیس نے اس کی آنکھوں میں
 دیکھتے ہوئے کہا اور پھر مدرس کو مخاطب کیا۔
 ”چلو مدرس ہمت سے کام لو۔“ تائیس نے کہا
 اور اسے کسی بچے کی طرح اپنے بازوؤں میں اٹھا کے واپس
 چلے گئے۔

”آپ نے انہیں جانے کیوں دیا؟“ گلہ باز کہ
اب تک خاموش کھڑی تھی غصے سے بولی۔
”بس میری بیٹی صبح کا انتظار کرو“ سلیتا نے کہا اور
مسکراتے ہوئے ادا کا سکرپٹ میں غزلوں پر زبردھے تھے۔

[illegible]

خوڑی نے ہمارو لکھ دیں کہ۔
 ”کما مطلب میں سمجھا نہیں تم سب یہاں کیسے
 آئے ہو؟“ دیکھ کر نے خوڑی کو کھنکھاہٹیں چاہا تھا کہ
 ”میں اپنی ذہنیاتی تہذیب کے گھر کے گھر میں ایک طبقہ کی
 اہم ایک جیسے سرسبز ہوا کوئی بڑا دروازہ مجھے اٹھائے کے اڑا رہا ہے
 جب میری آنکھ کھلی تو میں نے خود کو اس دنیا میں پایا اور باہر
 تمام لوگوں کے ساتھ کسی ایسا ہی جگہ ہوا ہے۔ میں دقت
 تو محکم پائینیں البتہ اتنا اندازہ ہے میں اس دنیا میں ایک
 دروازے فرادہ نہیں ہوئے۔“ کارل نے جواب دیا اس سے
 پہلے دیکھ کر کچھ کہتا ہوں کہ وہاں کے پردے ہوا ہے۔
 اس صحنہ سے آگے نہ گئے وہ سب یہی طرح سے ملے
 کہ وہ کچھ پردے سے اس کے قریب پہنچے اور کارل نے
 آگے بڑھ کے ایک کچھ کھڑا تو ان کی حرکت کا انتہائی
 انہیں اپنی آنکھوں پر پھینکیں نہیں آ رہا تھا کیونکہ بائیں
 فوجی کو بیزار یاد ہوا ہے بڑے اختیار سے ہوئے تھے۔
 ”یہ کیا سب ہے؟“ دیکھ کر نے منہ سے جھرت
 کے لئے کھڑا کر اس کی اس بات کا جواب کسی کے پاس نہیں تھا۔
 ”مجھے لگتا ہے وہاں کیلئے کا وقت آ گیا ہے۔“ خوڑی
 نے دھیرے سے کہا۔
 ”مگر ہم یہاں کس کا فکھ کر رہے ہیں؟“ کارل نے
 جھرت سے کہا۔
 ”فکھ نہیں کریں گے ہم شکاری ہرگز نہیں شکاری
 قود ہیں۔“ خوڑی نے نکل کی جانب اشارہ کیا تو سن سب
 نے یہ اشارہ مڑ کر دیکھا تو سب کی آنکھوں میں خوف کی
 لہر دوڑ گئی۔
 ”یہ سب نہیں ہے۔ میں اس نے دیا ہے کہ کتا کہ
 ہمیں اس طرح سے پس کرے جیگر کی طرف اپنا جھانکے کوئی
 بھی روپا نہیں دیتا ہرگز تو ان کو سمجھتا ہے۔ یہ اس طرح میں
 حفظ سے زیادہ انہیں شہدے گا کہ ان کا مقابلہ نہیں تو کوئی
 نہیں ہے۔ یہ ان کی بات ہے کہ اس اس کی اہمیت ان جگہ
 والے شیطانیوں کے سامنے کچھ بھی نہیں ہے۔“ خوڑی نے
 کہا وہ سب اس کی باتیں سننے کے ساتھ اس کی جھمت

پر کھڑے رہا تو ان کو دیکھ رہے تھے۔ یہ جتنی سونے سے بنی
 ایک اونچی جگہ پر رہا تھا اس کے کنارے ایک جادو سحر
 نور تھیں جس کی تاب نہ لے سکتا اور گویا کوئی سحر
 سائنس کے ہاتھ میں تھیں تو کیا ہوا تھا جبکہ سائنس کے
 ہاتھ میں وہاں دیکھا جاتا تھا جس کی چمک اتنی دور سے کسی
 شخص کی جاکتی تھی دوری جانب سنی کے ہاتھوں میں
 چھوٹی چھوٹی خود کو دیکھ رہی تھی جبکہ گویا کے ہاتھ میں ایک
 ودفٹ کا لہر دوڑا رہی تھی۔
 ”کام کرنا چاہئے۔“ کارل نے جواب دیا ہمارے پاس وقت کم
 ہے۔“ کارل نے کہا تو چمک چمک اٹھے ہوا کے پردے کے
 فوجی کو بیزار مہینے کے کیونکہ تمام لوگوں کے پاس تقریباً
 بوسیدہ ہو گئے تھے سب نے یہ بیزار مہینے کے لئے سارے تھکی
 اور خوڑی کے۔
 ”تقریبی جلدی کر رہا ہوں اس وقت نہیں ہے۔“
 کارل نے انہیں مخاطب کیا۔
 ”میں اپنے آپ کو ایک ہوں۔“ خوڑی نے تھن کوٹوں
 دلی موٹیلوں کو کمر پر چمک مچا کر حرا سے ہوئے کہا۔
 ”تم تو پہنچ کر لو۔“ کارل نے جھتی کچھ ہاتھ چمک
 اپنی اور ایک کو بیزار ہوا تھا کہ سائیز پر ہو گئی دیکھ کر نوٹ
 کیا یہ وہی شکاری تھا کہ کھنکھاتی کا قاتل کر رہی ہیں۔
 ”چلو دو۔ سب اپنے اپنے اختیار اختیار ہو۔“
 کارل نے ہماری مشین کو اٹھائے ہوئے کہا تو دوسرے
 نے بھی آگے بڑھ کر ایک کچھ باغیاتی خوڑی نے ہانک سے
 کوئے نے پڑی ایک کی اور یہی تو گویا تھا کہ اسے اپنے
 ہاتھ میں سمجھا گیا تھا غرض سارے تو لے گئے۔
 ”کس نہیں چاہئے؟“ کارل نے جھانک سے کہا۔
 ”ہاں کیوں کر یہ ہوا دینا ہے۔ بہت اختیار ہے
 یہ سورتی تو ہے اس کے ایک ہی دھڑ سے کوئی بھی وجود
 گلو۔“ کارل نے کہا۔
 ”لیکن ہمارے مقابلے میں جو ہیں ان کے سامنے
 یہ تو کچھ کچھ نہیں۔“ کارل نے منہ ہانکے کہا۔
 ”یہ تو کچھ ہمارے لئے فائدہ نہیں ایک تھا دیا ہے یہ
 کبھی کوئی نہیں دیکھ گا گویا کسی جھرتا ہے۔“ خوڑی نے

اسے چم سے آگے لے گئے اور کچھ گویا میں سارے رکھ دی
 کارل نے کندھے سے کچھ لے لیا۔
 ”تم بھی دیکھ کر لو گے۔“ خوڑی نے دیکھ کر پہلووں
 سے کہا۔
 ”بھیجا کر دو لوگ اٹھاتے ہیں۔“ دیکھ کر نے اپنے
 فوٹا دی بارڈوں کو کہنے ہوئے کہا۔
 ”جج کہتے ہیں جس کا جج کیلئے جیسا ہوا اس کی
 عقل چم سے جتنی بھی نہیں ہوئی۔“ کارل نے آہستہ سے کہا
 دیکھ کر نے آگے بڑھ کر ایک جدید میل اٹھایا اور
 ڈاکٹر کی توجہ دیا۔
 ”میں جانتا ہوں کہ آپ نے اسے کس نہیں چلایا
 ہو گا میں نے بھی نہیں کی انہیں چلانی تھیں حالات سب
 کچھ کر رہے ہیں یہ آپ کی جان کی حفاظت کرانے ہانہ
 کر رہے تھیں آپ کی عزت کی حفاظت ضرور کر رہا ہے۔“
 دیکھ کر نے بات کے آخر میں پورے کی طرف دیکھ کر کہا
 تو ڈاکٹر جھتی نے کچھ کوچہ چھوڑ دیا۔
 ”تو دو تھواب بہت کم کر رہا ہے۔“ کارل نے جواب دیا
 کیونکہ جیگر میں وہ دیکھ رہی تھی آسانی سے نشانہ نہیں بنایا
 گئے۔“ کارل نے کہا تو کچھ دم وہ سب جیگر کی جانب
 دور بڑے دیکھ کر نے مڑ کر دیکھا تو اب بھی کچھ کی جھمت
 پر اٹھائے سے کھڑے تھے شاید وہ خود ہی انہیں جیگر میں
 بھاگنے کا سوچ رہے تھے۔

تو انہوں نے دیکھا کہ ان کے سامنے سائنس کو گزرا تھا اس
 کے ہاتھ میں ہوا تھا جس کی ٹوک بے حد تھی وہ سب اس
 کی جانب خائفانہ دیکھ رہے تھے۔
 ”میں ایک بات کہوں گا ہاتھوں۔“ کارل نے فکھ
 لگتے ہوئے کن پر گرت کر کہا۔
 ”ہاں ہاتھ“ ڈاکٹر جھتی نے کہا اپنے ہونے کہا۔
 ”مگر ہاتھ۔“ کارل نے کہا اور ہاتھ ایک جانب
 دوڑ رہا اس کے ہاتھ سے جس کے چمک سبک سامنے
 بھاگ کر گئے ہوئے سارے دیکھ کر نے انہیں فکھ لگتے
 تھے۔“ تم جتنے ہیں تو آج تک جتنی بھی
 لڑائیاں لڑی ہیں سب ہمیں ہوں آج تک بھاگتے
 کیونکہ مجھے نہیں لگتا کہ اس وجود میں مجھ سے زیادہ طاقت
 ہے بہت ہے تو بھجیا کر کے بغیر لڑو کیونکہ میں بھی جتنا
 ہوں۔“ دیکھ کر نے کہا تو سائنس نے ہاتھ کچھ بھرا دیا
 جانب چمک دیکھ کر دیکھ کر دیکھ کر دیکھ کر دیکھ کر
 سائنس دوڑ گئی اور وہ سائنس کی جانب لپکا سائنس ایک
 جانب ہوا اور وہ اپنی جھمک میں آگے بڑھ گیا جیسے ہی اس
 کی پیٹھ سائنس کی جانب ہوئی سائنس کا ہاتھ پھیری سے
 حرکت میں آیا اور دیکھ کر نے کمر میں کسی گولی کی طرح
 اندھاں ہوا سائنس نے اس کی ریڑھ کی بڑی بڑی
 اور ایک جھمک سے اس کی کمر سے باہر نکالی اور دیکھ کر
 بھاری بھر کم ہر جھمک سے بات چیت کر رہے تھے۔
 ”برکلی اپنی جان بچانے کی فکر میں دیکھ کر نے انہما
 سے انہماں ہوا تھا دیکھ کر نے دیکھا وہ دیکھ کر نے اس
 کے ساتھ ہی دوڑ رہا تھا کافی دیر اس اندھا واحد بھاگتے
 سب اور کچھ دیکھ کر نے ٹھک کے کھڑے دھڑ سے
 ٹک لگائی اور یہ دیکھ کر نے اپنے کھٹے پانچ پانچ گاموں
 نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو انہیں جھمک سے گرتی پڑتی ہی کی
 جانب بڑھ رہی تھی۔
 ”ہاتھی کبھی ہیں؟“ دیکھ کر نے ان کے قریب
 آئے ہی چمک۔
 ”تو جتنی سے کندھے چمک رہے۔
 ”میرے خیال میں میں یہاں رہنا نہیں چاہئے

”میں آگے بڑھتا ہوں“ پروفیسر نے کہا تو مدرسے نے

سر ملایا۔

سائرس کو کچھ کے اندھا حد بھاگنے کی وجہ سے کارل اور خوزی نے اپنی ساقیوں سے بچو گئے تھے۔

”کیا کچھ ہو سکتا ہے کیا تم جیسے میں جا رہے ہیں۔“ کارل نے سوالیہ انداز میں پوچھا۔

”میں یقین سے کہہ نہیں کہ سکا کریم کس سمت میں جا رہے ہیں لیکن ایک بات ضرور یقین سے کہہ

سکتا ہوں۔“

”کون سی بات ؟“ کارل نے جلدی سے پوچھا۔

”وہ کہ موت دہری سے ضرور آ رہی ہے۔“

خوزی نے کہے ہوئے کہا تو کارل کی رک کے تیرا ہی سے استعد کیا کھنگلا۔

”تم کہا کیا پتا ہے وہ؟“ کارل نے پوچھا۔

”مہم سب سے روزنا شروع ہوئے ہیں وہ اس وقت سے سامنے کی طرح ہلنا چکا رہا ہے۔“

”کون؟“ کارل نے اگتے ہوئے سائرس کے ساتھ کہا تو خوزی نے جواب دینے کے بجائے کولہ نام

سے نکالی اور پیچھے مڑا کارل نے اس کی نظر کی سمت میں دیکھا تو اسے کچھ غریباں کا جاک ایک بڑے درخت کے

تخت کے پیچھے سے تھیں نکلا تو کارل نے کھلی ہاتھیں

کا تختہ قریب سے دیکھا تو دوسرے پاس ایک ہاتھ لگا ہوا

رگت کا تھا تو دیکھ کر یہ بات کا گمان ہو تھا تو اس کے چہرے کی پچان صرف اس کے کونسلے فدا توں کی وجہ

سے ہوئی گی یا پھر اس کی سرخ لکھڑی آنکھوں سے کون

تمی کارل نے خوف سے ترخ ترخ کہنے لگے تھیں دیکھنے میں بھی راقی موت کا رچا لکھا تھا ہے تم بد صورت اور خاک۔

”کارل کھٹکنا ہے تم جا رہے ہو ساتھ ساتھ ایک کھا

تم جا رہے ہو۔“ خوزی نے تھیں سے نظر نہا کر پھر کہا کہ اس کی نظر اب بھی پھرتا ہے ہوئے اعداد

میں تھیں کہ کچھ جس جانی میں کس زبان سے اپنے بھاری بھر کم درد بھاری کھلاڑے کی دھار کوں چاٹ رہا تھا

جیسے اس کی دھار کوں کتر کتر ہو۔

”میں نے کہا تھا۔“ خوزی نے چلا کر کہا تو کارل

ہوش کی دان میں داکس آیا اس نے خوزی کو کھٹکا چٹا چٹا

تہائی فیصلہ کر چکا تھا کارل نے ادا ہی نظر خوزی پر ڈالی

اور ہر گھڑا اس کے جا نے کی خوزی اپنے سینے پر ہتھ

کی نوک سے ایک کئی کچھ ڈالی تو خزان اس میں سے نکل کر

اس کے پیرے بدن کو کرسنے کی خوزی نے دونوں اقموں

سے کولہ کا دستہ پھڑکی سے تھا۔

”لوہر دھالے تھیں اس شیطاں سے لڑنے کی طاقت

دے۔“ خوزی نے جس کی جانب دیکھ کر کہا کھٹکا چٹا

اپنے اچھے ہی تھا سدا سے کچھ ہاتھ اور دوسرے ہی لے

خوزی نے تھیں پاپائی سرور کی کولہ کی دوسے حملہ کر دیا

.....

کارل اور اندھا حدن ڈرتے ہوئے ابھی کچھ ہی

دور گیا تھا کہ اس کے کالوں میں خوزی کی دل درز ج پڑی

اس کے قدم کھمکتے پڑنے لگے کہ دوسرے ہی سے ایک

بار پھر اس نے رگت بڑھادی۔

شام کے سامنے پہلنے گئے جنگل کا تنگ تھا کہ

دان میں کس بات کا سہل لگنا تھا اور اب شام ہونے پر دوسری

زیادہ تر باجیاں جا چکا تھا۔

”میرے قیام میں؟“ میں یہی کوئی محفوظ جگہ دیکھ

کر آ رہا تھا کیا ہے۔“ پروفیسر نے کہا۔

”ہیں۔“ کچھ کھڑوں کوئی ہادی بہرہ نہ پانچے

”میں نے کہا تو پروفیسر نے سر ملایا۔

”ٹھیک ہے پہلے میں پہلو دیتا ہوں تم دونوں

یہاں سوچا تو رات کے دوسرے پہر کھڑوں کا۔“

پروفیسر نے کہا تو مدرسے کے کونسلے سے کھٹکیوں کے

دروازوں کے کھٹکیوں کے

”آپ کونک تو ہیں؟“ مدرسے نے ڈاکٹر تیشی

کو کہتے ہوئے کہا کہ جو گھری سوچاں میں ڈوبی ہوئی دیکھائی

دے دے گی۔

”ہاں میں ٹھیک ہوں۔“ ڈاکٹر تیشی نے کہا

تو مدرسے سے کہتے ہوئے کہ بہت ہی مصدوم اور کم عمری کا

اس نے ابھی ابھی ڈاکٹر کی جہان کی تھی وہ بلاشبہ ایک

حسین لڑکی تھی لیکن حالات کے پیش نظر اب اس کا سن

بھی سو کو نظر آ رہا تھا۔

”میں یہ تو نہیں کہتا کہ حالات بہتر ہو جائیں گے

مگر میں بہتر کی امید بھی نہیں چھوڑتی چاہئے۔“ مدرسے

نے اس کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔

”جہ سے میں چھوٹی کی تھی میرے جیسے ڈیڑھ اس

دنیا سے چلے گئے اس کے بعد اس میں دنیا میں کوئی تھا وہ

میری اور میں ہی تھی میں دونوں ایک اور دوسرے کو کچھ کے

جیتے جیتے چھوٹا کچھ دن میں اپنے وقت سے جیسے ایک

دوست کے لئے کے رات کوئی تو کسی نے کچھ کم دیکھ

دیوچ کے اٹھایا جب میں ہوش میں آئی تو میں نے خود کہا اس

دنیا میں پلے پٹیں میری میں کی طاقت ہوئی وہ ہے چار کی

تو صدمہ سے باقی ہوئی ہوئی۔“ یہ کہہ کر تیشی چھوٹ

چھوٹ کے دوئے کی تو مدرسے کو اس سے پتا نہ آئے گا

اور اس نے ہاتھ آگے بڑھا کے اس کے گلے پر پہنچے والے

آکسوں کو صاف کیا تو وہ کچھ کم جب ہوئی اور اسے دیکھنے

گی تو مدرسے کو ڈرائی اپنی کڑ پڑ پڑیں کا اندازہ ہو گیا اس نے

فوراً سے اٹھا اٹھا ہٹا۔

”دوسری۔“ مدرسے نے کہا کہ روٹ بدل کے سہ

دوسری جانب کر لیا اور تھیں بند کر لیں اور تیشی اس کی پیٹھ

کو کھینچنے لگی۔

مدرسے کی آنکھوں کے کھلی تو اس نے روٹ پڑی

اور تیشی کو رگت نہ پانچے کہ فوراً اٹھا بیٹھا اس نے پاس میں تیشی

کون اٹھائی اور تھیں سے باہر نکل کے انتظار سے

اور کور دیکھنے کا حکم اسے پروفیسر کھلی دیا جی تیشی یہ

دونوں کہیں کہیں؟ اس بارے میں دوسری جہاں تھا کہ اسے

کچھ کاٹنے پر موجود تھا جہاں میں لٹل محسوس ہوئی تو اس

نے فوراً تیشی کو آگے کی ہوسے آؤ دونوں سے آگے

بڑھا اس نے آرام سے تھیں کی ایک جانب بٹایا تو کچھ

منظر دیکھ کر خون کھل اٹھا اور کون کسے سے پاس کی روٹ

اور مضبوط ہوئی اس نے دیکھا تیشی کا منہ بندھا ہوا تھا

اور پروفیسر اس کی عزت پر ہڈا کسے کھڑ پڑا۔

”تیشی نے دردمت جاؤ پروفیسر۔“ مدرسے

دعا را۔

اور کچھ کو انداز اس کے اٹھنے ہی تیشی بھی فوراً کھڑی ہوئی

اور دوڑ کے مدرسے کے پیچھے چھپ گئی مدرسے کی کنی کی دیول

ابھی تک پروفیسر کی جانب کی۔

”کیا تم اس گھٹیا لڑکی کے لئے مجھ پر کڑی

چلاؤ گے۔“ پروفیسر چلایا۔

”دیکھو تم یہاں سے فوراً چلے جاؤ۔“ مدرسے نے

خفت لیے میں کہا۔

”دوسری کیا۔“ ”دوسرے مجھے چلو چہ ہے یہ بھی

کر کے کہو۔“ یہ کہہ کر پروفیسر اس کی جانب بڑھا۔

”میں کہہ رہا ہوں اپنی جگہ پر کچھ جاؤ ورنہ اس کو

چلاؤں گا۔“

”تو آؤ دست ہٹ کر اور گولی چلاؤ۔“ پروفیسر نے

چلا کر کہا اور اس کی جانب بڑھا اس سے پہلے کہ وہ مدرسے

سے کھینچنے کی کوشش کرتا۔

فانز کی آؤ گولی اور پروفیسر کی کھوپڑی سے تینوں

کھڑوں میں بٹ کی خون کے بہہ چھینے مدرسے کے چہرے

پر کئی آنکھوں نے پروفیسر کا جڑا دیکھا کے زمین پر گرا

اس نے کہا کہ کچھ ہاتھ میں کمن نے کھڑا اور اس کی ہل

سے کھو اٹھا ہٹا۔

”میں یاد ہے چارہ اتنی دیر سے جوتہ ہادی منت

کے ہاتھ پڑا کھڑا ہادی ہوئی کھو کھو کھو تکلیف کرنی پڑی

”کارل نے کہا اور اس کی جانب بڑھا مدرسے کو تیشی ابھی

تک شاہ کے ہاتھ نہیں لگے تھے اس سے پہلے کہ کارل اس

کچھ چٹپٹا تھیں سے ٹھنڈا سے ایک کھوٹی ہوئی چھوٹی کولہ کی

اور کارل کا رگت سے جھار کئے ہوئے ایک درخت کے سنے

میں گھپ کی کارل کا ہناسر کے دوزخ میں گر کے تھے ڈنگ

اور تیشی نے اس سے است دیکھا جہاں سے کولہ آئی تھی

تو اس کی آنکھوں میں دھندل چھل کی کیونکہ کولہ کھینچنے والی

سلیٹا جس کی ایک کولہ اب بھی اس کے اچھے میں تھی دوسری

سے تین فٹ دور ٹھنڈا میں پڑھلائے کھڑی تھی اس کے

پہلے کی وجہ سے مول روٹنگ بچے نے اڑے تھے جسے دیکھ کر
 بچوں کے لئے اسے دیکھتا ہوا بھروسے کے ذہن میں آواز
 گونگی کرتا ہے فوراً لکھو نہ ملے گا ذرا کے اس خیل کے
 آئے ہی اس نے کن کی تار کا رخ سلیٹا کی طرف کیا اس
 سے پہلے کہ ٹوٹرک اور واپس سلیٹا نے ٹوٹرک بھیجی ہو کر
 کوڑوڑوں میں غصہ مہ کر دیا کن زور بھاری چوکھوڑا کوڑوڑوں
 کا تنگ کٹی گئی اس کے لئے ایک کوشٹ سے بے وجہ کی کیا
 اہست سے یہ ہوجتے ہی دیکھ کر بے چہوت گئے جتنی دور
 کے ایک درخت کے پیچھے چھپ گئی تھی جب کہ دیکھ کر خود
 میں آگئی تھی کہ یہ تیار نہ لیا۔

"تم سے تو ابھی بڑی بڑی ہے جس میں بھائی گئے کی
 بہت قربانی ہے تم میں بھی بالکل اپنے باپ پر گئے ہو وہ وہ
 تہمدی کی طرح بزدل غلام۔" سلیٹا نے کہا اس کے ساتھ ہی
 اس پر چھٹی اور زوردار انداز میں دیکھ کر نے کوڑی توڑ زمین
 پر گر گیا سلیٹا نے درخت میں بھی ٹھوکر لگائی اور دیکھ کر
 جانب بڑی دیکھ کر جب کہ تھا تو اس کا سر پھرتے ٹھوکر لگایا تھا
 جس کی وجہ سے اسے لپٹا کر گھومتا ہوا مٹھوں اور ہاتھ سلیٹا
 نے اس کے نزدیک آ کر ٹھوکر لگا دیا تھا بلکہ دیکھ کر کچھ
 سمجھتا نہ کیا کہ کیا تھا۔

بھرا چاک اس کی نظر ایک چتر پر پڑی اس نے
 پتھر اٹھا اور دیکھ کر اس جانب بھینکا پتھر سلیٹا کے اس ہاتھ
 پر لگا جس میں ٹھوکر بھی پھرتے گئے ہی ٹھوکر اس کے ہاتھ
 سے ٹکل گئی دیکھ کر تیزی سے اٹھا اور اسے زوردار انداز میں
 دھکا دینے کی کوشش کی کہ وہ سلیٹا کو اپنی جگہ سے ایک لمبے
 بھی نہ ہلایا دیکھ کر کاجی طرح اتار دیا ہو گیا کہ سلیٹا اس
 سے طاقت میں ٹھنڈا زور دے سلیٹا نے اسے دھکا دیا تو وہ
 دھکا کر سلیٹا نے ایک بار دھوکہ دیا تو اس کی جانب
 بڑی اس سے پہلے کہ اس پر دھڑکی ایک تیرہ ماہم دست
 سے آواہاں اس کی کھائی کو گچر یا ہوا ایک درخت کے تنے میں
 پیوست ہو گیا۔

دیکھ کر نہ جرت سے اوڑھ کر دیکھا تو اس کی
 نظر تائیس پر پڑی جہاں وہ میں کان لے کر تھا تو اس
 کے کندھے سے پتھروں سے ہمارا کش تھا سلیٹا نے دوسرے

تھمبکس لے ہے۔"

"فکر۔۔۔" تائیس نے کہا۔ "کیا مطلب یہ ہم
 جانور ہیں جو ہمارا کھانا کھا رہا ہے؟"

"ہاں دیکھو اس کے آگے اس کے اندھن کی لکھات ایک
 سدھانے ہوئے جانور سے زیادہ نہیں ہے سر میں پہلے
 جب اندھن جنگوں میں ہا کر تھے تو وہاں تیرا بن کر آئے
 ان کا ٹھکانا کیا کرتے تھے جب انسانوں نے پتلیوں بنائی
 شروع کر دیں تب بھی وہاں آیا کرتے رہے تھے جب مسر
 کے حکمرانوں نے انہما بنائے لکھاتیاں کی باقاعدہ
 عبادت شروع کر دی تو یہاں تیرا نہیں آ کر پسند آئی لو اس
 نے زمین پر صرف خود کا بازو بڑھا بلکہ ہاتھ کی کوئی حرکت نہ کر دیا
 لیکن انسانوں کے شکار کی جہالت نے انہیں پتھن بنائے دیا
 تو وہاں سے دیکھنا تو کھانا نہ دیا کہ وہ زمین سے انسانوں
 کو کھانا کے یہاں لے آئیں تاکہ انہیں جنگوں میں نہ کا
 شکار نہ کر سکیا جاسکے۔"

"زمین سے اٹھانے سے تہمدی کیا سر لو کہ یہ کام
 کسی اور دنیا میں ہیں؟" دیکھ کر تیرا ہو کر کہا تو تائیس
 ہنس دیا۔

"تو جیسے کیا گئی ہے تم ہی میں اپنی اپنی دنیا میں
 ہو۔" تائیس ہر دست سے کیا نکات بہت دست سے تمہاری
 دنیا سے بہت دور دیکھ کر تیرا خیال ہوا۔ "تائیس نے کہا۔
 لیکن یہاں میں ان دنیا میں کے تمام ختم ہو رہا ہے
 تو اچھا یہاں ہیں۔" دیکھ کر نہ جرت سے کہا۔
 "ہی انہیں بھی تہمدی کی طرح تہمدی دنیا سے
 اٹھا گیا ہے لیکن وہاں کے لئے نہیں کا کاج کن کرنے کے
 لئے وہاں کے لئے صرف خاص لوگوں کا انتخاب
 کیا جاتا ہے۔"

"خاص لوگوں سے مراد؟" دیکھ کر نہ جرت سے کہا۔
 "وہ خود جو خود فطرتک ہوں۔" تائیس نے
 جواب دیا۔

"مگر یہ خود کچھ لوگوں میں سے نہیں ہے۔"

دیکھ کر تائیس کی جانب اشارہ کیا۔

"یہ ایک عامی سا دیکھ کر ہر دس۔"

"کیا۔۔۔" تائیس نے کہا۔ "کیسے ہو سکتا ہے یہ دنیا میں کے قانون
 کے خلاف ہے؟" دیکھ کر نہ جرت سے کہا۔

"نہیں ایسا ہے۔" دیکھ کر نہ جرت سے کہا۔

دیکھ کر تائیس نے کہا تو تائیس کچھ
 کے بہانے بغیر اس کے ساتھ پہلے دیکھ کر ان کے پیچھے جتنی
 بھی مدت دوسروں سے پہلے گئی۔

سلیٹا کا دل پتھر ٹکے کی کوشش کرتی رہی
 مگر ہر بار سے نہ کہانی دی تو ان مسلسل بینے کی وجہ سے
 اسے تھکاتے محسوس ہونے لگی۔

ایک ایک سے پاس والے درخت میں اپنی ایک ٹھوکر
 دیکھ کر تائیس نے کہا۔ "ایک انتہائی فیلڈ کیا اس نے
 ہاتھ بڑھا کر ٹوٹرک سے لگلا ہوا اپنی آنکھیں بند
 کر کے ٹوٹرک کی حرکت سے حرکت دی اور پھر دوسرے ہی لمحے
 جنگل میں کی تیرے جی کے گراؤ تھا۔"

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

"ٹوٹرک سنا رہی ہے۔ اس سفر میں ہی ہم سب کی
 زندگی ختم ہو جائے گی۔" تائیس نے اپنی پہلو پر ہاتھ رکھتے
 ہوئے کہا۔

"نہیں اگر ہم سب سونے لگتے تک پہلے رہیں تو یہ جنگل
 ختم ہو جائے گا۔" تائیس نے کہا۔

"اگر جنگل ختم ہو گیا تو کھلے میدان میں وہ ہمیں
 لوار سائی سے دیکھیں گے۔" دیکھ کر نہ جرت سے کہا۔

"نہیں صرف دیکھ کر جنگل کی حدود تک ہوتا ہے اس
 سے آگے نہیں ہوتا۔"

"کیا مطلب اس جنگل سے لگنے ہی نہ آ کر زوروں
 کے؟" تائیس نے خوش ہوتے ہوئے کہا۔

"ہاں اگر نہ دے تو دیکھتا ہے وہاں پہلے کسی
 ہڈیوں سے کیلئے آ رہے ہیں لوار کن ٹیک کی گئی اس
 جنگل سے زخمہ بخور نہیں آیا۔" تائیس نے کہا تو تائیس کا کھلا
 چہرہ پھر سے سر ہٹا گیا تو تائیس کو اپنے لفظوں کی تضحیک کا
 اندازہ ہو گیا۔

"لیکن یہ لگن ہو وہ سب دے گئے کیکن نہ

کے ساتھ تائیر نہیں تھا۔ "تائیرس نے سکر کے ہاتھ میں بھی سکر پڑی۔
"مجھ ہونے میں کتنی دیر باقی ہے؟" مارکس نے کہا۔

"بس ہونے ہی دلی ہے۔" تائیرس نے کہا اور فوراً ہی رک گیا اور دو کثیر نظروں سے دیکھنے لگا پھر اس نے جلدی سے مارکس کو کندھوں سے پکڑا۔

"میری بات فوراً سنا اور اس پوئل کتا ہر دھکا دینا اپنا ایک مخصوص اختیار ہوتا ہے جیسے میرا اختیار ہے کہ اگر تیر ہیں، لیکن اور دشمن تو کمزور تیروں کا نشانہ کی حفاظت نہیں ہوتا یہ کہ مجھے وہ دو اور اس رستے پر سیدھے چلنے اور دوسرے نکلنے میں تم جنگ سے باز ہو گئے۔"

"مگر تم کہاں جا رہے ہو؟" مارکس نے پریشان ہو کر کہا۔

"مجھے جیسے کہ گمان ہے وہ دو کار اور گراہا اس ہوا ہے میں اس سے یہاں تک کے رکھنا ہوں تم جا رہا ہے۔" تائیرس نے کہا۔

"لیکن تمہارا یہاں رہنا مجھے نہیں ہے وہ جہیں نقصان پہنچا سکتے ہیں وہاں ساتھ چلو گے۔" مارکس نے اسے بازو سے پکڑ لیا۔

"یہ خوف مت ڈانگ میں یہاں نہیں رہا کہ ہم سب مارے جائیں گے مجھے وہی رہا ہے وہ دیکھو کہ نہیں کہو گے؟" تائیرس نے کہا مارکس اسے خلی نظروں سے دیکھنے لگا۔

"اب دیکھ کیا ہے ہوا باز یہاں سے....." فوراً "تائیرس چلا گیا۔

"لنک نے ہم یہاں سے چارے ہیں لیکن اب بھی جلد آ جانا۔" مارکس نے کہا اور تیشی کو لے جانے کے لئے مڑا۔

"ایک منٹ کر۔" تائیرس نے کہا کہ مارکس رک گیا تائیرس نے آگے بڑھ کر اسے لگے لگایا تائیرس کی آنکھیں کھرا تھیں لیکن اب بھی وہ تائیرس نے کہا اور پھر اسے دھکا دے کر گھڑے سے چار کر دیا۔

"اب جا رہا ہے۔" تائیرس نے کہا تو مارکس سر ہلاتا ہوا جھکی کر پڑا اور تائیرس اس وقت تک دیکھا کہ جب تک دونوں اس کی نظروں سے گزر گئے وہیں ہو گئے وہ جاتے ہی تائیرس نے طویل سانس لیا اور دشمن کو کھانک لگے کہ بولا۔

"بہت ہو گئی۔" جھپک جھپکی اب تم سامنے آ سکتے ہو جیسے۔" اس نے کہا تو جنگ چڑھ کر آ کر پڑا ہوا اور دشمن کے چمنڈ سے تائیرس جاہز کیا۔

"کیسے ہو رہا ہے لگا ہے مجھ سے کافی فائدہ ہو اس نے تم اس لئے لڑے کہ کہہ رہے تھے میرے بھائی ہو اور میں نہیں چھوڑ سکوں کہ۔" جیسے نے سکر کے کہا۔

"ہاں میں نے یہ جہت ضرور بولا ہے کیونکہ میں جانتا ہوں تمہارے لئے کئی بھی دشمن نہیں دیکھا تھے ایک دہندہ اور دوسرے زخمیوں کے چلنے بچانے کے علاوہ اور مجھے یہ کہنا تھا۔" تائیرس نے تائیرس اس پلے۔

"تم نے لنک کے چہرے نے بھائی کاش تمہارے چکر مارا تو مجھے وہی تو تم نے لڑنے میں اور مرد آ تا۔"

"سب ضرور میں بنا چکے کہ میں تمہارا مقابلہ کر سکتا ہوں۔" تائیرس نے کہا تو جیسے اس کے قریب اور ہوا جیسے نے فوراً ایک جانب چلا گیا گارڈ اور اس کے ساتھ ہی کن کی مدد سے اس پر فائر کیا دیا جنگ تینوں کی تیز زبانت سے گونگ تھا کہ تائیرس کی رفتار تیز ہونے کی وجہ سے ایک بھی گولی اسے چہرہ پانی جیسے نے کھاڑا استعمال اور ایک بار پھر اس پر حملہ کیا اور تائیرس ایک بار پھر سائیز پر ہو کر اس کا وارہا کیا اور اس نے آگے بڑھے جیسے چکر پکڑ کر گئے دونوں

پاؤں کی طاقت سے کھمکے ایک درخت سے دے دے مارا تو جیسے دھیر دھیر ہو گیا تائیرس نے دشمن کن دونوں اٹھائی اور اس کا سر دو تین پر بڑے جیسے کی جانب کیا اس سے پہلے کہ وہ گر پڑا تاکہ ایک کھوکھالی کی کمر میں گھسی ہوئی اس کے سینے سے پار ہوئی تائیرس نے تھوڑی سے مڑے دیکھا تو اسے چپ چلا کر اسے مارنے دلا اور کوئی نہیں ملتا تھا۔

"کاش تم نے مجھے اس وقت ملایا ہوتا تو اب یہاں میرے ہاتھوں میں نہ رہے۔" سلیٹا نے کہا تائیرس نے دیکھا اس کا پایاں ہاتھ لگا ہوا تھا تائیرس نے آگے بڑھ کر اپنے ہاتھ سے اس کی گردن پکڑ لی تو مارکس بھی تائیرس کے دھج سے آ کر پڑی لیکن اس کے بارود میں سے ہاتھ گرفت میں آئی تھی مگر سلیٹا کو پانا وجود میں ہوا نظروں سے لگا کہ اس کا ہاتھ جیسے پیچھے سے اٹھا اور اس نے کھڑے سے ایک ہی دھڑ سے تائیرس کا دھج دوڑا دھج کر دیا اور اس کا جان و دھج میں ہوس ہو گیا جبکہ سلیٹا اپنے ایک ہاتھ سے اپنا گالسلے لگی۔

پہلا دھج پھر سر تک کی دھج پھیلنے لگی تو مارکس اور تیشی کی خوشی کا فائدہ نہ رہا ان کے قدموں کی رفتار دھج پر ہو گئی اب جنگ بھی کھٹا نہیں رہا تھا آخر کار تائیرس جنگ کی مدد سے ہوتی نظر آئے۔

"مارکس....." ایک ہاتھ تیشی نے اسے پیچھے سے پکھا تو مارکس تک گیا اور اس نے پیچھے مڑے دیکھا تو تیشی

جنگ کے اپنے کھٹے چکر کے کوڑی کی مارکس نے اس کے کندھوں پر ہاتھ رکھا۔

"کیا ہوا تیشی بہت کدیم منزل کے قریب ہیں....." مارکس نے اتنی ہی جھکی کہ تیشی کی مدد سے ہوتی ہواں نے ایک چوٹے سا زخم تائیرس کے پیٹ میں گھونپ دیا مارکس جرت بھری نظروں سے اپنے پیٹ میں ہونے والے زخم پر تائیرس کے ہاتھ سے دیکھنے لگا۔

"جرت ہوئی ہے یا....." مجھے یہ جرت بہت پسند ہے جب کسی مارکس کے چہرے میں ایسی جرت دیکھتی ہوں تو میں اندازہ نہیں مجھے یہی خوشی ہوتی ہے۔" تیشی نے تائیرس کے پیٹ پر ہاتھ سے مشغولی سے پکڑے ایک بار پھر اس کے پیٹ میں گھونپے ہوئے کہا۔

"تمہارا سامنی تائیرس لنک کہتا تھا دینا واقعی بہا اور جنگجو لوگوں کا فائدہ کرنا پسند کرتے ہیں اس کا یہ مطلب نہیں کہ میں کوئی فوجی ہوں میں تو ایک ڈاکٹر ہوں۔" ہاں البتہ میں مجھے مردوں کا فائدہ کرنا میرا مشغلہ ہے میں

اب تک 99 کھارے ہیں پہلا ہاتھ مقرر ہوا تھا مگر تیشی 100 کے لوہے کے پتھر کی تیشی کی کرکھی ہوں تم مجھے تاریخ کی سب سے کامیاب اور نا پکڑے جانے والی اسرائیل ٹکر کر سکتے ہو اور اس کا سارا کرڈٹ میری غصہ کی لدا کر رہی کہ جاتا ہے جب لوگ میری معصوم مخلد دیکھتے ہیں تو انہیں نہیں بتیں آ آ کر کہ میں چڑیا لگی اس جنگ میں آئی تھی خود تیشی ہوئی مگر مارکس نے مجھے یہاں فائدہ کرنے کا موقع ہی نہ دیا اس لئے اب جیسے یہاں مارکس اپنی عادت پوری کر رہی ہوں یہ پتھر اس لکھ کے پاس سے میں نے اس لئے سب سے نظروں سے اٹھا تھا مارکس کی کوڑی دھج کرکھوں..... تیشی نے کہا تائیرس تھکتی کی وجہ سے کھٹوں کے بل کر اس کے ہاتھ سے تائیرس کی کوڑی لگان کرکھی۔

"اور اس وقت تم دیکھی نا اور تم کتنے کے بعد اسے قدموں پر کھڑے نہیں ہو پاتے اور خود کو دیکھتے ہو چلو جڑی ہے اب باقی کا سفر میں اکیلے کروں گی مگر بے فکر ہو جس میں تیرا نہیں چھوڑوں گی تمہارا کام تمام کر کے جاؤ گی۔" تیشی نے بات کے آخر میں خرا کے کہا اور مارکس کو بالوں سے پکڑ کر اس کے گلے پر پتھر پھیرنے لگی تائیرس نے مارکس سے پکڑ لیا چاہا کہ اس سے پیچھے تیشی کو پتھر بھج دے آئی کسی نے ایک لہجہ تیرا اس کی پٹھ میں اتار دیا تیشی تیرا کسی سے مڑی تو اس کے سامنے گھبرا کر تیشی اس نے ایک بار پھر تیشی کے سینے میں اتار دیا تیشی کا دھج پڑ پڑا لے لگا مگر گریا نے اسے گردن سے کڑا کر تھا اس لئے وہ گر گئی۔

"اس جنگ میں صرف دیوانی فکرا کر سکتے ہیں جنہیں اس کا کوئی حق نہیں۔" گھوریا نے حکمت سے کہا اور تائیرس تیشی کی گردن پر پتھر کر لے پھوڑ دیا تو اس کا دھج کسی ذوق شہہ جانوسی طرح خربے لگا اور پھر چھوٹوں میں اس کی آنکھیں بند کر کے لئے بے جان ہو گیا اب گھوریا مارکس کی جانب بڑھی مارکس اس اپنی جانب آ آ دیکر ہاتھ اور پھر دوسرے ہی لمبے اس کی آنکھیں بھی بند

ہو گئے شاید ہمیشہ کے لئے۔

☆ ☆ ☆

دُکس کے چہرے پر جب پانی کے چھینٹے پڑے تو اس کی آنکھ بے اختیار کھلی گئی اس نے دیکھا کہ وہ جنگل سے اُپر کھاس لے کر اُترا تھا اور کھاس پائس پر جھکی ہوئی کسی پیدیکو کر دُکس نے کھاس کا چاٹو گھوڑیائے اس کے سینے پر ہاتھ رکھا کہ اسے لیٹھ پڑے گا اُٹھنا نہ کرے۔

"لیٹھ رہو تھارے خُشیاں تھارے چلے چلے جاتے" دوبارہ کل جاوے گا۔ "گھوڑیا کے منہ سے اپنے لئے ہمدردی کے الفاظ اُن کے دُکس نے سنا دیے تھے۔

"کیا میں اس صبرانی کی وجہ جان سکتا ہوں۔" دُکس نے اپنے زخموں کو سوجھا دے ہوئے کہا۔

"انگریز اپنی جان بچانے کی وجہ جانے کی بات کر رہے ہیں ہوتی ہیں خود کشیاں جانتی کر میں نے ایسا کیا نہیں لیکن جہاں کہیں اس کی لڑکی کھڑے کی بات ہے تو میں نے اسے اس کے کئے کی سزا دی۔" گھوڑیا نے کہا تو دُکس غصے سے انگریز مسکرا پڑا۔

"جھپٹیں اس کی بات پڑا کر ہی ہے۔" "مجھے کسی اس بات پر یار نہیں ہے کہ غزلوں انسانوں کی جان لینے والی ایک وحشی دروند ہے ایک معمولی جانور کاس کے کئے کی سزا دی حالانکہ وہ اس سے کہیں زیادہ مایوس اور ظالم ہے۔" دُکس نے گھوڑیا کی جانب عقارت سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو مگر اس نے جو کیا مجھے اس کا اندازہ پرند نہیں آیا ہے، ہمیشہ سامنے سے حملہ کرتی ہوں کسی کی ہمدردی میں اس کی چپہ میں چھرا نہیں کوئی گھوڑیا نے سناٹ کچھ نہیں کہا۔

"میری خُشیاں اس نے میری جان بچائی کہ تم ایک دُکس نے اسے گھوڑا جاتا دیکھ کر پڑھائی کرنا چاہتی تھی تم جانتی ہو کہ میں جلد جلد ٹھیک ہو جاؤں گا کہ مگر ہر افکار کر کے تمہارے نفس کو تیشیں حاصل ہوں۔" دُکس نے کہا تو گھوڑیا نے سنے کیے اس سے پہلے وہ کچھ بولتی سلیتا لڑائی ہوئی اُن سے کچھ صلے پر آ کر تھی۔

"گھوڑیا... تم یہاں کیا کر رہی ہو؟" سلیتا نے سختی سے گھوڑیا کو مخاطب کیا تو گھوڑیا گھبرا کر جلدی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"کچھ نہیں، جنگل سے باہر مجھے ڈی حالت میں ملا تو اسے دیکھنے کی تھی۔" گھوڑیا نے جلدی سے کہا سنتے میں مجھے نہیں بھی اترا آیا اس کے ہاتھ میں اب بھی وہ خون آلود لکھاڑا سو جھڑتا۔

"تو اب تک اسے زخمہ کیوں رکھا ہوا ہے ملاؤ اس کو بھی۔" جھپٹیں نے کہا۔

"مگر یہ اصول کی خلاف بات ہوئی۔" گھوڑیا نے غصے سے کہا۔

"سہل ہوتے ہیں قورڑنے کے لئے یہاں سے پڑاؤ اور قورڑے کم کر دو اگر تم ایسا نہیں کر سکتیں تو پھر یہ کام جھپٹیں کر سکتے۔" سلیتا نے کہا تو گھوڑیا پڑی طرح گھبرا گئی اس کی گھبراہٹ دیکھ کر سلیتا کے چہرے پر کراہ بول چلی۔

"میں نہیں... اس نے چلا کر مجھے کونسا مطلب کیا تو وہ اپنا کھڑا لڑائی والا دُکس کی جانب بڑھا۔

"رنگ بڑا۔" اُن کے کانوں میں آواز پڑی تو وہ سب چونک اُٹھے ہرگز کے یکساں تو وہ سانس مکز اُٹھا۔

"گھوڑیا ٹھیک کہہ رہی ہے اسے ملا ہونے کے خلاف ہے مگر ہمارے پاس کیا ہے اسے ہونے کا اصول تو ہم میں ہوتا انسانوں میں کیا گھر ہے چائے کا اصول یہ ہے کہ جو کسی اس جنگل سے اُپر آ گیا اسے کچھ بھی نہیں کہا جائے گا۔ یہ ایک بات ہے غزلوں سداوں ہمید یہ واحد انسان ہے جو زندہ اسے جنگل سے اُپر آ کر ہے۔"

"نہیں... سلیتا نے کہہ کر چلا۔

چاپ پئی حکومت سے کیجئے۔

☆ ☆ ☆

میں دُکس کے گل میں ایک پائے کرے کے چنگ پر لیٹے ہوئے گھوڑیا کے بارے میں سوچ رہا تھا وہ بلا شہر اپنی حسین لڑکی اس کو دیکھ کر کسی بھی انسان کو پرانہ ہو جانا لازمی امر تھا اگر وہ اس کی دنیا میں ہوتی تو وہیں کا ہر زور جو ان سے اپنے کی فضا کرتا مگر دُکس کو اس کی حقیقت کا علم تھا کہ وہ عام انسان نہیں ہے وہ ایک دیوی کی جس کی مرموچوں پر چھو جاوے اس لئے دُکس اس کی ہمدردی کو دیکھ کر اپنے دل میں کوئی کھلی غلطی نہیں پانا چاہتا تھا اسے اس بات کا بھی اندازہ تھا کہ تیرا سب اس دنیا میں نہیں رہتا اُتار اس بات کا سب سے زیادہ افسوس تھا جو کچھ کسی کے دھوکے کے لئے تو یہ ہے اس سے ہر کسی کا اعتبار جھین لیا تھا۔

اس کی سب سے زیادہ افسوس یہ تھی کہ وہ کسی کی کینت پر کھینچ نہیں کرنا چاہتا تھا کیونکہ وہ اپنے چاہنے والوں کی جنگل میں ان کے لئے دُکس کا خاتمہ کرنا کوئی مشکل کام نہیں تھا وہ انہیں سوچوں میں گم چنگ سے لک لگائے بیٹھا تھا۔

اپنا کھڑا رواں دکھاؤ گھوڑیا اندھا نل ہوئی آج پہلی بار دُکس نے اس سے چہرے پر مسکراہٹ دیکھی تھی وہ مسکراہٹ نے دُکس کو کچھ نہیں لگندھی تھی وہ آرام آرام سے قدم اُٹھاتی اس کی جانب بڑی اس کے پرکڑے ہوئے حالت میں سانس دے تھے اس کے ساتھ چنگ پر بیٹھ کر تو دُکس کی توجہ اس پر سیدھا ہوا کہ چھوڑنا۔

"کب کبھی اسے تمہاری طبیعت؟" گھوڑیا نے سوالیہ انداز میں کہا۔

"پہلے سے کافی بہتر ہوں لو اس کے ساتھ ہی آپ کا ہے مدد کرنا تو کسی ہوں۔" دُکس نے مسکرا کر کہا۔

"شکر گزار۔" اس بات کے لئے؟ "گھوڑیا نے مصیبت سے کہا تو دُکس کے مونڈوں پر مسکراہٹ رواں آئی۔

"آپ نے راسل دوبارہ میری جان بچائی ہے

کاش دیکھ

بیلی ہار جیٹ کے ہاتھوں میں سے پہلیا ہورودری ہارانی۔ "دُکس کہتے ہیں کہ ایک گھوڑیا لگا شاید اپنی ماں کا نام اس کے منہ سے نکل گھوڑیا گھبرا گئے۔

"میں جانتی ہوں میری ماں طبیعت کی تھوڑی سخت ہیں مگر دل کی بہت اچھی ہیں۔"

"دل کی تو آپ کی بہت اچھی ہیں۔" دُکس نے کہا تو گھوڑیا نے دُکس سے کیجئے۔

"کچھ گھوڑیا ہو۔" "دُکس نے اس کی نظروں کا مشہدہ کیجئے ہوئے۔

"دیکھ رہی ہوں کہ تم انسان کہتے جذباتی ہوتے ہو۔" گھوڑیا نے دُکس سے کہا۔

"جذبات انسانوں میں کیا جانوروں تک میں ہوتے ہیں بلکہ انداز ضرور ہر جذبہ ایک ہوتا ہے۔"

"تمہارے جذبے کا انداز کون سا ہے؟" گھوڑیا نے اس کی آنکھوں میں چھماک کے کہا اس سے پہلے کہ دُکس کوئی جواب دیتا اور وہ دکھا ہورسلیتا اندھا نل ہوئی گھوڑیا دیکھا جانے والی نظروں سے گھورا تو گھوڑیا گھبرا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

"گھوڑیا تم جانتی ہو۔" "سلیتا نے سر کا دھار میں کہا تو گھوڑیا نے اپنے چپ پر سمجھتے ہوئے سے جلی جلی اندر سلیتا نے اس سے کہا کہ دُکس کو مخاطب کیا۔

"امید ہے کہ تم ایک ورتد تک مکمل ٹھیک ہو جاؤ گے لو اس کے بعد جھپٹیں تمہاری دنیا میں لانا دیا جائے گا۔"

"مگر سانس نے کہا تھا کہ میں۔" "دُکس نے کہا تو سلیتا نے تیزی سے اس کی بات کاٹ دی۔

"ہرگز نہیں سانس جھپٹیں یہاں رکھنا چاہتا ہے میں وہ ہرگز نہیں ہونے دے گی میں یہاں سے ہر حال میں جانا ہوا کیونکہ میں نے اپنا ایک ہاتھ قہار میں سے گھوڑیا چاہا اپنی بی بی کو گھر لے کر نہیں جانا چاہتی تھی۔" سلیتا نے توجہ کچھ میں کہا تو تیزی سے باہر نکلی جب کہ دُکس حیرت سے بندھوا کر کھڑک گیا۔

”تم نے ٹھیک کہا تم واقعی بالکل انسانوں پر مبنی ہو اور باقی دلوں پر مبنی بالکل انسانوں جیسے ہی ہیں صرف طاقت کا یہ فرق ہے اور میں اس فرق کو یہ یاد امریت نہیں دیتا۔“ بلڈگس نے لاپرواہی سے کہا۔

”اہمیت دینی پڑے گی کیونکہ جن آپ سے طاقت
ور ہے اس سے الجھنائیں چاہئے کیونکہ وہ آپ کا بہت کچھ
بگاڑ سکتا ہے اور یہی اس کائنات کا اصول ہے“ گلو ریانے
تیز لہجے میں کہا۔

”مگر اس کائنات کا ایک اور بھی اصول ہے وہ یہ کہ اپنے حق کے لئے کسی سے بھی کھرا جاؤ۔۔۔“ ہدکس نے سنجیدگی سے کہا۔

”میں آپ کا حق کب سے ہو گئی۔“ کیوں جانے
جلد بازی میں کہہ دیا اور مجرا بنے ہی افغالا کی اہمیت کا اعتراف
ہوئے ہی وہ تیزی سے اٹھ کھڑی ہوئی اور جانے لگی
اور لوگس نے ایک دم آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ تھام لیا
اور اس کے سامنے آنے لگے کھڑا ہوا۔

”یعنی تمہیں بھی اس بات کا علم ہے کہ میں تمہیں اپنا حق سمجھتا ہوں۔“ مدرگس نے کہا مگر گوریا نا موٹھ دی۔

”ہاں یہ حقیقت ہے کہ میں تم سے محبت کرنے لگا ہوں کب سے؟ کیسے؟ ان سوالوں کا جواب میرے پاس بھی نہیں ہے۔“

”آپ کو انازا ہے کہ آپ کتنی عظیم بات سوچ رہے ہیں مگر اس بات کی کسی کو تکلف بھی لگ گئی تو آپ کے ساتھ کیا ہو سکتا ہے اس بات کا آپ کو انازا دے؟“ گھوڑا نے گہرے آواز میں کہا۔

"اپنے انجاس کے بارے میں مجھے اندازہ نہیں
یقین ہے لیکن اگر تم بھی میرے بارے میں وہ سوچتی
ہو تو تمہارے بارے میں سوچنا اور تو مجھے کہے انجاس کا

گفتمیں۔ "مدرس نے فوس لہجے میں کہا اس سے پہلے کہ گوری کوئی جواب دیتی کہی مدرس پر چھینکا اور اسے دبوچ لےا تھا میں بلند ہوتا گیا مدرس کے منہ سے بے اختیار کچا نکل گوری کو بانیے دیکھا میں مدرس پر چھیننے والا گوری کو نہیں چھینسیں سے تو وہ بھی مدرس کو بھانے کے لئے بے اختیار

☆...☆...☆
 دو روز بعد ہر گس چلے پھرنے کے قابل ہو گیا اس
 روز کے بعد اس کا گلو یا اسلینا سے سامنا نہیں ہوا تھا یہاں
 البتہ اب وہ گلو یا کے بارے میں ضرور سوچنے لگا تھا شاید

اسے گورو یا سہجت ہوگئی تھی مگر وہ کوئی بھی نہیں لے سکی بے قوتی نہیں کرنا چاہتا تھا جس سے دیوتاؤں کا پورہ خاندان اس کا دشمن ہو جائے لیکن لاہور میں پچیس پہلے ہی اسے اپنے کھیت کرتے تھے اور وہ انہیں کسی بات کا اپنی جانب سے موقع نہیں دیتا

چاہتا تھا وہ چلتے چلتے شام کے وقت کل سے باہر نکل آیا
جہاں پر چھوٹے بڑے چشمے تھے کہ اچانک ایک بڑے
چشمہ کے پاس بڑے ایک بڑے پتھر پر اسے گلوہا بیٹھی نظر

آئی گھوڑا کی پشت اس کی جانب تھی اس لئے گھوڑا سے کہہ نہ پائی بلکہ اس آہستہ آہستہ چلا ہوا اس کے قریب پہنچا اور سرگرد کی گونا گونا کہ اس کے ساتھ چتر پر پہنچا گھوڑا اس کی آمد سے باخبر بھی گردہ بدستور نگرش جو کائے پہنے والے پائی کو دیکھ کر جاری تھی۔

”کیا میں غلط وقت پر آیا ہوں.....؟“ بدھس نے ایک سکرپٹ پٹی میں اچھالتے ہوئے کہا مگر گوریانے اس کی بات کا جواب نہیں دیا۔

”کیا مجھ سے ملنا ہو.....؟“ مدس نے کہا
 تو اس نے سرائی کے ایک نظر مدس کو دیکھا
 اور پھر سر جھکا لیا۔
 ”نہیں.....“

”تو پھر اس دن کے بعد میرا حال پوچھنے کیوں نہیں آئیں۔۔۔“ مگر میں نے سوال یا غلامی نہ کہا۔
 ”کیونکہ میں لڑکی کوئی حرکت نہیں کر چکا تھی
 جو آپ کی تکلیف کا سبب بنے۔“ گلہ یانے دھیر سے سے
 کہا۔

”جیسے میری اتنی فکر کب سے ہونے لگی.....؟“
 مدرس نے مسکراتے ہوئے کہا۔
 ”کیوں نہیں ہو سکتی کیا میں انسان.....“ گھوڑیا
 کہتے کہتے رک گئی تو مدرس کے ہونٹوں پر مسودہ مسکراہٹ
 اور گہری ہو گئی۔

۱۔ اچھی سمجھنے والے انتہائی بلند پرستی کے ایک دم مدرس کو چھوڑ دیا اور وہ قلا ہاڑیاں کھاتا تھامیڑی سے زمین کی جانب بڑھنے لگا اسے اپنی موت سامنے نظر آ رہی تھی اس لئے اس نے اپنی آنکھیں بند کر لیں مگر اس سے پہلے کہ وہ

زمین پر کرتا کسی نے زمین سے چند ٹلوں پر ہی اس کا ہاتھ
 تمام لیا بلکہ اس نے دیکھا اس کا ہاتھ تھا سننے والا اور کوئی نہیں
 گھبراہٹ کی گلابی اسے ہاتھ سے پکڑے تیزی سے محل کی
 جانب اڑی وہی بلکہ اس نے دیکھا تیسری تیزی سے لایا

جانب بڑھ رہا تھا اس کی رفتار گھوڑا سے کہیں زیادہ تھی اور چند لمحوں میں ہی وہ ان کے قریب پہنچ گیا۔

”رک جاؤ گھوڑا۔۔۔۔۔“ عیسٰی سر اٹھا کر فرمایا۔

”آپ ہٹ جائیں ہمارے راستے سے۔“ گھوڑیا

”تم جانتی ہو تم بغاوت کر رہی ہو۔“ تھیسس غرایا۔
”نہیں میں کوئی بغاوت نہیں کر رہی میں بس اسے

”ٹھیک ہے میں دیکھتا ہوں تم اسے کیسے بچا سکتی ہو۔“ یہ کہہ کر جیسیس گلوڈیا پر بچپنا اور اس کے دلوں پر اپنے آہنی

ہاتھوں کے سبب سے لے کر پورے زور لگا کر اس کی گرفت میں سے خود کو چھڑانا چاہا مگر کام رہی اسی کشاکش میں اس کے ہاتھ سے مدرک کا ہاتھ چھوٹ گیا اور وہ تیزی سے زمین پر گرنے لگا۔

یہ دیکھ کر گھوڑے نے آخری لمبی پوری طاقت سے خود کو تھیس کی گرفت سے آزاد کرانے کی کوشش کی مگر اس بار بھی اسے ناکامی کا منہ دیکر پرامن دل میں زمین پر گرنے کے قریب تھا۔ دیکھ کر گھوڑے اسے ملنے سے تیز چلنے لگی مگر یہ اس کی آخری لمبی طاقت تھی۔ اس نے کچل کچل کر اسے تھیس سے

معدی بھرم کچھ پڑا تھا جس نے اسے اٹھ کر دینا سے
 بگاڑ کر دیا۔
 گھوڑی کی آنکھ کھلی تو اس نے خود کو اپنے کمرے کے
 بنگلے پر آباد ہونے کے اندر بیٹھی اس نے دیکھا اس کے ساتھ
 اس کی بہن بیٹھی تھی جس کے اس کے کچھ عجیب سی رنگ اور آقا

”تو جیسے ہوش آ ہی گیا۔“ سلیتا نے طنزیہ انداز میں کہا۔
 ”ہاں مگر وہ دس.....“

”مگر سمر گیا ہے اور تمہارے لئے بہتر ہے کہ اب
اس کا نام بھی مت لو.....“ سلیمان نے غصے سے کہا۔
”مگر! کیا قصور کیا تھا؟“ گلہ اٹھنا شروع کیا

”چلاؤ مت اس کا قصور یہ تھا وہ تم سے محبت کرتا تھا۔“

”اچھا ہے کہ تم اسے نہیں چاہتی تھیں ورنہ تم زندہ نہ

فصل اور یوں سے گھر کا کھانا بن جائے جس جیسے مادرِ ملی
فرمان میں ملتا تھا۔ "سلیتا نے کہا اور اٹھ کے باہر چلی گئی
سیسیس بھی اس کے پیچھے باہر نکل گیا اور روزہ باہر سے
کر دیا جبکہ گھر یا کے گاہ کو بے ساختہ آنا سو گرنے لگے۔

☆☆☆☆

مدرسہ کو ہوش اس وقت آیا جب وہ مگرے گرتے
ملین کے قریب پہنچ گیا اس نے آنکھیں بند کر لیں

نہیں اس کی گہری مٹی میں جا رہا ہوں اس نے بے اختیار
خس ہو گئی چند لمحوں بعد اس کا جسم خود بخود پانی کی سطح پر
آ گیا اس نے دیکھا وہ خوش قسمتی سے پانی کے ایک چشمہ

پتہ کے لیے جس سائے لینے کا رنگ گوریا کے ہرے میں
چنے کا لکڑی کا پتہ اس کا بھی طرح اندازہ تھا کہ گوریا یاں
چھوڑے اس معیت کا ذکر ہوئی ہے وہ اس تمام معیت
نکلنے کے لئے کوئی عمل سوچنے کا کچھ اچانک اس نے

☆.....☆.....☆
 ”تو جس.....“ کسی نے چلا کے محل کے سامنے کہا

کسی نے اسے توہین آمیز انداز میں نہیں کھینچا تھا۔ سب پاسیوں پر اگلے سے اگلے میدان میں نکلے تو وہیں نے دھکا دیکھنے والا دور کی بکریں دیکھیں۔ تمام پاسیوں نے اس کے کھیمہ بولالہ جاں سے پہلے دوڑے پکڑے۔

”رک جاؤ۔۔۔۔۔“ کسی نے لڑکائی ہوئی آواز میں کہا۔

توسای کر کے زخموں سے نکلے سے بھیج آئے

ہوئے کہاں سے؟ ساتھ ساتھ سڑکیں ہوئیں اور سلینا بھیج آئے

”ہولار! کہاجوہر کے تہنیں اس نے نہیں اس نے انداز سے پکھلا ہے تم جانے دو کہ اس کا انجام کیا ہو سکتا ہے۔“ زخموں نے نہ گولی سے کہا۔

”انجام..... انجام..... میں نکل آ گیا ہوں یہ سب سن کر آخراً آپ مجھے سمجھے کیا ہیں کیا انہماؤں کی آپ کی نظر میں کوئی اہمیت نہیں۔“ مدرسنے کہا تو بیسیس نے غصے سے آگے بڑھنے لگا مگر زہرا نے ہاتھ دھکا دھکا سا رکھنے لگا تھا۔

”اہمیت ہے، جتنی تمہارے نزدیک کسی کیڑے
 کھوڑے کی اہمیت ہے۔“ کوئٹہ نے حکمت سے کہا۔
 ”نہیکہ کہ آپ نے آپ کی ایسی سوچ کی وجہ سے
 سلیمان اور عیسیٰ نے مجھے ہارنے کی کوشش کی۔“ ہارکس نے
 تحمل سے کہا۔

”ہاں انہوں نے بتایا تھا کہ تم گھوڑا میں روک چکی لینے
گھے تھے اس لئے انہوں نے انتہائی قدم اٹھایا۔“
”یہ سچ ہے میں واقعی گھوڑا یہ محبت کرتا ہوں۔“
مادر گس نے جلدی سے کہا۔
”رہ جانے تاکہ وہ تر سے کوئی ٹھیک ٹھیک رکتی۔“

رہو جس کے جواب دینے سے پہلے سلیٹا نے تیز لہجے میں کہا
تو زہرا نے اسے فحشہ ستدیکھا۔
”مگھور کیا ابھی اور اسی وقت یہاں بلایا جائے۔“
زہرا نے کہا کہ تو غصی رویہ پر مگھور کیا آہستہ آہستہ چلتی ہوئی
اس کی طرف بڑھ کر اپنے دل سے غصہ نکال رہی تھی، وہ خوب

صورت آنکھیں شاید مسلسل رونے کی وجہ سے بھیجی نظر آ رہی تھیں اس نے بارگس کو دیکھا تو اس کا چہرہ بے اختیار کھل اٹھا مگر دوسرے ہی لمحوں میں مایوسی چھا گئی۔

نہیں وہ اس کے بارے میں کیا سوچ رہی ہوگی وہ انہیں
خیالوں میں کھویا ہوا تھا کیا چاکل کھلا دلا کھلا۔
"شاید مرنے کا وقت ہو گیا ہے۔" مدرس نے سوچا
مگر جب اس نے سر اٹھا کے دیکھا تو حیران رہ گیا کیونکہ
آنے والا لڑکی نہیں گھر یا تھی۔

"گھر یا..... تم..... لڑکی یہاں کیا میں کوئی خواب
دیکھ رہا ہوں۔" مدرس نے حیرانگی سے لٹختے ہوئے کہا۔
"نہیں یہ حقیقت ہے۔" گھر یا نے اس کی آنکھوں
میں دیکھتے ہوئے کہا۔

"میں جانتا ہوں میں نے تمہارے ساتھ بہت برا
کیا مگر کیا کرنا کرنا کوئی راستہ بھی تو نہیں تھا ایک ہی طریقہ تھا
جس سے میرا دوسرے کدیل سے انسانوں کی نفرت کم کی جاتی
تھی۔" مدرس نے کہا۔
"میں جانتی ہوں اور آپس میں اس بات سے بہت
دور ہیں اس لئے وہ خود نہیں لینے آئے ہیں۔" گھر یا نے
مسکراتے ہوئے کہا۔

"کہاں ہیں وہ.....؟" مدرس نے حیرانگی سے کہا۔
"ہر پہرے پر موجود سپاہیوں کو تھوڑی دیر کے لئے سلاوا ہے
میں لہریں مجھے کہا ہے کہ تمہیں لے کر دیتا مگر یہ نہیں۔"
گھر یا نے کہا اور مدرس کا ہاتھ پکڑ کے باہر نکلے گی تو مدرس
رک گیا تو گھر یا اسے حیرانگی سے دیکھنے لگی۔
"پہلے میری ایک بات کا جواب دو۔"
"کون سی بات کا.....؟" گھر یا نے حیرانگی سے
کہا۔

"کیا تمہیں بھی مجھ سے محبت ہے.....؟" مدرس
نے اس کا ہاتھ دونوں آغوشوں سے تھام کر کہا۔
"اس کا جواب راستے میں دوں گا۔" گھر یا نے
مسکراتے ہوئے کہا تو مدرس کے ہونٹوں پر بھی مسکراہٹ دوڑ گئی
اور پھر گھر یا مدرس کو لے کر باہر آئی اسے اپنی آغوشوں میں لے
کر زمین سے اٹھ کر کٹھنی اور اس میں بٹنے لگی۔

"تم یہ لڑکی جیت چکے ہو۔" لڑکی نے طویل
سانس لے کر کہا تو سلیٹا کا چہرہ لٹک گیا جبکہ گھر یا کے
ہونٹوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔
"میرا تو کیا کہتے ہو.....؟" لڑکی نے کہا تو گھر یا کی
خوشی مدھم ہو گئی۔
"میں یہ چاہتا ہوں کہ یہاں موجود تمام انسانوں
کامیابی دنیا میں رہیں جیسے جابائے لہو سے کبھی بھی کوئی بھی
دیہات کی انسان کا شکار نہ کرے۔" مدرس نے کہا تو گھر یا
مدرسے حیرت کے اسے دیکھنے لگی صرف یہی نہیں سب کے
چہروں پر حیرانگی چھا گئی چند لمحوں کے لئے موت کا سناٹا چھا
گیا۔
"کیا تم واقعی یہی کہنا چاہتے ہو کہ میرے خیال میں
جو گھر اور لگانا چاہئے۔" لڑکی نے کہا۔
"میں جانتی ہوں اس میں بھی خواہش ہے۔" مدرس نے
گھر یا سے نظریں جھکا چکے ہوئے کہا تو لڑکی نے اسے
کے سر ملا دیا۔
"تم انسان واقعی ہو۔" لڑکی نے کہا۔
"ہو لہریں تم نے اپنے دل کی قربانی دے کر انسانیت
کو بچا کر ثابت کر دیا۔" لڑکی نے کہا۔
اور پھر تمام انسانوں کو لے کر باہر کے دنیا میں لوٹا۔
کا حکم دیا ان انسانوں کے ساتھ مدرس کو بھی زمین
پر لوٹا دیا گیا۔

☆.....☆.....☆
مدرس کو جیسے ہی نیویارک میں اتر کر آیا وہ سیدھا
پولیس اسٹیشن گیا اور گزرتی دسویں سٹریٹ کے چار کھنڈے
کے بعد اسے خطرناک فرار پر مجبور کر دیا گیا اور اسے ہی جیل
کرانے کا ذمہ دار قرار دے کے تین دن کے اندھا اندھ اسے
موت کی سزا سنائی گئی کا فیصلہ ہوا صبح اسے انجمن نگاہ کے
ہیچ کے لئے سلاوا دیا تھا اس کا پچھلا پھر تھا مدرس اپنے
شیل کی دیوار سے ٹک لگا لگا گھر یا کے خیالوں میں کھویا
ہو تھا اسے مرنے کی فکر نہیں تھی اسے فکر تھی تو اس بات کی تھی
کہ نہ جانے گھر یا اس سے محبت کرتی تھی یا نہیں اور یہ

☆.....☆.....☆

